

اُرْدُو دائرۂ معارفِ اسلامیہ

زیر اہتمام
شعبہ اُردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ
دانش گاہ پنجاب، لاہور



نسٹعلیق ایڈیشن

جلد ۲

(اَزْغُون — اَلْبَاتِيَه)

طبع اوّل : محرم ۱۴۳۹ھ / ستمبر ۲۰۱۷ء

ادارہ تحریر

مدیر و رئیس ادارہ ^۱	ڈاکٹر محمد وحید میرزا، ایم اے (پنجاب)، پی ایچ ڈی (لنڈن)
قائم مقام رئیس ادارہ ^۲	پروفیسر محمد علاء الدین صدیقی، ایم اے، ایل ایل بی (پنجاب)
قائم مقام رئیس ادارہ ^۳	پروفیسر حمید احمد خاں، ایم اے (پنجاب)، ایم لٹ (کیمبرج)
مشیر رئیس ادارہ ^۴	مولانا غلام رسول مہر
معاون رئیس ادارہ ^۵	ڈاکٹر محمد نصر اللہ احسان الہی رانا، ایم اے، پی ایچ ڈی (پنجاب)، پی ایچ ڈی (کیمبرج)
مدیر معاون ^۶	سید محمد امجد الطاف، ایم اے (پنجاب)
مدیر معاون ^۷	سید نذیر نیازی، ایم اے (پنجاب)
مامور خصوصی ^۸ و مدیر معاون ^۹	عبد المنان عمر، ایم اے (علیگ)
معمد ادارہ ^{۱۰}	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ایم اے (پنجاب)

مقالہ اسلام کی تدوین و اشاعت ڈاکٹر سید عبداللہ، ایم اے، ڈی لٹ، پروفیسر ایمریطس موجودہ رئیس ادارہ کے زیر نگرانی ہوئی

- ۱- از ۱۴ مارچ ۱۹۶۳ء تا ۱۵ اپریل ۱۹۶۶ء؛ ۲- از یکم دسمبر ۱۹۶۵ء تا ۶ جولائی ۱۹۶۶ء؛
- ۳- از ۲ جولائی ۱۹۶۶ء تا ۱۳ نومبر ۱۹۶۶ء؛ ۴- از ۲ جولائی ۱۹۶۶ء تا ۳ نومبر ۱۹۶۶ء؛
- ۵- از اکتوبر ۱۹۶۱ء؛ ۶- از ۲۲ مئی ۱۹۶۲ء؛ ۷- از ۱۲ جولائی ۱۹۶۳ء؛ ۸- از ۱۲ فروری ۱۹۵۸ء تا جنوری ۱۹۶۵ء؛
- ۹- از ۲۳ جنوری ۱۹۶۵ء؛ ۱۰- از ۶ اپریل ۱۹۶۰ء؛ ۱۱- از ۱۴ نومبر ۱۹۶۶ء

مجلس انتظامیہ

- ۱- پروفیسر حمید احمد خاں، ایم اے (پنجاب)، ایم لٹ (کیمبرج)، ستارہ امتیاز، وائس چانسلر دانش گاہ پنجاب (صدر مجلس)
- ۲- جسٹس ڈاکٹر ایس اے رحمن، ہلال پاکستان، چیف جسٹس سپریم کورٹ، پاکستان، لاہور
- ۳- لیفٹیننٹ جنرل ناصر علی خاں، سابق صدر پبلک سروس کمیشن، مغربی پاکستان، لاہور
- ۴- مسٹر معز الدین احمد، سی ایس پی، رکن ریونیو بورڈ، حکومت مغربی پاکستان، لاہور
- ۵- مسٹر الطاف گوہر، سی ایس پی، تمنغہ پاکستان، ستارہ قائد اعظم، ستارہ اطلاعات پاکستان، راولپنڈی
- ۶- معتمد مالیات، حکومت مغربی پاکستان، لاہور
- ۷- سید یعقوب شاہ، ایم اے، سابق آڈیٹر جنرل پاکستان و سابق وزیر مالیات، حکومت مغربی پاکستان، لاہور
- ۸- مسٹر عبدالرشید خاں، سابق کنٹرولر پرنٹنگ اینڈ سٹیشنری، مغربی پاکستان، لاہور
- ۹- ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، ایم اے، ڈی لٹ، سابق پرنسپل اور پینٹل کالج، لاہور
- ۱۰- پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر، ایم اے، پی ایچ ڈی، پرنسپل اور پینٹل کالج، لاہور
- ۱۱- پروفیسر محمد علاء الدین صدیقی، ایم اے، ایل ایل بی، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور
- ۱۲- سید شمشاد حیدر، ایم اے، مسجّل و خازن، دانش گاہ پنجاب، لاہور

بار اول: محرم ۱۴۳۹ھ / ستمبر ۲۰۱۷ء

ناشر: محمد ارشد، ایم اے، پی ایچ ڈی (پنجاب)، رئیس شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور
مطبع: پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور

رموز و اختصارات

(۱)

کتاب عربی و فارسی و ترکی وغیرہ اور ان کے تراجم اور بعض مخطوطات جن کے حوالے اس کتاب میں بکثرت آئے ہیں

ابن خلدون: مقدمہ = *Prolegomènes d' Ibn Khaldoun*, طبع
کاتریمیر (E. Quatremere), پیرس ۱۸۵۸-۱۸۶۸ء (Notices
(et Extraits XVI-XVIII)

ابن خلدون: مقدمہ، ترجمہ دیسلان = *Prolegomènes d' Ibn
Khaldoun*, ترجمہ و حواشی از دیسلان (M. de Slane), پیرس
۱۸۶۳-۱۸۶۸ء (طبع ثانی ۱۹۳۴-۱۹۳۸ء).

ابن خلدون: مقدمہ، ترجمہ روزنٹھال = *The Muqaddimah*, ترجمہ از
Franz Rosenthal, جلد، لنڈن ۱۹۵۸ء.

ابن خلدون = *وفیات الأئمان و أنباء أبناء الزمان*, طبع ڈسٹینفلٹ (F.
Wustenfeld), گوتنگن ۱۸۳۵-۱۸۵۰ء (حوالے شمار تراجم کے اعتبار
سے دیے گئے ہیں).

ابن خلدون، بولاق = وہی کتاب، بولاق ۱۲۷۵ء.

ابن خلدون، قاہرہ = وہی کتاب، قاہرہ ۱۳۱۰ء.

ابن خلدون، ترجمہ دیسلان = *Biographical Dictionary*, ترجمہ از
دیسلان (M. de Slane), جلد، پیرس ۱۸۴۳-۱۸۷۱ء.

ابن رُسْتَه = *الأعلام النقيصة*, طبع ڈخویہ، لنڈن ۱۸۹۱-۱۸۹۲ء (BGA VII).
ابن رُسْتَه، بیت = *Les Atours précieux*, ترجمہ از G. Wiet, قاہرہ
۱۹۵۵ء.

ابن سعد = کتاب الطبقات الكبير، طبع زخاؤ (H. Sachau) وغیرہ، لنڈن
۱۹۰۴-۱۹۴۰ء.

ابن العزاري = کتاب البيان المغرب، طبع کولن (G. S. Colin) و لیوی
پرووانسال (E. Lévi-Provençal), لنڈن ۱۹۴۸-۱۹۵۱ء، جلد
سوم، طبع لیوی پرووانسال، پیرس ۱۹۳۰ء.

ابن العماد: شدرات = شدرات الذهب في أخبار من ذهب، قاہرہ ۱۳۵۰-
۱۳۵۱ھ (سنین و فیات کے اعتبار سے حوالے دیے گئے ہیں).

ابن الفقيه = مختصر کتاب البلدان، طبع ڈخویہ، لنڈن ۱۸۸۶ء (BGA V).

ابن قتيبة: شعر = کتاب الشعر والشعراء، طبع ڈخویہ، لنڈن ۱۹۰۲-۱۹۰۴ء.

ابن قتيبة: معارف = کتاب المعارف، طبع ڈسٹینفلٹ، گوتنگن ۱۸۵۰ء.

ابن هشام = کتاب سيرة رسول الله، طبع ڈسٹینفلٹ، گوتنگن ۱۸۵۸-۱۸۶۰ء.

ابوالفداء: تقويم = تقويم البلدان، طبع ریٹو (J. T. Reinaud) و دیسلان (M.
de Slane), پیرس ۱۸۴۰ء.

آئین اکبری = ابوالفضل: آئین اکبری، Bibl. Indica.

آئین اکبری، ترجمہ = ترجمہ آئین اکبری از بلوچمن Blochmann (جلد

اول) و از Jarrett (جلد ۲ و ۳)، Bibl. Indica.

(= انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، انگریزی، طبع اول یادوم، لنڈن.

ابن الأبار = کتاب تكملة الصلة، طبع کوڈیرا (F. Codera)، میڈرڈ ۱۸۸۷-
۱۸۸۹ء (BAH V-VI).

ابن الأبار: تكملة = M. Alarcóny C. A. González Palencia =
Misc. de Apéndice a la adición Codera de Tecmela
de estudios y textos árabes, میڈرڈ ۱۹۱۵ء.

ابن الأبار، جلد اول = ابن الأبار: تكملة الصلة،
texte arabe d'après, ابن الأبار، جلد اول =
un ms. de Fès, tome I, complétant les deux vol.

صحیح A. Bel و محمد بن شنب، الجزائر
۱۹۱۸ء.

ابن الأثير یا ۲ یا ۳ یا ۴ = طبع اول، کتاب الكامل، طبع ٹورنبرگ (C. J.
Tornberg), لنڈن ۱۸۵۱-۱۸۷۶ء؛ طبع دوم و سوم، کتاب الكامل،
طبع قاہرہ ۱۳۰۱ھ؛ ۱۳۰۳ھ؛ طبع چہارم، کتاب الكامل، طبع قاہرہ
۱۳۲۸ھ، ۹ جلد.

ابن الأثير، ترجمہ از فانیال = *Annales du Maghreb et de l'Espagne*,
ترجمہ از فانیال (E. Fagnan), الجزائر ۱۹۰۱ء.

ابن بشكوال = کتاب الصلة في اخبار أئمة الأندلس، طبع کوڈیرا (F.
Codera), میڈرڈ ۱۸۸۳ء (BAH II).

ابن بطوطة = تحفة النظار الخ مع ترجمہ از C. Defrémery اور B. R.
Sanguinetti, جلد، پیرس ۱۸۵۳-۱۸۵۸ء.

ابن تغري بزدی = النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة، طبع پوپر (W.
Popper), برکلے و لنڈن ۱۹۰۸-۱۹۳۶ء.

ابن تغري بزدی؛ قاہرہ = وہی کتاب، طبع قاہرہ ۱۳۴۸ھ بعد.

ابن حوقل = کتاب صوره الأرض، طبع کرامرز (J. H. Karamers),
لنڈن ۱۹۳۸-۱۹۳۹ء (BGA II, 2nd edition).

ابن حرّاذیہ = المسالك و الممالك، طبع ڈخویہ (M. J. de Goeje),
لنڈن ۱۸۸۹ء (BGA VI).

ابن خلدون: عیر = کتاب العبر و دیوان المبتدأ والخیر الخ، بولاق ۱۲۸۴ھ.

تأریخ بغداد = الخطیب البغدادی: تأریخ بغداد، ۱۲ مجلدات، قاہرہ ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء۔

تأریخ دمشق = ابن عساکر: تأریخ دمشق، ۷ جلد، دمشق ۱۳۲۹-۱۳۵۱ھ / ۱۹۱۱-۱۹۳۱ء۔

تأریخ العراق = عباس العزّاوی، تأریخ العراق، ۵ جلد، بغداد ۱۹۳۹-۱۹۵۴ء۔

تاریخ گزیده = محمد اللہ مستوفی القزوینی: تاریخ گزیده، طبع فاکسمیل از براؤن (E. G. Browne)، لائڈن ولنڈن ۱۹۱۰ء۔

تہذیب = ابن حجر العسقلانی: تہذیب التہذیب، ۱۲ مجلدات، حیدرآباد ۱۳۲۵-۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۷-۱۹۰۹ء۔

توزک جہانگیری = طبع سید احمد خان، علی گڑھ ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء۔

الشعابی: بیئمة = بیئمة الدھر فی محاسن اهل العصر، دمشق ۱۳۰۴ھ۔

الشعابی: بیئمة، قاہرہ = وہی کتاب، قاہرہ ۱۹۳۴ء۔

جُوینی = تاریخ جہان گشای، طبع محمد قزوینی، لائڈن ۱۹۰۶-۱۹۳۷ء (GMS XVI)۔

جُوینی، ترجمہ بوائل = *The History of the World-conqueror*، ترجمہ از بوائل (J. A. Boyle)، ۲ جلد، مانچسٹر ۱۹۵۸ء۔

حاجی خلیفہ: جہان نما = استانبول ۱۱۲۵ھ / ۱۷۳۲ء۔

حاجی خلیفہ = کشف الظنون، طبع محمد شرف الدین یالتقیا (S. Yaltkaya) و محمد رفعت بیگلہ الکلیسی (Kilisi Rifat Bilge)، استانبول ۱۹۳۱ء۔

۱۹۴۳ء۔

حاجی خلیفہ، طبع فلوجل = کشف الظنون، نشر فلوجل (Gustavus Flügel)، لاپزنگ ۱۸۳۵-۱۸۵۸ء۔

حاجی خلیفہ: کشف = کشف الظنون، ۲ جلد، استانبول ۱۳۱۰-۱۳۱۱ھ۔

حدود العالم = *The Regions of the World*، ترجمہ از منور نسکی (V. Minorsky)، لائڈن ۱۹۳۷ء (GMS N.S. XI)۔

حمد اللہ مستوفی: نزهة = نزهة القلوب، طبع لیسنرینج، لائڈن ۱۹۱۳-۱۹۱۹ء (GMS XXIII)۔

خانی خان = خانی خان: منتخب اللباب، Bibl. Indica۔

خواند امیر = حبیب السیر، (۱) تہران ۱۲۷۱ھ [۲] بمبئی ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء۔

الدرر الکامنة = ابن حجر العسقلانی: الدرر الکامنة، حیدرآباد ۱۳۲۸-۱۳۵۰ھ۔

دستور الوزراء = غیاث الدین بن ہمام الدین معروف بخواند امیر: دستور الوزراء، طبع سعید نفیسی، تہران ۱۳۱۷ھ۔

الدیمیڑی = حیوة الحیوان (کتاب کے مقالات کے عنوانوں کے مطابق حوالے دیے گئے ہیں)۔

Géographie d'Aboulfeda traduite = ترجمہ، *de l'arabe en français*، ج ۱/ii از ریٹو، پیرس ۱۸۴۸ء، ج ۲/ii از St. Guyard، ۱۸۸۳ء۔

الإدریسی: المَعْرِب = *Description de l'Afrique et de l'Espagne*، طبع ڈوزی (R. Dozy) و ڈخویہ، لائڈن ۱۸۶۶ء۔

الإدریسی، ترجمہ جوہار = *Géographie d'Edrisi*، ترجمہ از جوہار (P. A. Jaubert)، ۲ جلد، پیرس ۱۸۳۶-۱۸۴۰ء۔

الإصطیعیاب = ابن عبدالمبر: الاستیعاب، ۲ جلد، حیدرآباد ۱۳۱۸-۱۳۱۹ھ۔

الاشتقاق = ابن دُرید: الاشتقاق، طبع وینٹرفیلڈ، گوتنگن ۱۸۵۴ء (طبع اناسٹاتیک)۔

الإصابة = ابن حجر العسقلانی: الإصابة، ۴ جلد، کلکتہ ۱۸۵۶-۱۸۷۳ء۔

الإصطخری = المسالک والممالک، طبع ڈخویہ، لائڈن ۱۸۷۰ء (BGA I) اور طبع دوم (نقل طبع اول) ۱۹۲۷ء۔

الأغانی ۱ یا ۲ یا ۳ = ابوالفرج الاصفہانی: الأغانی، طبع اول، بولاق ۱۲۸۵ھ؛ طبع دوم، قاہرہ ۱۳۲۳ھ؛ طبع سوم، قاہرہ ۱۳۴۵ھ؛ بعد (طباعت جاری)۔

الأغانی، بروٹو = کتاب الأغانی کی ایکسوس جلد، طبع بروٹو (R. E. Brunnow)، لائڈن ۱۸۸۸ء / ۱۳۰۶ھ۔

الأبجاری: نزهة = نزهة الألباء فی طبقات الأذباء، قاہرہ ۱۲۹۴ھ۔

بادشاہ نامہ = عبدالمجید لاہوری: بادشاہ نامہ، Bibl. Indica۔

بدایونی = منتخب التواریخ، Bibl. Indica۔

برنی = ضیاء برنی: تاریخ فیروز شاہی، Bibl. Indica۔

البغدادی: الفرق = الفرق بین الفرق، طبع محمد بدر، قاہرہ ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء۔

الکلاؤری: أنساب = أنساب الأشراف، ج ۴ و ۵، طبع شلور سیکر (M. Schlossinger) و گوتائسن (S. D. F. Goitien)، بیت المقدس (یروشلم) ۱۹۳۶-۱۹۳۸ء۔

الکلاؤری: أنساب، ج ۱ = أنساب الأشراف، ج ۱، طبع محمد حمید اللہ، قاہرہ ۱۹۵۹ء؛ مخطوطہ جدیدہ من أنساب الأشراف، در مجلہ معهد المخطوطات العربیة، ج ۶، ۱۹۶۰ء (زیادات از نسخہ رباط و معارضہ و مخطوطہ و تصحیحات)۔

الکلاؤری: فتوح = فتوح البلدان، طبع ڈخویہ، لائڈن ۱۸۶۶ء۔

نبہتی: تاریخ بیہق = ابوالحسن علی بن زید البہقی: تاریخ بیہق، طبع احمد بہمنیار، تہران ۱۳۱۷ھ۔

نبہتی: تنمہ = ابوالحسن علی بن زید البہقی: تنمہ صوان الحکمة، طبع محمد شفیع، لاہور ۱۹۳۵ء۔

نبہتی، ابوالفضل = ابوالفضل بہقی: تاریخ مسعودی، Bibl. Indica۔

تاج العروس = محمد مرتضیٰ بن محمد الزبیدی: تاج العروس۔

- دولت شاہ = تذکرۃ الشعراء، طبع براؤن، لنڈن و لائڈن ۱۹۰۱ء۔
 ذہبی: حَقَاط = الذَّهَبِي: تَذْكَرَةُ الحُقَاط، جلد ۴، حیدرآباد ۱۳۱۵ھ۔
 رحمان علی = تذکرۃ علمائے ہند، لکھنؤ ۱۹۱۴ء۔
 روضات الجنات = محمد باقر خوانساری: روضات الجنات، تہران ۱۳۰۶ھ۔
 زامباور، عربی = عربی ترجمہ از محمد حسن و حسن احمد محمود، ۲ جلد، قاہرہ ۱۹۵۱-۱۹۵۲ء۔
 زبدة = حافظ ابرو: زبدة التواریخ، فقط وہ حصہ جو زبدة التواریخ بایسنغری کہلاتا ہے، جلد ۴، جملہ ۱، از ۶۳-۷۱-۸۰، نسخہ کتاب خانہ فاتح استانبول (اس نسخے کے کوائف کے لیے رکت بہ Felix Tauer: Les Manuscripts Persans, Historiques des Bibliothèques des Stanboul, No. 38، نقل مائیکرو فلمی در کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب۔
 السبکی = طبقات الشافعیہ، ۶ جلدات، قاہرہ ۱۳۲۴ھ۔
 سبجلی عثمانی = محمد ثریا: سبجلی عثمانی، استانبول ۱۳۰۸-۱۳۱۶ھ۔
 سمرکیس = سمرکیس: مجمع المطبوعات العربیہ، قاہرہ ۱۹۲۸-۱۹۳۱ء۔
 السمعانی = السمعانی: الأنساب، طبع عکسی باعتماد مر جلیوٹ (D. S. Margo liouth)، لائڈن ۱۹۱۲ء (GMS XX)۔
 السیوطی: بُعِيَّةُ = بُعِيَّةُ الوُعَاة، قاہرہ ۱۳۲۶ھ۔
 الشہرستانی = المملک والنحل، طبع کیورٹن (W. Cureton) لنڈن ۱۸۴۶ء۔
 الضبی = بُعِيَّةُ الْمُتَمَسِّمِ فِي تَارِيخِ رِجَالِ اَهْلِ الْاَنْدَلُسِ، طبع کوڈیرا (Codera) و ریبریہ (J. Ribera)، میڈرڈ ۱۸۸۵ء (BAH III)۔
 الضوء الآمع = السخاوی: الضوء الآمع، ۱۲ جلد، قاہرہ ۱۳۵۳-۱۳۵۵ھ۔
 الطبری = تَارِيخُ الرُّسُلِ وَ المُلُوكِ، طبع ڈخویہ وغیرہ، لائڈن ۱۸۷۹-۱۹۰۱ء۔
 طبقات اکبری = نظام الدین احمد بن محمد مہتمم ہروی، Bibl. Indica۔
 طبقات ناصری ۱ و ۲ = منہاج سراج جُوزْجَانِي: طبقات ناصری، (۱) Bibl. Indica: (۲) طبع آقای عبدالحی جیبی، کوئٹہ ۱۹۰۹ء و لاہور ۱۹۵۴ء، ۲ جلد۔
 عثمانلی مؤلف لری = بروسہ لی محمد طاہر: عثمانلی مؤلف لری، استانبول ۱۳۳۳ھ۔
 عقیف = شمس سراج عقیف: تاریخ فیروز شاہی، Bibl. Indica۔
 العقد القرید = ابن عبد ربہ: العقد القرید، قاہرہ ۱۳۲۱ھ و طباعت دیگر، حسب تصریح درحوالہ۔
 علی جواد = ممالک عثمانیہ تاریخ و جغرافیہ لغاتی، استانبول ۱۳۱۳-۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۵-۱۸۹۹ء۔
 عمل صالح = محمد صالح لکبو: عمل صالح، Bibl. Indica۔
 عنصری = دیوان حکیم عنصری، تہران، بلا تارتخ۔
 عنصری ۲ = دیوان حکیم عنصری، تہران ۱۳۶۳ ش۔
- عوننی: لُبَاب = لِبَابِ الْاَلْبَاب، طبع براؤن، لنڈن و لائڈن ۱۹۰۳-۱۹۰۶ء۔
 عیون الأنباء = طبع فیکلر (A. Müller)، قاہرہ ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء۔
 غلام سرور، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لاہور ۱۲۸۴ھ۔
 غوثی مائڈوی: گلزار ابرار، ترجمہ اردو موسوم بہ اذکار ابرار، آگرہ ۱۳۲۶ھ۔
 فرخی = دیوان حکیم فرخی سیستانی، تصحیح عبدالرسولی، تہران آبان ۱۲۱۱ ش۔
 فرشتہ = محمد قاسم فرشتہ: گلشن ابراہیمی، طبع سنگی، بمبئی ۱۸۳۲ء۔
 فرهنگ = فرهنگ جغرافیای ایران، از انتشارات دائرہ جغرافیای ستاد ارتش ۱۳۲۸-۱۳۲۹ ش۔
 فرهنگ آندراج = منشی محمد بادشاہ: فرهنگ آندراج، ۳ جلد، لکھنؤ ۱۸۸۹-۱۸۹۴ء۔
 فقیر محمد = حدائق الحنفیہ، لکھنؤ ۱۹۰۶ء۔
 فلٹن و لنگز = Alexander S. Fulton and Matrin Lings: Second Supplementary Catalogue of Arabic Printed Books in the British Museum، لنڈن ۱۹۵۹ء۔
 فہرست = ابن الندیم: کتاب الفہرست، طبع فلڈگل، لاپزگ ۱۸۱۷-۱۸۷۲ء۔
 ابن القفطی = تَارِيخُ الْحُكَمَاءِ، نشر لپرت (J. Lippert)، لاپزگ ۱۹۰۳ء۔
 الکلبشی: فوات = ابن شاکر الکلبشی: فوات الوفايات، بولاق ۱۲۹۹ھ۔
 کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی: مطلع، اردن = مطلع سعدین، نسخہ جامع سلیمیہ، اردن، نقل مائیکرو فلمی در کتاب خانہ محمد شفیع لاہوری۔
 کزیدہ = تَارِيخُ كَزَيْدِه۔
 لسان العرب = ابن منظور: لسان العرب، ۲۰ جلد، قاہرہ ۱۳۰۰-۱۳۰۸ھ۔
 مآثر الأئمراء = شاہ نواز خان: مآثر الأئمراء، Bibl. Indica۔
 مجالس المؤمنین = نور اللہ شوستری: مجالس المؤمنین، تہران ۱۲۹۹ھ۔
 محمد حسین: مخزن الادویہ، مع تحفۃ المؤمنین، شاہدہ دلہائی ۱۲۷۸ھ۔
 مرآة احمدی = علی محمد خان: مرآة احمدی، کلکتہ ۱۹۳۰ء۔
 مرآة الجنان = الیافعی: مرآة الجنان، ۴ جلد، حیدرآباد ۱۳۳۹ھ۔
 مرآة الزمان = سبط ابن الجوزی: مرآة الزمان، حیدرآباد ۱۹۵۱ء۔
 مسعود کیہان = جغرافیای مفضل ایران، ۲ جلد، تہران ۱۳۱۰ و ۱۳۱۱ ش۔
 مسعودی: مُرُوجُ الذَّهَبِ، طبع باربیہ دینار و پاوہ دگورتی، پیرس ۱۸۶۱-۱۸۷۷ء۔
 مسعودی: التنبیہ = کتاب التنبیہ و الإشراف، طبع ڈخویہ، لائڈن ۱۸۹۴ء (BGA VIII)۔
 مطلع (سمرقندی) = کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی: مطلع سعدین، جلد ۱ و ۲،

نظام شامی = نظام الدین شامی: ظفر نامہ، جلد اول، طبع فیکس تاور (Felix Tauer)، بیروت ۱۹۳۷ء۔
 الوافی = الصّقدی: الوافی بالوَفیات، ج ۱، طبع ریتزر (Ritter)، استانبول ۱۹۳۱ء؛
 ج ۲ و ۳، طبع ڈیڈرنگ (Dedering)، استانبول ۱۹۴۹ و ۱۹۵۳ء۔
 الہمدانی = صفة جزیرة العَرَب، طبع مئیر (D. H. Müller)، لائڈن ۱۸۸۴-۱۸۹۱ء۔
 یاقوت = مُعْجَم البُلْدان، طبع وینٹنفلٹ، لاپزگ ۱۸۶۶-۱۸۷۳ء (طبع اناساتیک، ۱۹۲۴ء)۔
 یاقوت: إرشاد (یا ادباء) = إرشاد الأریب الی مَعْرِفة الأَدیب، طبع مر جلیوٹ، لائڈن ۱۹۰۷-۱۹۲۷ء (GMS VI)؛ معجم الادباء (طبع اناساتیک، قاہرہ ۱۹۳۶-۱۹۳۸ء۔
 یعقوبی = تاریخ، طبع ہوتسما (M. Th. Houtsma)، لائڈن ۱۸۸۳ء۔
 یعقوبی: بُلْدان = طبع ڈخویہ، لائڈن ۱۸۹۲ء (BGA VII)۔
 یعقوبی، ویت = Ya'qūbī, Les Pays، ترجمہ از G. Wiet، قاہرہ ۱۹۳۷ء۔

طبع لاہور ۱۹۳۱-۱۹۳۹ء۔
 مطلع، کیمبرج = وہی کتاب، نسخہ کراؤٹ کالج کیمبرج، نقل فوٹوسٹیٹ، در کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب۔
 المَقْدِسِی = احسن التَّقاسیم فی معرفة الأقالیم، طبع ڈخویہ، لائڈن ۱۸۷۷ء (BGA III)۔
 المَقْرَی: *Analectes = نَفْح الطَّیْب فی غُضن الأَنْدُلُس الرِّطِیْب، Analectes sur l'histoire et la littérature des Arabs de l' Espagne*، لائڈن ۱۸۵۵-۱۸۶۱ء۔
 المَقْرَی، بولاق = وہی کتاب، بولاق ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء۔
 مَحْمُود باشی = صحائف الأخبار، استانبول ۱۲۸۵ھ۔
 میرخواند = روضة الصّفاء، بمبئی ۱۲۶۶ھ/۱۸۴۹ء۔
 نزهة الخواطر = حکیم عبدالحی: نزهة الخواطر، حیدرآباد ۱۹۳۷ء (طباعت جاری)۔
 نسب = مصعب الزبیری: نسب قریش، طبع لیوی پروانسال، قاہرہ ۱۹۵۳ء۔

زیادات

شفیعیہ = (مخطوطات) کتابخانہ محمد شفیع لاہوری۔
 وٹکر، ۶۱ = Whitaker — 1961, London 1961.

سی ب، ۶۰ = *The Statesman's Year-Book 1960*, London 1960.

(ب)

کتب انگریزی، فرانسیسی، جرمن، جدید ترکی وغیرہ جن کے حوالے اس کتاب میں بکثرت آئے ہیں

- Al-Aghāni, Tables=Tables alphabétiques du Kitāb al-aghāni*, rédigées par I. Guidi, Leiden 1900.
- Babinger = F. Babinger, *Die Geschichtschreiber der Osmanen und ihre Werke*, 1st. ed., Leiden 1927.
- Barkan, *Kanunlar* = Ömer Lûtfi Barkan: *XV ve XVI inci Asırlarda Osmanlı İmparatorluğunda Ziraî Ekonominin Hukukî ve Malî Esaxları*, I. *Kanunlar*, Istanbul 1943.
- Barthold, *Turkestan* = W. Barthold, *Turkestan down to the Mongol Invasion*, London 1928 (GMS, N. S. V.).
- Barthold, *Turkestan*² = the same, 2nd edition, London 1958.
- Blachère, *Litt.* = R. Blachère, *Histoire de la Littérature arabe*, i, Paris 1952.
- Brockelmann, I, II = C. Brockelmann, *Geschichte der Arabischen Litteratur*, Zweite den Supplement-bänden angepasste Auflage, Leiden 1943-1949.
- Brockelmann, S I, II, III = *G. D. A. L.*, Erster (Zweiter, Dritter). Supplement-band, Leiden 1937-42.
- Browne, i = E. G. Browne, *A Literary History of Persia, from the earliest times until Firdawsi*, London 1902.
- Browne, ii = *A Literary History of Persia, from Firdawsi to Sa'di*, London 1908.
- Browne, iii = *A History of Persian Literature under Tartar Dominion*, Cambridge 1920.
- Browne, iv = *A History of Persian Literature in Modern Times*, Cambridge 1924.
- Caetani, *Annali* = L. Caetani, *Annali dell'Islam*, Milano 1905-26.
- Chauvin, *Bibliographie* = V. Chauvin, *Bibliographie des ouvrages arabes et relatifs aux Arabes*, Lille 1892.
- Dorn, *Quellen* = B. Dorn, *Muhammedanische Quellen zur Geschichte der südlichen Küstenländer des Kaspischen, Meeres*, St. Petersburg 1850-58.
- Dozy, *Notices* = R. Dozy, *Notices sur quelques manuscrits arabes*, Leiden 1847-51.
- Dozy, *Recherches*³ = *Recherches sur l'histoire et la littérature de l'Espagne Pendant le moyen-âge*, 3rd ed., Paris-Leiden 1881.
- Dozy, *Suppl.* = R. Dozy, *Supplément aux dictionnaires arabes*, 2nd ed., Leiden-Paris 1927.
- Fagnan, *Extraits* = E. Fagnan, *Extraits inédits relatifs au Maghreb*, Alger 1924.
- Gesch. des Qor.* = Th. Nöldeke, *Geshichte des Qorans*, new edition by F. Schwally, G. Bergsträsser and O. Pretzl, 3 vols., Leipzig 1909-38.
- Gibb, *Ottoman Poetry* = E. J. W. Gibb, *A History of Ottoman Poetry*, London 1900-09.
- Gibb-Bowen = H. A. R. Gibb and Harold Bowen, *Islamic Society and the West*, London 1950-57.
- Goldziher, *Muh. St.* = I. Goldzher, *Muhammedanische Studien*, 2 Vols., Halle 1888-90.
- Goldziher, *Vorlesungen* = I. Goldziher, *Vorlesungen über den Islam*, Heidelberg 1910.
- Goldziher, *Vorlesungen*² = 2nd ed., Heidelberg 1925.
- Goldziher, *Dogme* = *Le dogme et la loi de l'islam*, trad. J. Arin, Paris 1920.
- Hammer-Purgstall, *GOR* = J. von Hammer (-Purgstall), *Geschichte des Osmanischen Reiches*, Pest 1828-35.
- Hammer-Purgstall, *GOR*² = the same, 2nd ed., Pest 1840.
- Hammer-Purgstall, *Histoire* = the same, trans by J. J. Hellert, 18 vol., Bellizard (etc.), Paris (etc.), 1835-43.
- Hammer-Purgstall, *Staatsverfassung* = J. von Hammer, *Des Osmanischen Reiches Staatsverfassung und Staatsverwaltung*, 2 vols., Vienna 1815.
- Houtsma, *Recueil* = M. Th. Houtsma, *Recueil des textes relatifs à l'histoire des Seldjoudides*, Leiden 1886-1902.
- Juynboll, *Handbuch* = Th. W. Juynboll: *Handbuch des islāmischen Gesetzes*, Leiden 1910.
- Juynboll, *Handleiding* = *Handleiding tot de kennis der mohammedaansche wet*, 3rd ed., Leiden 1925.
- Lane = E. W. Lane, *An Arabic-English Lexicon*, London 1863-93 (reprint, New York 1955-56).
- Lane-Poole, *Cat.* = S. Lane-Poole, *Catalogue of Oriental Coins in the British Museum*, 1877-90.
- Lavoix, *Cat.* = H. Lavoix, *Catalogue des Monnaies Musulmanes de la Bibliothèque Nationale*, Paris 1887-96.
- Le Strange = G. Le Strange, *The Lands of the Eastern Caliphate*, 2nd ed., Cambridge 1930.

- Le Strange, *Baghdad* = G. Le Strange, *Baghdad during the Abbasid Caliphate*, Oxford 1924.
- Le Strange, *Palestine* = G. Le Strange, *Palestine under the Moslems*, London 1890.
- Lévi-Provençal, *Hist. Esp. Mus.* = E. Lévi-Provençal, *Histoire de l'Espagne musulmane*, nouv. éd., Leiden-Paris 1950-53, 3 vols.
- Lévi-Provençal, *Hist. Chorfa* = E. Lévi-Provençal, *Les Historiens des Chorfa*, Paris 1922.
- Maspero-Wiet, *Matériaux* = J. Maspéro et G. Wiet, *Matériaux pour servir à la Géographie de l'Égypte*, Le Caire 1914 (*MIFAO XXXVI*).
- Mayer, *Architects* = L. A. Mayer, *Islamic Architects and their Works*, Geneva 1956.
- Mayer, *Astrolabists* = L. A. Mayer, *Islamic Astrolabists and their Works*, Geneva 1958.
- Mayer, *Metalworkers* = L. A. Mayer: *Islamic metalworkers and their Works*, Geneva 1959.
- Mayer, *Woodcarvers* = L. A. Mayer, *Islamic Woodcarvers and their Works*, Geneva 1958.
- Mez, *Renaissance* = A. Mez, *Die Renaissance des Islams*, Heidelberg 1922; Spanish translation by S. Vila, Madrid-Granada 1936.
- Mez, *Renaissance*, Eng. tr. = A. Mez, *The Renaissance of Islam*, Translated into English by Salahuddin Khuda Bukhsh and D. S. Margoliouth, London 1937.
- Nallino, *Scritti* = C. A. Nallino, *Raccolta di Scritti editi e inediti*, Rome 1939-48.
- Pakalin=Mehmet Zeki Pakalin, *Osmanlı Tarih seyimleri ve Terimleri Sözlüğü*, 3 vols., Istanbul 1946 ff.
- Pauly-Wissowa = *Realenzyklopaedie des klassischen Altertums*.
- Pearson = J. D. Pearson, *Index Islamicus*, Cambridge 1958.
- Pons Boigues = *Ensayo bio-bibliográfico sobre los historiadores y geógrafos árabe-españoles*, Madrid 1898.
- Santillana, *Istituzioni* = D. Santillana, *Istituzioni di diritto musulmano malichita*, Rome 1926-38.
- Schlimmer = John L. Schlimmer, *Terminologie medico-Pharmacéutique et Anthropologique*, Tehran 1874.
- Schwarz, *Iran* = P. Schwarz, *Iran im Mittelalter nach den arabischen Geographen*, Leipzig 1896.
- Smith = W. Smith, *A Classical Dictionary of Biography, Mythology and Geography*, London 1853.
- Snouck Hurgronje: *Verspr. Geschr.* = C. Snouck Hurgronje, *Verspreide Geschriften*, Bonn-Leipzig-Leiden 1923-27.
- Sources inéd.* = Henri de Castries, *Sources inédites de l'histoire du Maroc*, Paris 1905-; 2nd Series, Paris 1922.
- Spular, *Horde* = B. Spuler, *Die Goldene Horde*, Leipzig 1943
- Spuler, *Iran* = B. Spuler, *Iran in früh-islamischer Zeit*, Wiesbaden 1952.
- Spular, *Mongolen*² = B. Spuler, *Die Mongolen in Iran*, 2nd ed. Berlin 1955.
- SNR=Stephan and Naudy Ronart, *Concise Encyclopaedia of Arabic Civilization*, Djambatan- Amsterdam 1959.
- Storey=C. A. Storey: *Persian Literature: a biobibliographical survey*, London 1927.
- Survey of Persian Art* = ed. by A.U. Pope, Oxford 1938.
- Suter = H. Suter, *Die Mathematiker und Astronomen der Araber und ihre Werke*, Leipzig 1900.
- Taeschner, *Wegenetz* = F. Taeschner, *Die Verkehrslage und das Wegenetz Anatoliens im Wandel der Zeiten*, Gotha 1926.
- Tomaschek = W. Tomaschek, *Zur historischen Topographie von Kleinasien im Mittelalter*, Vienna 1891.
- Wiel, *Chalifen* = G. Weil, *Geschichte der Chalifen*, Mannheim-Stuttgart 1846-82.
- Wensinck, *Handbook* = A. J. Wensinck, *A Handbook of Early Muhammadan Tradition*, Leiden 1927.
- Zambaur = E. de Zambaur, *Manuel de généalogie et de chronologie pour l'histoire de l'Islam*, Hanover 1927 (anastatic reprint, Bad Pyrmont 1955).
- Zinkeisen = J. Zinkeisen, *Geschichte des Osmanischen Reiches in Europa*, Gotha 1840-83.
- Zubaid Ahmad, *The Contribution of India to Arabic Literature*, Allahabad 1948 (?).

(ج)

مجلات، سلسلہ ہائے کتب^(۱) وغیرہ جن کے حوالے اس کتاب میں بکثرت آئے ہیں

AB=Archives Berbères.

Abh. G. W. Gött.= *Abhandlungen der Gesellschaft der Wissenschaften zu Göttingen.*

Abh. K. M.= *Abhandlungen f. d. Kunde des Morgenlandes.*

Abh. Pr. Ak. W.= *Abhandlungen d. preuss. Akad. d. Wiss.*

Afr. Fr.= *Bulletin du Comité de l'Afrique française.*

Afr. Fr. RC= *Bulletin du Com. de l'Afr. franç., Renseignements Coloniaux.*

AIÉO Alger= *Annales de l'Institut d' Études Orientales de l'Université d' Alger.*

AIUON= *Annali dell' Istituto Univ. Orient. di Napoli.*

AM=Archives marocaines.

And.= *Al-Andalus.*

Anth.= *Anthropos.*

Anz. Wien= *Anzeiger der philos.-histor. Kl. d. Ak. der Wiss. Wien.*

AO=Acta Orientalia.

Arab.= *Arabica*

ArO=Archiv Orientální

ARW= *Archiv für Religionswissenschaft.*

ASI= *Archaeological Survey of India.*

ASI, NIS = the same, New Imperial Series.

ASI, AR = the same, Annual Reports

AÜDTCFD= *Ankara Universitesi Dil ve Tarih-Coğrafia Fakültesi Dergisi.*

As. Fr. B.= *Bulletin du Comité de l'Asie Française.*

BAH = *Bibliotheca Arabico-Hispana.*

BASOR = *Bulletin of the American School of Oriental Research.*

Bell.= *Türk Tarih Kurumu Belleten.*

B Fac. Ar. = *Bulletin of the Faculty of Arts of the Egyptian University.*

BÉt. Or. = *Bulletin d' Études Orientales de l'Institut Français de Damas.*

BGA= *Bibliotheca geographorum arabicorum.*

BIE= *Bulletin de l' Institut Egyptien.*

BIFAO = *Bulletin de l'Institut Français d' Arachéologie Orientale du Caire.*

BIS = *Bibliotheca Indica series.*

BRAH= *Boletín de la Real Academia de la Historia de España.*

BSE = *Bol'shaya Sovetskaya Éntsiklopediya (Large Soviet Encyclopaedia) Ist ed.*

BSE² = the Same, 2nd ed.

BSL(P) = *Bulletin de la Société de Linguistique de Paris.*

BSO(A)S = *Bulletin of the School of Oriental (and African) Studies.*

BTLV= *Bijdragen tot de Taal-, Land-en Volkenkunde (van Ned.-Indië).*

BZ = *Byzantinische Zeitschrift.*

COC = *Cahiers de l' Orient contemporain.*

CT= *Cahiers de Tunisie.*

EI¹ = *Encyclopaedia of Islam, 1st edition.*

EI^{II} = *Encyclopaedia of Islam, 2nd edition.*

EIM= *Epigraphia Indo-Moslemica.*

ERE = *Encyclopaedia of Religion and Ethics.*

GGA= *Göttinger Gelehrte Anzeigen.*

GJ = *Geographical Journal.*

G M S = *Gibb Memorial Series.*

Gr. I. ph. = *Grundriss der Iranischen Philologie.*

GSAI= *Giornale della Soc. Asiatica Italiana.*

Hesp. = *Hespéris.*

IA= *Islâm Ansiklopedisi.*

IBLA= *Revue de l'Institut des Belles Lettres Arabes, Tunis.*

IC = *Islamic Culture.*

IFD = *Ilahiyat Fakültesi Dergisi.*

IG= *Indische Gids.*

IHQ = *Indian Historical Quarterly.*

IQ = *The Islamic Quarterly.*

IRM= *International Review of Missions.*

Isl. = *Der Islam.*

JA = *Journal Asiatique.*

J. Afr. S. = *Journal of the African Society.*

JAOS = *Journal of the American Oriental Society.*

J Anthr. I = *Journal of the Anthropological Institute.*

JBBRAS = *Journal of the Bombay Branch of the Royal*

(۱) انھیں رومن حروف میں لکھا گیا ہے۔

- Asiatic Society.*
- JE. = Jewish Encyclopaedia.*
- JESHO = Journal of the Economic and Social History of the Orient.*
- JNES = Journal of Near Eastern Studies.*
- J PAK. H. S. = Journal of the Pakistan Historical Society.*
- JPHS = Journal of the Punjab Historical Society.*
- JQR = Jewish Quarterly Review.*
- JRAS = Journal of the Royal Asiatic Society.*
- J(R) ASB = Journal and Proceedings of the (Royal) Asiatic Society of Bengal.*
- J(R) Num. S = Journal of the (Royal) Numismatic Society.*
- JRGeog. S = Journal of the Royal Geographical Society.*
- JSFO = Journal de la Société Finno-ougrienne.*
- JSS = Journal of Semetic Studies.*
- KCA = Körösi Csoma Archivum.*
- KS = Keleti Szemle (Revue Orientale).*
- KSIE = Kratkie Soobščeniya Instituta Étnografii (Short Communications of the Institute of Ethnography).*
- LE = Literaturnaya Éntsiklopediya (Literary Encyclopaedia).*
- Mash. = Al-Mashrik.*
- MDOG = Mitteilungen der Deutschen Orient-Gesellschaft.*
- MDPV = Mitteilungen und Nachr. des. Deutschen Palästina-Vereins.*
- MEA = Middle Eastern Affairs.*
- MEJ = Middle East Journal.*
- MFOB = Mélanges de la Faculté Orientale de Beyrouth.*
- MGG Wien = Mitteilungen der geographischen Gesellschaft in Wien.*
- MGMN = Mitt. z. Geschichte der Medizin und der Naturwissenschaften.*
- MGWJ = Monatsschrift. f. d. Geschichte u. Wissenschaft des Judentums.*
- MI = Mir Islama.*
- MIDEO = Mélanges de l'Institut Dominicain d' Études Orientales du Caire.*
- MIE = Mémoires de l'Institut d' Egyptien.*
- MIFAO = Mémoires publiés par les membres de l'Inst. Franç. d' Archéologie Orientale du Caire.*
- MVAG = Mitteilungen der Vorderasiatisch-ägyptischen Gesellschaft.*
- MMAF = Mémoires de la Mission Archéologique Franç. au Caire .*
- MMIA = Madjallat al-Madǰma' al-'ilmi al-'Arabi, Damascus.*
- MO = Le Monde oriental.*
- MOG = Mitteilungen zur osmanischen Geschichte.*
- MSE = Malaya Sovetskaya Éntsiklopediya - (Small Soviet Encyclopaedia).*
- MSFO = Mémoires de la Société Finno-ougrienne.*
- MSL = Mémoires de la Société Linguistique de Paris.*
- MSOS Afr. = Mitteilungen des Sem. für oriental. Sprachen, Afr. Studien.*
- MSOS As. = Mitteilungen des Sem. für oriental. Sprachen, Westasiat. Studien.*
- MTM = Milī Taebbū'ler Medǰmū'asī.*
- MW = The Muslim World.*
- NC = Numismatic Chronicle.*
- NGW Gött. = Nachrichten von d. Gesellschaft d. Wiss. zu Göttingen.*
- OA = Orientalisches Archiv.*
- OC = Oriens Christianus.*
- OCM = Oriental College Magazine, Lahore.*
- OCMD = Oriental College Magazine, Damima, Lahore.*
- OLZ = Orientalistische Literaturzeitung.*
- OM = Oriente Moderno.*
- Or. = Oriens.*
- PEFQS = Palestine Exploration Fund Quarterly Statement.*
- PELOV = Publications de l'École des langues orientales vivantes.*
- Pet.Mitt. = Petermanns Mitteilungen.*
- PRGS = Proceedings of the R. Geographical Society.*
- QDAP = Quarterly Statement of the Department of Antiquities of Palestine.*
- RAfr. = Revue Africaine.*
- RCEA = Répertoire Chronologique d'Épigraphie arabe.*
- REI = Revue des Études Islamiques.*
- REJ = Revue des Études Juives.*

- Rend. Lin.* = *Rendiconti della Reale Accad. dei Lincei, Cl. di sc. mor., stor. e filol.*
- RHR* = *Revue de l' Histoire des Religions.*
- RI* = *Revue Indigène.*
- RIMA* = *Revue de l' Institut des manuscrits Arabes.*
- RMM* = *Revue du Monde Musulman.*
- RO* = *Rocznik Orientalistyczny.*
- ROC* = *Revue de l' Orient Chrétien.*
- ROL* = *Revue de l' Orient Latin.*
- RRAH* = *Rev. de la R. Academia de la Historia, Madrid.*
- RSO* = *Rivista degli Studi Orientali.*
- RT* = *Revue Tunisienne.*
- SBAK. Heid.* = *Sitzungsberichte der Ak. der Wiss. zu Heidelberg.*
- SBAK. Wien* = *Sitzungsberichte der Ak. der Wiss. zu Wien.*
- SBBayr. Ak.* = *Sitzungsberichte der Bayrischen Akademie der Wissenschaften.*
- SBPMS Erlg.* = *Sitzungsberichte d. Phys.-medizin. Sozietät in Erlangen.*
- SBPr. Ak. W.* = *Sitzungsberichte der preuss. Ak. der Wiss. zu Berlin.*
- SE* = *Sovetskaya Étnografiya* (Soviet Ethnography).
- SI* = *Studia Islamica.*
- SO* = *Sovetskoe Vostokovedenie* (Soviet Orientalism).
- Stud. Isl.* = *Studia Islamica.*
- S.Ya.* = *Sovetskoe Yazıkoznanie* (Soviet Linguistics).
- TBG* = *Tijdschrift van het Bataviaasch Genootschap van Kunsten en Wetenschappen.*
- TD* = *Tarih Dergisi.*
- TIE* = *Trudî instituta Étnografiy* (Works of the Institute of Ethnography).
- TM* = *Türkiyat Mecmuası.*
- TOEM* = *Ta'rih-i 'Othmānī* (*Türk Tarīkhī*) *Endjümeni medjmūlası.*
- TTLV* = *Tijdschrift v. Indische Taal-, Land- en Volkenkunde.*
- Verh. Ak. Amst.* = *Verhandelingen der Koninklijke Akademie van Westenschappen te Amsterdam.*
- Versl. Med. Ak. Amst.* = *Verslagen en Mededeelingen der Koninklijke Akademie van Wetenschappen te Amsterdam.*
- VI* = *Voprosi Istoriy* (Historical problems).
- WI* = *Die Welt des Islams.*
- WI, NS.* = the same, New Series.
- Wiss. Veröff. DOG* = *Wissenschaftliche Veröffentlichungen der Deutschen Orient-Gesellschaft.*
- WMG* = *World Muslim Gazetteer*, Karachi.
- WZKM* = *Wiener Zeitschrift für die Kunde des Morgenlandes.*
- ZA* = *Zeitschrift für Assyriologie.*
- Zap.* = *Zapiski.*
- ZATW* = *Zeitschrift für die alttestamentliche Wissenschaft.*
- ZDMG* = *Zeitschrift der Deutschen Morgenländischen Gesellschaft.*
- ZDPV* = *Zeitschrift der Deutschen Palästinavereins.*
- ZGErdk. Berl.* = *Zeitschrift der Gesellschaft für Erdkunde in Berlin.*
- ZK* = *Zeitschrift für Kolonialsprachen.*
- ZOEG* = *Zeitschrift f. Osteuropäische Geschichte.*
- ZS* = *Zeitschrift für Semitistik.*

(د)

بعض علامات جو اکثر اس کتاب میں آئی ہیں

H =	ح	=	* = نئے مقالے کا آغاز (از ۳: ۳۸۵)
<u>KH</u> =	خ	=	⊗ = جدید مقالہ از ادارہ (از ۳: ۹۲۵)
<u>DH</u> =	ذ	=	[] = اضافہ از ادارہ دائرہ معارف اسلامیہ (اردو)
Z =	ز	=	[] = اضافہ در انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (انگریزی)
<u>ZH</u> (or <u>Ž</u>) =	ژ	=	○ = نشان منازل راہ آہن وغیرہ
<u>SH</u> (or <u>Ch</u>) =	ش	=	< = مبدل بہ
Ş =	ص	=	f., ff., sq., sqq. = بعد
D =	ض	=	s.v. = بذیل مادہ فلاں یا کلمہ فلاں
Ṭ =	ط	=	q.v. = رت بان (= رجوع کنید بان)
Ẓ =	ظ	=	cf. = قَب (قاریب یا قائل)
‘ =	ع	=	op. cit. = کتاب مذکور
<u>GH</u> =	غ	=	متوفی = م
Ḳ =	ق	=	loc. cit. = محل مذکور
e کی آواز ظاہر کرتی ہے، مثلاً بیل (Bell)	پ	=	ibid. = وہی کتاب
o کی آواز ظاہر کرتی ہے، مثلاً ممول (mole)	ع	=	ہجری = ہ
علامت سکون یا جزم	ن	=	عیسوی یا (میلادی) = ۶
(ترکی یا جرمن الفاظ میں کسی حرف یا ضمت کے اوپر) ü، کی آواز ظاہر کرتی ہے، مثلاً تورک (Türk)؛ گل (Gül)	د	=	کتاب طبع اول، دوم، سوم = ۱، ۲، ۳....
ö کی آواز ظاہر کرتی ہے، مثلاً کول (Köl)	و	=	، = ۶
(کسی حرف یا فتح کے اوپر) ä کی آواز ظاہر کرتی ہے، مثلاً اَرَجَب (rädjäb)؛ رَجَب (äradjäb)	و	=	<u>TH</u> = ث
		=	<u>DJ</u> = ج
		=	Č = چ

واقع ہے، دارالحکومت بنایا۔ اس نے ۹۳۰ھ/۱۵۲۲ء میں وفات پائی۔ [میرزا شاہ بیگ بہادر اور صاحب فضل و کمال تھا، اس نے شرح عقائد نسفی، شرح کافیہ و شرح مطالع تصنیف کیں (مآثر الامراء، ۳: ۶۰۶-۳۰۷)۔] اس کا بیٹا میرزا شاہ حسین اس کا جانشین ہوا۔ اُس نے بابر کے نام کا خطبہ پڑھوایا اور غالباً بابر کے ساتھ ساز باز کر کے ملتان کے لڑکا ہوں کی مملکت پر چڑھائی کر دی۔ ملتان نے طویل محاصرے کے بعد ۱۵۲۸ء میں اطاعت قبول کر لی۔ شاہ حسین وہاں پر اپنا ایک والی بٹھا کر ٹھہر چلا گیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد جب اہل ملتان نے اس کے مقرر کردہ حاکم کو باہر نکال دیا تو اس نے شہر کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ ملتان کچھ دن آزاد و خود مختار رہا، لیکن جلد ہی یہاں کے باقتدار لوگوں نے یہ مناسب سمجھا کہ مغل شہنشاہ کی سیادت تسلیم کر لی جائے۔ ۹۳۷ھ/۱۵۲۰ء میں جب ہمایوں نے شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست کھائی اور شمالی ہند سے نکالے جانے پر سندھ میں پناہ لی تو سندھ میں شاہ حسین حکمرانی کر رہا تھا۔ اس نے ہمایوں کو مدد دینے سے انکار کر دیا، غالباً اس لیے کہ یہ ارغون فرمان روا شیر شاہ سے لڑائی مول لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس پر ہمایوں نے بھکر اور سہوان کے مضبوط قلعوں پر قبضہ پانے کی کوشش کی، لیکن اس کے پاس اس کام کے لیے نہ تو مناسب ذرائع تھے، نہ ہمت و طاقت اور نہ لشکر کشی کی صلاحیت۔ ۹۵۰ھ/۱۵۴۳ء میں ہمایوں کو سندھ سے بلاروک ٹوک گزر کر قندھار جانے کی اجازت دے دی گئی۔ عمر کے آخری دنوں میں شاہ حسین کے کردار میں بہت سی آگئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امرانے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور ارغون قبیلے کی بڑی شاخ کے ایک رکن میرزا محمد عیسیٰ ترخان کو اپنا حکمران منتخب کر لیا۔ [پہلے زمانے میں الوس ارغون کی امارت میرزاے مذکور کے اجداد ہی کے سپرد تھی۔] شاہ حسین نے ۱۵۵۶ء میں وفات پائی اور [چونکہ وہ لاد مہرا] اس پر ارغون خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

ارغون ترخان خاندان کی حکومت ۱۵۵۶ء سے ۱۵۹۱ء تک قائم رہی۔ محمد عیسیٰ ترخان کو مجبوراً اپنے حریف اور مدعی سلطنت سلطان محمود گوجل داس سے مصالحت کرنا پڑی اور یہ قرار پایا کہ محمد عیسیٰ ترخان زیریں سندھ پر قابض رہے اور ٹھہرے اس کا دارالحکومت ہو اور بالائی سندھ سلطان محمود کے تصرف میں رہے اور وہ بھکر کو اپنا صدر مقام بنالے۔ ۹۸۲ھ/۱۵۷۳ء میں اکبر نے بالائی سندھ کو اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ عیسیٰ ترخان نے ۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء میں وفات پائی۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد باقر حکمران بنا، جس نے ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء میں [سودا کے غلبے سے] خود کشی کر لی۔ اس کے جانشین جانی بیگ کے عہد میں اکبر نے ۹۹۹ھ/۱۵۹۱ء میں عبدالرحیم خان خانان کو زیریں سندھ کے الحاق کے لیے بھیجا۔ جانی بیگ کو شکست ہوئی اور [۱۰۰۱ء میں] زیریں سندھ سلطنت مغلیہ میں شامل کر لیا گیا۔ جانی بیگ [بچپن سے شراب کا شیدائی تھا، شراب خوری کی کثرت سے بیمار ہوا، رعشہ ہوا پھر سرسام اور وہ برہانپور میں تھا کہ] ۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء میں جنون خرمی (delirium tremens) سے مر گیا [مآثر الامراء، ۳: ۳۱۰]۔

* ارغون: ایک مغل خاندان، جس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ہلا گو کی نسل سے ہے (راورٹی) (Notes on Afghanistan: (Raverty)، ص ۵۸۰، اس دعوے کو تسلیم نہیں کرتا) [اس کے متعلق دیکھیے ترخان نامہ، منقول در ایلیٹ (Eliott)، ۳: ۳۰۳؛ قبّ دولت شاہ، ص ۶۲۳؛ اہل ارغون کہ از ترا کمہ تر کسستان اند]۔ خاندان ارغون کے لوگوں نے پندرہویں صدی عیسوی کے آخر میں اُس وقت سے اہمیت حاصل کی جب ہرات کے سلطان حسین بایقرا نے ڈوالٹون بیگ ارغون کو قندھار کا والی مقرر کیا۔ ڈوالٹون بیگ نے والی بننے کے بعد جلد ہی خود مختارانہ روش اختیار کر لی اور ہرات کے فرمان روانے اُسے اطاعت پر مجبور کرنے کی جتنی کوششیں کیں ان کی مدافعت کرتا رہا۔ اس نے ۸۸۴ھ/۱۴۷۹ء ہی سے پشین شمال اور مستانگ کے مرتفع علاقوں پر قبضہ جما لیا تھا، جو اب بلوچستان کا ایک حصہ ہیں۔ ۸۹۰ھ/۱۴۸۵ء میں اس کے دو بیٹوں شاہ بیگ اور محمد مقیم خان نے درہ بولان سے اتر کر سندھ پر چڑھائی کی اور سندھ کے ستمہ حاکم جام نندا سے سیوی (سبی Sibi) کا علاقہ عارضی طور پر چھین لیا۔ ۹۰۲ھ/۱۴۹۷ء میں اس نے حسین بایقرا کے باغی بیٹے بدیع الزمان کی تائید و حمایت اختیار کر لی اور اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ جب ازبک امیر شیبانی خان نے خراسان پر چڑھائی کی تو ڈوالٹون بیگ ۹۱۳ھ/۱۵۰۷ء میں مَرّ وچک کی لڑائی میں مارا گیا اور اس کا بڑا بیٹا شاہ بیگ اس کا جانشین ہوا، جسے قندھار میں اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے شیبانی خان کی سیادت مجبوراً تسلیم کرنا پڑی۔ اس زبردست ازبک سردار [شیبانی خان] نے ۱۵۱۰ء میں مرو میں شکست کھائی اور [زمنوں سے نڈھال ہو کر] جان دی تو شاہ بیگ کو بابر کی طرف سے، جو کابل کا فرمان روا بن چکا تھا، اور ایران کے شاہ اسماعیل صفوی کی طرف سے، جس نے ہرات پر قبضہ جما لیا تھا، خطرہ لاحق ہونے لگا۔ جب شاہ اسماعیل عثمانی ترکوں کے خلاف جنگ میں مصروف ہو گیا اور بابر سمرقند کو ازسر نو حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا تو شاہ بیگ نے کچھ دیر کے لیے اطمینان کا سانس لیا، تاہم اس نے محسوس کر لیا کہ اسے قندھار سے زود یا بدیر نکلنا پڑے گا اور اسی لیے اس نے بلوچستان اور سندھ میں اپنا اقتدار جمانے کی کوشش شروع کر دی۔ سندھ میں جام نندا کی جگہ اس کا بیٹا جام فیروز تخت نشین ہو چکا تھا، جس کا اقتدار ملک کے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا۔ ۹۲۶ھ/۱۵۲۰ء میں شاہ بیگ سندھ میں گھس گیا۔ اس نے جام فیروز کی فوج کو شکست دی اور جنوبی سندھ کے صدر مقام ٹھہر کو تاراج کیا۔ بالآخر ایک معاہدے کی رُو سے جام فیروز نے بالائی سندھ کا علاقہ شاہ بیگ کے حوالے کر دیا اور زیریں سندھ پر ستاؤں کا اقتدار بحال رکھا گیا۔ ستاؤں نے اس معاہدے کو کم و بیش فورا ہی مسترد کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں ایک دفعہ پھر شکست کھانا پڑی۔ اب شاہ بیگ نے جام فیروز کو تخت سے اتار کر سندھ کے ارغون خاندان کی بنیاد رکھ دی۔ ۹۲۸ھ/۱۵۲۲ء میں جب قندھار اس کے ہاتھ سے نکل کر مکمل طور پر بابر کے قبضے میں چلا گیا تو شاہ بیگ نے بھکر کے مقام کو، جو دریاے سندھ کے کنارے پر

آخذ: (۱) ابن سعد، ۱/۳: ۱۷۲-۱۷۳؛ (۲) ابن الأثیر: أئد الغابة، ۱: ۵۹؛ بعد: (۳) ابن حجر: إصابه، کلکتہ ۱۸۵۶-۱۸۷۳ء، ۱: ۲۰۵؛ (۴) ابن ہشام، ص ۴۵۷؛ (۵) الواقدی (مترجمہ ولہاؤزن (J. Wellhausen)، بعنوان (Muhammed in Medina)، برلن ۱۸۸۲ء، ص ۶۷؛ (۶) ڈیٹنفلڈ (F. Wüstenfeld): Chroniken der Stadt Mekka، لاہرگ ۱۸۵۸-۱۸۶۱ء، ۳: ۱۱۳، ۴: ۴۴۰؛ (۷) Caetani: Annali، ۲۶۱: ۱، بعد: مع مزید حوالہ جات۔ (W. MONTGOMERY WATT) واٹ

الارک: آج کل کا سانتا ماریا دالارکو (Santa Maria de Alarcas)، * کلتر او لا ویجا (Calatrava la Vieja) کے ضلع میں ایک چھوٹا سا قلعہ، جو سوادریال (Ciudad Real) سے سات میل جنوب مغرب میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے، جس سے ملی ہوئی پہاڑیاں نہر وادی انا (Guadiana) تک نیچے آگئی ہیں۔ اس ناموار میدان میں جو اس کے دامن میں پوبلیٹ (Poblete) اور وادی انا کے درمیان ہے یعقوب المنصور اور قشتیلہ والوں کی وہ مشہور لڑائی ہوئی تھی جس میں الفانسو ہشتم کو مکمل ہزیمت ہوئی (لڑائی سے پیشتر کے واقعات کی تفصیل کے لیے دیکھیے ماڈو ابویوسف یعقوب)۔

اصل لڑائی کی تفصیلات کے متعلق ہمارے پاس بہت کم معلومات ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قشتیلہ والوں نے الموحّدون کے ہڑاؤل پر بالکل اچانک حملہ کر دیا، جو ابونحس عمر انی [رک بان] کے پوتے ابویحییٰ وزیر کے زیرِ کمان تھا، لیکن انھیں بہت معمولی سی کامیابی حاصل ہوئی۔ یعقوب نے خود اپنی فوج سے عیسائیوں کے بازو پر حملہ کر دیا۔ جب لڑائی نے طول کھینچا تو عیسائی گرمی اور پیاس سے پریشان ہو کر بھاگے اور الارک کے قلعے میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے یا اپنے بادشاہ کے ساتھ طلیطلہ کی طرف فرار ہو گئے۔ علاوہ ہریں پیڈرو (Pedro Fernández de Castro) نے، جو الفانسو ہشتم کا بڑا دشمن تھا، اپنے خاص سواروں کے ایک دستے کے ساتھ الموحّد بادشاہ کی کامیابی میں حصّہ لیا، جسے اس نے بہت سے مشورے دیے۔ Don Diego Lopez de Haro نے، جو قشتیلہ کا بڑا علم دار (alférez) تھا، شاہی علم کے زیرِ سایہ قلعے میں پناہ لی، مگر اُسے بہت جلد ہتھیار ڈالنا پڑے۔

مسلمان مؤرخین نے اس لڑائی کا حال لکھتے ہوئے طرفین کی افواج کی تعداد کے بیان میں بظاہر کسی قدر مبالغے سے کام لیا ہے۔ یہی مبالغہ عیسائیوں کے مقتولین اور ان قیدیوں کی تعداد کے بیان میں بھی موجود ہے جو قلعے میں گرفتار ہوئے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ الفانسو ہشتم کی فوج نے اس لڑائی میں زبردست نقصان اٹھایا اور اُسے اس شکست سے ایسا زبردست دھکا لگا کہ آئندہ سالوں میں شاہ ازغون (Aragon) کی امدادی کمک کے باوجود اُسے یعقوب سے اُس موقع پر دوبارہ لڑنے کی ہمت نہ ہوئی جب وہ قشتیلہ کے علاقے میں گھس آیا۔

آخذ: (۱) نظام الدین احمد: طبقات اکبری، (Bibl. Ind.): محمد قاسم فرشتہ: گلشن ابراہیمی، بمبئی ۱۸۳۲ء؛ (۲) محمد علی کوئی: حج نامہ؛ (۳) بابر نامہ (طبع بیورج Beveridge): (۵) H. M. Elliot و J. Dowson: The History of India as told by its own Historians، (۶) سید جمال: ترخان نامہ یا ازغون نامہ، جو بدون اعتراف میر محمد معصوم کی تاریخ سندھ پر مبنی ہے؛ (۷) W. Erskine: A History of India under Baber and Humayun، لنڈن ۱۸۵۴ء؛ (۸) میرزا قتلغ فریدون بیگ: A History of the Indus Delta: M. R. Haig، (۹) H. G. Raverty: Country Notes on Afghania، لنڈن ۱۸۹۴ء؛ (۱۰) Edessa، رک بہ الرّہا۔ (C. COLLIN DIVIES) ڈیویز

* اُورفہ: Edessa، رک بہ الرّہا۔

* الارقم: رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] کے شروع زمانے کے ایک صحابی، جو عام طور پر سے الارقم بن ابی الارقم کے نام سے معروف ہیں اور جن کی کنیت ابو عبید اللہ ہے۔ ان کے والد کا نام عبدمناف تھا اور وہ مکّے کے مشہور اور بااثر قبیلہ مخزوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی والدہ کے نام میں اختلاف ہے، مگر عام خیال یہ ہے کہ وہ قبیلہ بنو خزاعہ سے تھیں۔ چونکہ ان کا سال وفات ۵۳ھ/ ۶۷۳ء یا ۵۵ھ/ ۶۷۵ء بتایا جاتا ہے اور ان کی عمر اسی سال سے زیادہ کہی جاتی ہے اس لیے ان کا سال پیدائش لازماً ۵۹۴ء کے قریب ہوگا اور وہ بہت ہی کم عمری میں مسلمان ہوئے ہوں گے، کیونکہ وہ قدیم ترین مسلمانوں میں سے تھے، یعنی ایک روایت کے مطابق وہ ساتویں مسلمان تھے اور دوسری روایت کے مطابق بارہویں.....۔ انھیں تقریباً ۶۱۴ء میں اپنا مکان، جو کوہ صفا پر واقع تھا، آنحضرت [صلی اللہ علیہ وسلم] کی سکونت کے لیے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور یہی مکان [حضرت] عمر بن الخطاب [رضی اللہ تعالیٰ عنہ] کے اسلام لانے کے وقت تک نوزائیدہ ملت اسلامیہ کا مستقر رہا۔ ابن سعد نے کئی جگہ کچھ لوگوں کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے اور دیگر ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے جو حضور [صلی اللہ علیہ وسلم] کے الارقم کے گھر میں تشریف لانے یا وہاں آنے سے پہلے پیش آئے تھے؛ لیکن ابن ہشام نے ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ الارقم [صلی اللہ علیہ وسلم] کے ساتھ مدینہ [متوہ] کو ہجرت کی اور غزوہ بدر اور دوسری اہم ہمتوں میں شریک ہوئے۔ الارقم کا گھر، جس میں ایک عبادت گاہ (مسجد یا قبّہ) بھی تھی، ان کے خاندان کے قبضے میں رہا، تا آنکہ خلیفہ المنصور نے اسے خرید لیا پھر یہ خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ الخیران کے قبضے میں چلا گیا اور "بیت الخیران" کے نام سے مشہور ہوا۔

صرف الگ الگ عنوانات میں ترتیب دیا، بلکہ ان کے لیے مناسب اصطلاحیں بھی وضع کیں۔ اب ہر اس نظام اعمال و عقائد کی طرح جس کا تعلق زندگی سے ہے اور جس سے مقصود ہے اسے ایک مخصوص سانچے میں ڈھالنا، اسلام کی بھی دو حیثیتیں ہیں: ایک نظری اور دوسری عملی۔ نظری کا تعلق ان اصولوں سے ہے جن سے اس کی تعلیمات و تشریحات اور نصب العین متعین ہوتا ہے، (یعنی ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالانبیاء، ایمان بالکتاب اور ایمان بالآخرت)۔ دیکھیے ۲ (البقرة): ۲۸۵؛ اَمَنْ الرَّسُولُ بِمَا اُنزِلَ اليه مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ طَمَّحُوا بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ فَمَا لَا يُفَرِّقُونَ بَيْنَ الَّذِي قُلِّدُوا وَمَنْ يَفْرَقْ فَاُولَٰئِكَ اَسْمَعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبِّنَا الَّذِي لَمْ يَجْعَلْ لِكُلِّ شَيْءٍ مِثْلًا ۝۱۰۷ (الماعون): اَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالذِّكْرِ ۚ فَاذْلِكِ الذِّكْرُ يَدْعُ اليْتِيمَ ۚ وَلَا يَحْضُرْ عَلٰى طَعَامِ الْمَسْكِينِ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۚ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۚ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ ۚ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُوْنَ ۚ (کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہے۔ یہی تو یتیم کو دھتکتا ہے اور لوگوں کو مادہ نہیں کرتا کہ مساکین کی بھوک دور کریں۔ خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں، جو یا کاری سے کام لیتے ہیں اور معمولی چیزوں کو بھی روک رکھتے ہیں) اور جس کا مطلب واضح طور پر یہ ہے کہ ان کا ترک یا محض رسماً پابندی اس نظام حیات کے منافی ہے جسے قرآن پاک نے دین سے تعبیر کیا۔ سورۃ ۷۴ (المدثر): ۴۳، ۴۴ میں ہے: قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۚ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمِ الْمَسْكِينِ (انہوں نے کہا ہمیں جہنم میں اس لیے جھونکا گیا کہ ہم صلوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے، نہ مساکین کو کھلانا کھلاتے تھے)۔ پھر الرحمة المهداة الی من یرید العلم علی احادیث المشکوٰۃ، (مطبع فاروقیہ، دہلی، ص ۴، کتاب الایمان)، میں بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جو روایت مذکور ہے اس سے اس حقیقت کی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے: ”عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الَّذِي خَمَسَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ ذُوْنَ شَيْءٍ شَهَادَةٌ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَاَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللَّهِ وَاَقَامَةَ الصَّلَاةِ وَاِتْيَاءَ الزَّكَاةِ وَالْحَجَّ وَصَوْمَ رَمَضَانَ (بخاری، باب الایمان)؛ البتہ احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لفظ رکن کہیں استعمال نہیں ہوا۔ ہاں، عماد کا لفظ آیا ہے، دیکھیے مثلاً اتحاد السادة المتقين، ۹: ۳، جس میں بروایت دیلمی اور ترمذی صلوٰۃ کو عماد الدین ٹھہرایا گیا ہے، جیسے حج کو ”سنام العمل“ اور زکوٰۃ کو ”بین ذلک“؛ (نیز دیکھیے امام الغزالی: احیاء، مطبوعہ مکتبہ عیسیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱: ۱۳۱)۔ اس روایت کے اسناد اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن اس اصطلاح کی ضرورت، مفہوم اور خوبی میں اس کے باوجود کوئی فرق نہیں آتا۔ بات یہ ہے کہ اسلام اور اس کی تعلیمات میں باقاعدہ غور و فکر کی ابتدا ہوئی اور فقہاء اور محدثین نے محسوس کیا کہ ان اصول اور اعمال کو مرتب شکل میں پیش کرنا چاہیے جن کی بجا آوری ہر مسلمان پر فرض ہے تو قرآن پاک اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں جہاں اور جس طرح ان کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس کے پیش نظر انہوں نے ان اصول و اعمال کو نہ

الموحدون کے لیے الارک کی لڑائی نہایت ہی سازگار حالات میں لڑی گئی۔ الفانسو، شتم لیون (Léon) اور نبرہ (Navarre) سے لڑائی میں مصروف تھا۔ اندلس میں نہایت آسان اور کامیاب حملوں کا عادی ہو چکنے کی وجہ سے، جن میں اسے کسی زبردست مقاومت کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا تھا، اس نے مسلمان فوجوں کی قوت اور یعقوب المنصور کی حربی صلاحیتوں کا قطعی غلط اندازہ لگایا۔

مآخذ: (۱) ان حوالہ جات کے ساتھ جو لیوی پرووانسال (E. Lévi-Pro-vençal) نے *La Péninsula ibérique d'après al-Rawḍ al-miṭār* ص ۸، عدد ۱ میں دیے ہیں، مندرجہ ذیل کا اضافہ بھی کر لینا چاہیے: (۱) ابن العزازی: البیان، ج ۴، ترجمہ Huici، ص ۱۵۵، بعد: (۲) الشریف الغرناطی: شرح مقصورة حازم القرطاجنی، قاہرہ ۱۳۴۲ھ، ۲: ۱۵۳-۱۵۶؛ (۳) *Primera Crónica General*، طبع R. Menéndez Pidal، ۱: ۶۸۰؛ (۴) *Chronique des Rois de Castille*، طبع Cirot، ص ۴۱، ص ۴۵؛ (۵) *Las grandes batallas de la Reconquista*، ص ۱۳۷۔

(میرانڈا A. HUICI MIRANDA)

* اُرکائیوز: (Archives) رتک بہ باش وکالت ارشوی، دفتر، دارالمحفوظات العمومیہ، وثیقہ۔

* اُرکان: رتک بہ رکن۔

⊗ ارکان اسلام: (جمع رکن = ستون) یعنی وہ اعمال بلکہ ادارات و تاسیسات جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے؛ چنانچہ بخاری میں ہے: بَنِيَ الْاِسْلَامَ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَاَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللَّهِ وَاَقَامَةَ الصَّلَاةِ وَاِتْيَاءَ الزَّكَاةِ وَالْحَجَّ وَصَوْمَ رَمَضَانَ (بخاری، باب الایمان)؛ البتہ احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لفظ رکن کہیں استعمال نہیں ہوا۔ ہاں، عماد کا لفظ آیا ہے، دیکھیے مثلاً اتحاد السادة المتقين، ۹: ۳، جس میں بروایت دیلمی اور ترمذی صلوٰۃ کو عماد الدین ٹھہرایا گیا ہے، جیسے حج کو ”سنام العمل“ اور زکوٰۃ کو ”بین ذلک“؛ (نیز دیکھیے امام الغزالی: احیاء، مطبوعہ مکتبہ عیسیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱: ۱۳۱)۔ اس روایت کے اسناد اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن اس اصطلاح کی ضرورت، مفہوم اور خوبی میں اس کے باوجود کوئی فرق نہیں آتا۔ بات یہ ہے کہ اسلام اور اس کی تعلیمات میں باقاعدہ غور و فکر کی ابتدا ہوئی اور فقہاء اور محدثین نے محسوس کیا کہ ان اصول اور اعمال کو مرتب شکل میں پیش کرنا چاہیے جن کی بجا آوری ہر مسلمان پر فرض ہے تو قرآن پاک اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں جہاں اور جس طرح ان کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس کے پیش نظر انہوں نے ان اصول و اعمال کو نہ

مشتمل ہے (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ: ۳۷) (الطُّفَّت): ۳۵ اور مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ: ۳۸ (الفتح): ۲۹۔ ان آیات کے علاوہ قرآن مجید نے، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، متعدد مقامات پر اور طرح طرح سے اس امر کی صراحت کر دی ہے کہ ارکان اسلام کی بجا آوری ہر مسلمان پر لازم ہے؛ البتہ یہاں قابل لحاظ امر یہ ہے۔ اور اس کی اہمیت کچھ کم نہیں۔ کہ ان اعمال یا ادارات و تاسیسات کو محض مراسم مذہبی (یا عام محاورے میں عبادات (ritual) پر محمول کرنا غلط ہوگا۔ ایک لحاظ سے وہ بلاشبہ ذاتی معاملہ ہیں عبد اور معبود کے درمیان۔ بایں ہمہ ان کی قدر و قیمت انفرادی نہیں۔ برعکس اس کے وہ حیات انسانی کا تار و پود ہیں، یعنی اس نظام حیات کی عملی تشکیل کا ذریعہ جو اسلام نے نوع انسانی کے لیے تجویز کیا اور جس سے فرد اور جماعت دونوں کی تربیت ہوتی ہے۔ ان کی بجا آوری پہلا قدم ہے اسلام کی عملی ترجمانی میں، آخری قدم نہیں ہے کہ اگر ان کو باضابطہ ادا کر دیا گیا تو گویا اسلام کا تقاضا پورا ہو گیا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں، بلکہ غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ زندگی کا کوئی بھی مرحلہ ہو اس میں ارکان اسلام کے تعطل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کی ادائیگی ہر حالت، ہر موقع، ہر مقام اور ہر زمانے میں فرض ہے، کیونکہ زندگی عبارت ہے اس مسلسل حرکت سے جس میں ہماری جدوجہد کا سلسلہ لگا تار جاری رہتا ہے اور جس کی وحدت کو ارکان اسلام ہی نے سہارا دے رکھا ہے اس لیے کہ اسلام نہ روح و مادہ کی مثنویت کا قائل ہے نہ دین اور دنیا میں تفریق کا کہ یونہی ایک مبنی برحقائق اور پائیدار تہذیب و تمدن کے ساتھ ساتھ ایک ایسی ثقافت کی اساس قائم ہو سکتی ہے جس کی روح خالصہ انسانی ہو۔ یوں بھی یہ ایک حیاتی اور نفسیاتی حقیقت ہے کہ زندگی چونکہ سرتاسر نظم و ضبط ہے، جو کسی نصب العین ہی کی رعایت سے متعین ہو گا، لہذا اس کا تقاضا ہے کہ ہمارے اعمال و افعال بھی اسی نظم و ضبط کے سانچے میں ڈھلتے رہیں۔ بعینہ جیسے یہ چند ایک ادارات اور تاسیسات ہیں جن کی بدولت کوئی دستوری حیات ایک عملی اور واقعی شکل اختیار کرتا اور خارج میں مشہور ہوتا ہے۔ ارکان اسلام کا قیام، پابندی اور بجا آوری گویا ایک مستقل فریضہ ہے، جس میں ذرا سی فروگزاشت بھی اپنے مقصد سے دور لے جائے گی۔ بالفاظ دیگر ان کا ترک کبھی ممکن نہیں کیونکہ وہ عملی اساس ہمیں ہمارے اس عزم کا کہ ہم اپنی سیرت اور کردار اور اخلاق و عادات کی طرح اپنی ملی اور اجتماعی زندگی میں بھی وہی راستہ اختیار کریں جو احکام شریعت کے عین مطابق ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم یوں سوچیں کہ خیر و شر تو ام ہیں، اس لیے ایک پہلو سے دیکھیے تو زندگی نام ہے تقویٰ کا تا کہ ہم ان ترغیبات و تحریبات سے بچیں جو انسان کو ہدایت کے بجائے ضلالت کی طرف لے جاتی ہیں تو ایمان بالغیب، اقامتِ صلوة، انفاقِ رزق، ایمان بالتزویل اور ایمان بالیوم الآخر ضروری ہو جاتا ہے، اس لیے کہ یہ وہ امور ہیں جن کے بغیر تقویٰ ممکن نہیں اور اس خاص پہلو سے وہ انھیں کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مشروط ہے، دیکھیے ۲ (البقرۃ): ۳۳ و ۳۴ (الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ) ۵ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ

طَهُرُوا مِنَ الذُّنُوبِ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ تَعَالَى الْإِيمَانَ وَالصَّلَاةَ إِلَّا بِالزَّكَاةِ مَنْ فَعَلَ هَؤُلَاءِ شَمَّ حَاءَ رَمَضَانَ فَتَرَكَ صِيَامَهُ مُتَعَمِّدًا لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ مِنْهُ الْإِيمَانَ وَلَا بِالصَّلَاةِ وَلَا الزَّكَاةِ وَمَنْ فَعَلَ هَؤُلَاءِ الْأَرْبَعَ وَتَيَسَّرَ لَهُ الْحَجُّ وَلَمْ يَحْجَّ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِحَجِّهِ وَلَمْ يَحْجَّ بَعْضَ أَهْلِهِ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ الْإِيمَانَ وَلَا الصَّلَاةَ وَلَا الزَّكَاةَ وَلَا الصِّيَامَ، رواه في الحلية (يعني حلية الأولياء از ابو نعیم اصفہانی) = ابن عمر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین عبارت ہے پانچ باتوں سے۔ ان میں کوئی بھی کسی کے بغیر قبول نہیں کی جاتی۔ یہ شہادت دینا کہ اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور ایمان اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور جنت اور دوزخ اور حیات بعد الموت پر۔ یہ ایک بات ہوئی۔ صلوة پنج گانہ دین کا ستون ہے۔ اللہ ایمان قبول نہیں کرتا صلوة کے بغیر۔ زکوٰۃ پاکیزگی ہے گناہوں سے۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور صلوة قبول نہیں کرتا بغیر زکوٰۃ کے۔ جس نے ان پر عمل کیا اور رمضان آ گیا اور اس نے روزے عمدًا ترک کر دیے تو اللہ اس سے ایمان قبول کرے گا، نہ صلوة نہ زکوٰۃ۔ جس نے ان چاروں پر عمل کیا اور حج کر سکتا ہے، لیکن اس نے حج نہیں کیا اور نہ اپنے حج پر ایمان لایا اور نہ اس کی طرف سے اس کے اہل میں سے کسی نے حج کیا تو اللہ اس سے ایمان قبول کرے گا، نہ صلوة نہ زکوٰۃ اور نہ روزہ۔

گویا ارکان اسلام پانچ ہیں: (۱) تشہد یا شہادتین، (۲) اقامتِ صلوة، (۳) اتناء زکوٰۃ، (۴) صوم ماہ رمضان اور (۵) حج کعبہ، جیسا کہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں باقاعدہ اور بالترتیب ان کا ذکر آیا ہے (دیکھیے بخاری، اوپر) لیکن قرآن مجید کا چونکہ اپنا ایک جدا گانہ انداز بیان ہے اور وہ اپنے مطالب کی تشریح بالعموم تصریف آیات سے کرتا ہے (كَذَلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ = یوں ہم آیات کو بار بار لاتے ہیں۔ ۶ (الانعام): ۱۰۵)، لہذا اس نے ان اعمال و افعال کی طرف کہیں فرؤا فرؤا اشارہ کیا، مثلاً حج اور صوم کے بارے میں، ۲ (البقرۃ): ۱۸۳-۱۸۵، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ... شَهْرَ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ... فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمْ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ = اے اہل ایمان! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم پر ہیز گار بنو... رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا... تو جو کوئی تم میں سے اس میں موجود ہو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور ۳ (آل عمران): ۹۷ وَ لِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا = اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جس کو استطاعت ہے اس کی طرف راہ چلنے کی؛ کہیں ایک ساتھ۔ بالخصوص صلوة و زکوٰۃ کا کہ ان کا الگ الگ بھی ذکر ہے اور ایک ساتھ بھی، مثلاً ۲ (البقرۃ): ۴۳، ۸۳، ۱۱۰: ۴ (النساء): ۷۶، ان آیات میں بار بار کہا گیا ہے: 'صلوة قائم کرو اور زکوٰۃ دو'۔ ایسے ہی شہادتین میں کلمہ 'لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ' دو جدا گانہ آیات پر

کُلُّكَ تَعْلِقُ بِهَا كَمَا يَدْبُرُ الْبُرْقُوتُ بِرِجْلِهَا = جو غیب پر ایمان لائے اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے اور جو ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کتاب (اے محمد) تم پر نازل ہوئی اور جو کتابیں تم سے پہلے (پیغمبروں پر) نازل ہوئیں سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ ارکانِ اسلام کا ادا کرنا گویا اس زندگی کا اہتمام کرنا ہے جو عبارت ہے اسلام سے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ فرد ہو یا جماعت ہم اپنی زندگی کے نقطہ آغاز سے نقطہ انتہا تک ایک مخصوص نصب العین کی طرف بڑھتے چلے جائیں؛ لہذا ارکانِ اسلام جہاں ایک ذریعہ ہیں فرد کی ذہنی اور اخلاقی تربیت، اس کے تزکیہ باطن اور احوال و واردات کی اصلاح کا، وہاں ان کی حیثیت ایک ایسے نظم و ضبط کی بھی ہے جو اسے ایک اعلیٰ زندگی کے لیے تیار کرتا ہے اور جس کی مزید خوبی یہ ہے کہ اس پر محض لوجہ اللہ عمل کیا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک ایسا فریضہ ہے جس میں ہماری ہی بھلائی ہے (ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ) = یہ تمہارے ہی لیے اچھا ہے اگر تم جانتے ہو۔ ۲۹ (العنکبوت: ۱۶) اور علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی، لہذا معاملات ہوں یا تعلقات، وہ ہر پہلو سے دیانت و امانت اور صدق و صفا کا سرچشمہ ہیں جس سے فرد یا جماعت کی زندگی ہر قسم کے غصب و تغلب اور خود غرضیوں سے پاک رہتی ہے، فرد کی سیرت اور کردار بنتا ہے اور جماعت اپنی ساری قوتیں ایک اعلیٰ مقصد کے حصول پر مرکوز کر دیتی ہے جس میں کوئی ذاتی یا دنیوی آلائش پیدا نہیں ہوتی، کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے ہر قول و فعل کے لیے اللہ کے حضور جواب دہ ہیں۔ یوں فرد پر مسئولیت ذات کے ساتھ ساتھ جہاں یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اس کا وجود دوسروں سے الگ نہیں، اس لیے کہ بنی نوع انسان ایک ایسے رشتے میں منسلک ہیں جس کی نوعیت حیاتی بھی ہے اور اخلاقی بھی، وہاں یہ بھی کہ اس کی سیرت اور شخصیت کا نشوونما جماعت ہی میں ہوتا ہے اور وہ اپنی تکمیل ذات کے لیے بھی اسی کا محتاج ہے۔ یہ رشتہ ناگزیر ہے اور اسی کے پیش نظر فرموس کرتا ہے کہ علاوہ ان ضروریات کے جن کا تعلق معاشرت اور تمدن سے ہے یہ ہمارا باہمی ربط و ضبط، اشتراک اور تعاون ہے جس کے بغیر کوئی ایسا نظام عمران و اجتماع قائم نہیں ہو سکتا جس کا مطمح نظر سرتاسر انسانی ہو اور جو ایک اعلیٰ اور برتر انسانیت کے نشوونما کا ذریعہ بن سکے، جیسا کہ ارکانِ اسلام سے مقصود ہے، اس لیے کہ ان میں ایک ہر لحظہ ترقی پذیر اور وسعت طلب نظامِ مدنیّت کے وہ جملہ عناصر موجود ہیں جو انسانی معاشرے کے حفظ و استحکام اور نشوونما کے ضامن ہیں اور جن کی بدولت وہ ادارات و تاسیسات اور وہ اصول و منابج وضع ہوتے ہیں جن کی روح انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی اور اسی لیے ہم ان کو ایک عالمگیر تہذیب و ثقافت کے علاوہ سیاست، معاش، نظم اور قانون کی بنا ٹھہراتے ہیں۔ اسلام نے زندگی کا تصور چونکہ ایک پیش رو حرکت کے طور پر کیا، جس میں تنوع بھی ہے اور تخلیق بھی، لہذا انسان اس میں آگے بڑھتا اور ایک مرتبے سے دوسرے مرتبے میں قدم رکھتا ہے تو یونہی کہ ایک تو اس کی وحدت میں فرق نہ آئے، ثانیاً وہ اس ربط پر بھی نظر رکھے جس نے اس کے اجزا میں جزوو

کُلُّكَ تَعْلِقُ بِهَا كَمَا يَدْبُرُ الْبُرْقُوتُ بِرِجْلِهَا = اندریں صورت ارکانِ اسلام سے جو نظامِ مدنیّت مُتَشَكَّل ہوتا ہے اس میں ترقی اور تنوع کی راہیں کھلی رہتی ہیں؛ بایں ہمہ اس کی ہیئت، روح اور غرض و غایت میں کوئی فرق نہیں آتا، کیونکہ اس میں اجزائے حیات کی شیرازہ بندی اس خوبی سے کردی گئی ہے کہ ان میں ایک نامی اور حیاتی رشتہ قائم ہو گیا ہے۔ اس نظامِ مدنیّت میں نہ تو قدروں کا تصادم ممکن ہے نہ دنیا کا آخرت اور فرد کا جماعت سے کہ ایک کی ہستی دوسرے کی نفی کر دے؛ اس لیے یہی معاشرہ ہے جس میں عدالت اجتماعیہ کے ساتھ ساتھ اخوت و مساوات اور حریت ذات کی ترجمانی عملاً ہوتی رہتی ہے اور جو صحیح معنوں میں شرف انسانی کا محافظ اور اس کی تقدیر کا صورت گر ہے۔ یہ خالص انسانی اور اخلاقی نصب العین ہے، جس کے پیش نظر اسلام نے فرد اور جماعت دونوں پر یکساں نظر رکھی اور ارکانِ خمسہ (شہادتین، صلوٰۃ و زکوٰۃ، صوم و حج) کو اس کے حصول کا ذریعہ قرار دیا۔ مثال کے طور پر رکنِ اول تشہد (شہادتین) کو لیجیے کہ بظاہر یہ اقرار ہے فرد کی جانب سے توحید اور رسالتِ محمدیہ (علی صاحبہا التحیۃ والسلام) کا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کلمہ ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ کو محض عقیدہٴ زبان سے دہرایا جائے، بلکہ یہ اعلان ہے اس معاشرے یا نظامِ اجتماع و عمران میں شمولیت کا جس میں انسان صرف اللہ کے سامنے سر جھکا تا اور صرف اس کے رسول کی رہنمائی قبول کرتا ہے؛ لہذا انفرادی اعتبار سے جہاں توحید و رسالت کا اقرار ایک دعوتِ فکر ہے کہ ہم اس حقیقت کا مشاہدہ اپنے علم اور عقل اور محسوسات اور مدركات کی دنیا میں کریں جسے ہم نے از روئے ایمان تسلیم کر لیا ہے، وہاں یہ ہماری عزت نفس اور حریت ذات کی کتنی بڑی ضمانت ہے کہ اب ہمارا سراطعت نہ کسی معبودِ باطل کے سامنے جھکے گا، جس کی نفی کلمہ ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ نے کردی ہے، نہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہم کسی دوسری قیادت کے محتاج رہیں گے، جیسا کہ اعلانِ محمد رسول اللہ سے مقصود ہے۔ اجتماعِ لحاظ سے یہ عزم ہے اس معاشرے اور نظامِ مدنیّت کی ذمہ داریوں کو ایک فریضہ سمجھ کر ادا کرنے اور اس کے حفظ و استحکام اور مسلسل نشوونما کے لیے مخلصانہ جدوجہد کا جس کا اصول عمل ہے اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول (صلعم) کا اتباع۔ یوں شرک اور کفر، جہالت اور توہمات کی نفی کے ساتھ ان سب اداروں کا خاتمہ ہو جاتا ہے جو دنیا ہو یا آخرت، انسان اور خدا کے درمیان ایک واسطہ بن کر حائل ہو جاتے ہیں۔ اب صلوٰۃ کو لیجیے کہ یہ عبارت ہے اس نصب العین کی تڑپ سے جس سے انسان کی تقدیر اور مستقبل وابستہ ہے، لہذا ”شہوات“ یعنی ان مادی اور حیوانی تقاضوں کی ضد جن کی طرف انسان بالطبع مائل رہتا ہے لیکن جنہیں کسی اصول کے ماتحت آجانا چاہیے (آل عمران: ۱۴)۔ وہ گویا ہوا و ہوس یا دوسرے لفظوں میں اس بے مقصد اور بے اصول زندگی کے خلاف جو محض دنیا طلبی کے لیے بسر کی جاتی ہے ہماری سب سے بڑی سپر ہے جس کے بغیر ہم اپنے نصب العین سے دور ہوتے ہوتے بے راہ روی کا شکار ہو جائیں (فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوٰتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ

تعلیمات کیا ہیں اور وہ کیا مقاصد اور عزائم ہیں جن کے لیے ہمیں باہم مل کر جدوجہد کرنا ہے۔ صلوٰۃ پنج گانہ کی ادائیگی سے (خواہ مسجد میں یا مسجد سے باہر کسی دوسری جگہ) فرد اور جماعت دونوں اپنا اپنا احتساب کرتے اور دیکھتے ہیں کہ انھوں نے وہ ذمے داریاں جن کا تعلق امت کی حیات انفرادی اور اجتماعی سے ہے کہاں تک پوری کیں۔ گو یا صلوٰۃ بالجماعت سے اگر اسلام کے اجتماعی مقاصد کی ترجمانی ایک عملی شکل میں ہوتی ہے اور فرد اور جماعت کے تزکیہ و استحکام ذات کا راستہ کھلتا ہے تو وہ اپنی جگہ وحدت امت کی ایک زندہ مثال بھی ہے۔ یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ یہ فریضہ دنیا کے کسی حصے میں ادا ہو جماعت کا رخ ایک ہی طرف ہوگا، یعنی مسجد حرام کی طرف (فَوَلُّوا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهُۥۗ تَمَّ اس کی طرف اپنا منہ پھیر دو۔ ۲ (البقرہ: ۱۴۴))، بعینہ جس طرح روشنی کی کرنیں خواہ کسی سمت سے آئیں، ایک نقطہ ماسکہ پر جمع ہو جاتی ہیں۔ یوں ایک مشترک نصب العین کے لیے اہل ایمان کا یہ روزمرہ اور بار بار اجتماع اگر ان کے ملی عزائم اور مقاصد، ارادوں اور آرزوؤں کی تکمیل کا ایک بے تکلف اور از روئے نفسیات مؤثر ترین ذریعہ ہے تاکہ افراد کے اتحاد و ارتباط، جذبات کی ہم آہنگی اور یک جہتی سے ان کے عزم و ہمت اور قوت عمل میں بیش از پیش اضافہ ہو تو صلوٰۃ ہی کی بدولت ہم اپنی مادی اور حیوانی زندگی کے اس معمول سے، جس میں انسان ایک پُرزے کی طرح حرکت کرتا اور عالم طبیعی کی قوتوں کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے، خلاص حاصل کرتے اور اختیار ذات برقرار رکھتے ہیں۔ یوں ہمارا تعلق اپنے داخل اور باطن سے بھی منقطع نہیں ہوتا، کیونکہ وہی ہمارے ارادوں اور اقدامات کا حقیقی سرچشمہ ہے۔ پھر جب انسان یہ سمجھتے ہوئے کہ اُس کی زندگی کا کوئی مقصد ہے اور اس کے کچھ فرائض ہیں مسجد میں قدم رکھتا ہے تو وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے اور اپنی کوتاہیوں پر نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہوتا ہے، تاکہ اس کی رحمت اور فضل کے بھروسے پر ایک نیا ارادہ اور نئی آرزو لیے باہر آئے اور اس جدوجہد میں، جو بحیثیت مسلمان اس کے سامنے ہے، تازہ دم ہو کر پھر سے قدم رکھے۔ صلوٰۃ کو ”جامعہ“ (جمع کرنے والی)، یعنی ذریعہ اجتماع بھی کہا گیا ہے؛ چنانچہ صدر اسلام میں امت کے اجتماع کی یہی صورت تھی اور یوں نہیں وہ اپنے معاملات طے کرتی۔ صلوٰۃ گویا روح ہے اسلام کے نظام اجتماعیت کی، لہذا اس نے جو ہیئت اجتماعیہ قائم کی ہے اس کی بنا بالخصوص صلوٰۃ و زکوٰۃ پر رکھی: **الَّذِيْنَ اِنْ مَكَنْتُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَتَوْا الزَّكٰوةَ** = وہ لوگ کہ جب ہم نے انھیں طاقت دی کسی ملک میں تو وہ صلوٰۃ قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ (الحج: ۴۱)۔ بعینہ اس سورۃ کا خاتمہ بھی جس آیت ۸ پر ہوتا ہے، ان میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کے اجتماعی پہلو پر بالخصوص زور دیا گیا ہے (وَ جَاهِدُوْا فِيْ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖۙ هُوَ اَحْتَجَبَكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ اَبِيْكُمْ اَبْرٰهِيْمَ... فَاقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اَتُوا الزَّكٰوةَ... اور جہد کرو اللہ کے راستے میں جیسا کہ اس کا حق ہے، جس نے تمہیں پسند کیا اور دین میں کوئی مشکل نہیں رکھی، یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے... لہذا صلوٰۃ قائم

غیباً = تو ان کے جانشین ہوئے وہ لوگ جنہوں نے صلوٰۃ ضائع کر دی اور خواہشات کی پیروی کی، سو دیکھ لیں گے آگے چل کر گمراہی کو۔ ۱۹ (مریم: ۵۹)۔ صلوٰۃ، جس کے ارکان میں قیام و قعود اور رکوع و سجود، یعنی وہ سب حالتیں جمع ہیں جن میں انسان اپنے رب کے سامنے اظہارِ عبودیت کرتا ہے، دراصل ذریعہ ہے اس حقیقت سے براہ راست تقرب اور توسل کا جس کو فلسفے نے اپنی زبان میں اساس وجود، یعنی ہر شے کا سہارا ٹھہرایا ہے اور جس سے فرد جب اپنے اندرون ذات میں اتصال پیدا کرتا ہے تو اسے ایک ایسی شخصیت مل جاتی ہے جسے قرار و دوام حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صلوٰۃ کا حقیقی مقصود بھی ذکر الہی ہے (اقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ = صلوٰۃ قائم کر مجھے یاد رکھنے کے لیے۔ ۲۰ (طہ: ۱۴)) اور اس لیے وہ استحکام ذات کی اساس ہے۔ صلوٰۃ ہی کی بدولت فرد اپنا امتحان کرتا اور دیکھتا ہے کہ آیا وہ اس معیار پر پورا اترتا جو اسلام نے زندگی کے لیے قائم کیا۔ وہ حصول علم کی ایک صورت بھی ہے کہ یوں نہیں انسان کائنات میں اپنا مرتبہ و مقام متعین کرتا اور یوں نہیں یہ نکتہ اس کی سمجھ میں آتا ہے کہ اس کی ایک تقدیر اور ایک مستقبل ہے؛ چنانچہ شرط و تقویٰ میں ایمان بالغیب کی شرط اول اقامت صلوٰۃ ہی کو ٹھہرایا گیا ہے کہ اگر ایمان بالغیب نہیں تو اس کی بجا آوری گمراہی ہے (وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اَلَا عَلٰى الْخٰشِعِيْنَ ۗ الَّذِيْنَ يَطْلُوْنَ اَنْفُسَهُمْ فُلَقَوْا بِهٖمْ وَ اَنْفُسُهُمْ اَلَيْهٖ رٰجِعُوْنَ = وہ گمراہ ہے مگر اُن پر نہیں جو عاجزی سے کام لیتے ہیں، جن کو خیال ہے کہ وہ اپنے رب کے روبرو ہونے والے ہیں اور یہ کہ ان کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ۲ (البقرہ: ۴۶ و ۴۵)۔ صلوٰۃ ہی سے تزکیہ نفس کا راستہ کھلتا اور فحشا اور منکر کا ازالہ ہو کر فرد کی سیرت اور کردار کا جو ہر گھرتا ہے (اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَ الْمُنْكَرِ = بے شک صلوٰۃ روک رکھتی ہے بے حیائیوں اور ناپسندیدہ باتوں سے۔ ۲۹ (العنکبوت: ۴۵)۔ پھر جب ایک با اصول زندگی کی جدوجہد میں انسان مشکلات اور صعوبات سے گھبرا جاتا ہے تو صلوٰۃ ہی اسے سہارا دیتی ہے اور صبر و استقامت (وَ اَسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ۗ مَدَامَا كُوْنُوا صٰلِحِيْنَ) کے ساتھ۔ ۲ (البقرہ: ۴۵) کے ساتھ ساتھ عزم و اعتماد اور امید و رجا کا سرچشمہ بن جاتی ہے: **وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهٖ رٰجِعُوْنَ** = اور بشارت دو اہل صبر کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی سے ہمیں رجوع کرنا ہے ۲ (البقرہ: ۱۵۵ و ۱۵۶)۔ یہاں تک تو فرد کا معاملہ تھا۔ جماعت کے لیے صلوٰۃ کی حیثیت اس ادارے کی ہے جس سے امت ایک نصب العین پر جمع رہتی ہے اور اس اخوت و مساوات کا عملی نمونہ قائم کرتی ہے جو حریت ذات اور شرف انسانی کی حقیقی روح ہے؛ لہذا امت کا بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلا تفریق ادنیٰ و اعلیٰ ایک ہی امام کی اقتدا میں کامل نظم و انضباط سے قبل رو ہونا اور علاوہ سورۃ فاتحہ کے ہر رکعت میں قرآن پاک کے کسی حصے کو سننا جہاں اللہ اور اس کے رسول سے اپنی اطاعت کا اظہار ہے وہاں اس امر کا اہتمام بھی ہے کہ ہم اپنے موقف حیات کو فراموش نہ کریں، ہمیں برابر خیال رہے کہ اسلام کیا ہے، اس کی

ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کی تکمیل نہیں ہوتی، دوسرے اس لیے کہ دنیا کی ہر تحریک کی طرح اسلام بھی اپنے پیروں سے ایک نظم و ضبط کا طالب ہے کہ اگر ہماری زندگی کے مادی اور حیوانی تقاضے یا مال و دولت کی محبت اس نصب العین سے ٹکرائے جو ہمارے سامنے ہے تو ہم اپنی راحت و آرام اور منفعت دنیوی کو اس پر قربان کر دیں؛ لہذا اسلام نے ہمارے لیے جو نظم و ضبط بشکل صوم تجویز کیا اس سے مقصود نفس کشی نہیں بلکہ صفات عالیہ اور اخلاق حسنہ کی پرورش ہے تاکہ ہم خویش و اقارب کی طرح اپنے اپناے جنس کے لیے بھی خلوص اور ایثار سے کام لیں اور جماعت کا مفاد، مفاد ذات پر مقدم رکھیں۔ لیکن یہ جب ہی ممکن ہے کہ فرد کا دل ہوا و ہوس سے پاک ہو جائے، وہ تن آسانی اور راحت طلبی کے بجائے سخت کوشی اور صعوبات زندگی کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کرے، ہر کٹھن منزل پر صبر و استقامت سے کام لے، اپنے جسم اور شکم پر قابو رکھے، یہ نہیں کہ جسم کو جسم سمجھتے ہوئے بلا سبب آزار پہنچائے۔ اسلام نے نفس انسانی کی گونا گوں قوتوں اور صلاحیتوں کی طرح اس کے مادی اور حیوانی تقاضوں کی نفی نہیں کی، بلکہ انھیں ایک مقصد اور نصب العین کے تابع رکھا تاکہ فرد اور جماعت کی زندگی جیسی بھی کسی مرحلے سے گزر رہی ہے ہم اس کے پیش نظر ان پر ایک حد قائم کریں اور دیکھیں کہ ان سے لطف اندوزی کہاں تک مناسب ہے۔ مزید یہ ہے کہ ہمیں تجربہ بھی معلوم ہو جائے کہ ہماری اپنی ذات کی طرح اگر دوسروں کی ضروریات اور احتیاجات پوری نہ ہوئیں تو اس کے معنی کیا ہوں گے۔ یوں بھی زندگی جس ہمہ گیر جدوجہد سے عبارت ہے اس کا سلسلہ ہر طرح کے حالات میں جاری رہنا چاہیے، کیونکہ جس نظم و ضبط سے خیر خواہی اور خیر پسندی، عقبت اور پاکیزگی مقصود ہے اس میں اخلاق عالیہ کو تحریک ہوگی تو جب ہی کہ ہم اسے بے جا ترغیبات و تحریکات سے پاک رکھیں۔ یوں بھی ہر نظم و ضبط کی ابتداء دل و دماغ کی درستی اور بدن کی تربیت ہی سے ہوتی ہے، اس لیے صوم بھی، جس کے متعلق بظاہر خیال ہوتا ہے کہ ایک انفرادی فریضہ ہے، ایک اجتماعی ادارہ بھی ہے، جس میں مزید اجتماعی شان اس طرح پیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک خاص مہینہ مقرر فرمایا (۲) (البقرہ):

(۱۸۵) اور سحر اور افطار کا وقت بھی سب کے لیے یکساں معین کر دیا، لہذا ہم سب کا ایک ہی وقت میں افطار اور سحر بھی ہماری جماعتی وحدت اور یک جہتی کا ایک مظہر ہے۔ پھر اگر فرد کے لیے یہ مہینہ بالخصوص ذکر الہی کا ہے تاکہ وہ اپنے خالق اور پروردگار سے اور زیادہ قریب ہو جائے "اس لیے کہ وہ ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہے" (قرآن مجید نے فرضیت صیام کے ساتھ اس امر کی طرف بالخصوص اشارہ کیا ہے: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِلَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ = اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو تو میں قریب ہوں؛ میں قبول کرتا ہوں دعوائے مانگنے والے کی دعا؛ سو مجھ سے دعائیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ انھیں نیک راہ حاصل ہو — (۲) (البقرہ): (۱۸۶) اور یوں مراتب اخلاق اور روحانیت میں آگے بڑھے تو جماعت

کرو اور زکوٰۃ دو)۔ ان آیات میں صلوة و زکوٰۃ کو جس طرح بصراحت حیات اجتماعی کی اساس ٹھہرایا گیا ہے اس سے زکوٰۃ کی اجتماعی اہمیت کے اعتراف میں بھی کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔ بالخصوص اس لیے کہ زکوٰۃ کے بارے میں آج بھی سوال کیا جائے تو بلا تامل جواب ملے گا کہ اس سے مقصود ہے اہل حاجت کی امداد، یعنی بھوک اور فاقے، فقر اور افلاس کی لعنت کو دور کرنا یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ دولت کی تقسیم بے راہ روی اختیار نہ کرے؛ لہذا اس کی فراہمی اور خرچ کا معاملہ بھی جماعت، یعنی ریاست کے ہاتھوں میں رہنا چاہیے۔ گویا زکوٰۃ سے مقصود ہے سرمایہ ملی کا مسلسل نشوونما اور اس کی نہایت درجہ مناسب تقسیم، اس لیے کہ فرد ہو یا جماعت دولت کی پیدائش، اس کا صرف اور تقسیم یوں نہیں اُن جملہ ناہمواریوں اور خرابیوں سے پاک ہو سکتی ہے جو ابتدا میں معاشی اور پھر آگے چل کر اخلاقی اور اجتماعی فساد کا موجب بنتی ہیں۔ یہ ہوگا تو دولت میں اضافہ اور ترقی بھی ہوگی۔ یہاں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ لفظ زکوٰۃ میں پاکیزگی اور نمو (بڑھنا) دونوں مفہوم شامل ہیں۔ پھر اس مسئلے میں کوئی بھی نقطہ نظر اختیار کیا جائے، انفرادی یا اجتماعی، جہاں ملک اور قوم کا سوال سامنے آتا ہے اس کے بارے میں جماعت ہی کے نقطہ نظر کو ترجیح دی جائے گی۔ اندر میں صورت ضروری ہے کہ نظام زکوٰۃ ریاست کے ہاتھ میں رہے جیسا کہ از روے اسلام ہے؛ لہذا ریاست کی معاشی تدابیر (policies) کے علاوہ یہ اس کے نظام ضرائب (taxation) کی اساس بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست کی تاسیس ہوئی تو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی دولت کا جائزہ لیتے ہوئے جیسی بھی کسی شخص کی ذاتی ملکیت تھی اس سے وصولی زکوٰۃ کے لیے ایک نصاب مقرر کیا۔ یوں بھی کوئی نصب العین ہو اس کا حصول جب ہی ممکن ہے کہ فرد اور جماعت کی مالی ضرورت کی کفالت ہوتی رہے، اس لیے کہ انسان جس مادی عالم میں پیدا کیا گیا ہے اور جس میں اسے حصول مقصد کے لیے جدوجہد کرنا ہے اس کے تقاضوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتا؛ لہذا اسلام نے بجا طور پر زکوٰۃ کا رشتہ صلوة سے جوڑا، بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی فرد اور جماعت دونوں کے سود و بہبود کے پیش نظر انفاق پر زور دیا: *وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَآقِرِضُوا اللَّهَ فَرَضَ اللَّهُ فَرَضًا حَسَنًا ط وَمَا تَقَدَّمُوا لَأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ أَوْ أَعْظَمُ أَجْرًا = اور صلوة قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور قرض دو اللہ کو، اچھا قرض دینا اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی، اسے پاؤ گے اللہ کے یہاں بہتر اور اجر میں زیادہ — (۳) (المزمل): (۲۰)۔ بعینہ اسلام نے دولت کے احتکار اور تکاثر کی ویسی ہی ممانعت کی (۹) (التوبہ): (۳۵) جیسے بخل (۳) (آل عمران): (۱۸) اور اسراف (۱۷) (بنی اسرائیل): (۲۶) کی۔ زکوٰۃ اسلامی نظام معیشت کی روح ہے؛ چنانچہ جو نہیں ہمارا دین افراد کی مالی کفالت اور احتیاجات کی طرف منتقل ہوا، اس کا قیام ناگزیر ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا تعلق ایک طرح سے اسلام کے چوتھے رکن، یعنی صوم ماہ رمضان سے بھی قائم ہو جاتا ہے، اس لیے کہ ایک تو ارکان اسلام کی حیثیت بجائے خود ایک وحدت کی*

بھی قرآن کی تلاوت سُننے اور سُنانے کا بالخصوص اہتمام کرتی ہے کہ اپنے رب کی بڑائی بیان کرے اور اس ہدایت پر جو اُسے ملی اللہ کا شکر ادا کرے، اس لیے کہ یہی مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل ہوا، جو ہدایت ہے انسانوں کے لیے، ہدایت کی روشن دلیلوں کے ساتھ اور جو فرقان ہے، یعنی حق کو باطل سے جدا کرنے والا: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ... وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدٰكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ (۲) (البقرہ): ۱۸۵؛ پھر یہ اس کی بڑائی بیان کرنے کا حکم بھی ایک طرح کی یاد دہانی ہے کہ امت اس جدوجہد کے لیے تیار ہو جائے جو اُسے اسلام اُس پر لازم آتی ہے۔ یوں ذکرِ الہی سے اس کے اتحاد و ارتباط کو بھی اور زیادہ تقویت حاصل ہوتی ہے۔ جمعے اور بالخصوص جمعۃ الوداع کے اجتماع سے یہی غرض ہے کہ ہم اپنے نظامِ ملی کا جائزہ لیتے رہیں اور دیکھیں کہ کیا ہم اس تقریب سعید کے سچے مچ اہل ہیں جو ایک موقع ہے اداے تشکر اور اظہارِ مسرت کا کہ ہم اپنے فرائض میں پورے اترے۔ آخری اور پانچواں رکن حج ہے جس کی حیثیت واضح طور پر اجتماعی ہے اور جس میں فرد اس لیے شریک ہوتا ہے کہ علاوہ اُن اخلاقی اور روحانی فوائد کے جو ذاتی طور پر اسے حاصل ہوں گے وہ اتحادِ ملی کے اس منظر کا بھی عملاً مشاہدہ کرے جو بلا امتیازِ حدود و قیود اور بلا رعایت قوم و ملک وحدتِ انسانی کی تمہید ہے اور جس کے پیش نظر اسلام نے ایک عالمگیر معاشرے کی بنا رکھی؛ لہذا یہ بین الاقوامی اجتماع، جس میں ہر رنگ اور ہر نسل کے مسلمان اکناف و اطرافِ عالم سے ایک دوسرے کے لیے اخوت اور مساوات کا پیام لے کر آتے ہیں، بجائے خود ایک ناقابل انکار دلیل ہے اس بالقوۃ وحدت کی: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً = لوگ ایک ہی امت ہیں۔ (۲) (البقرہ): ۲۱۳ جو نوعِ انسانی میں پہلے سے موجود ہے اور جس کو بالفعل لانے کا بجز اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں کہ اس نصب العین کی رعایت سے جو اس کے سامنے ہے اس کا ایک مرکز مشہود بھی ہو، جیسا کہ ہر نظامِ عمران و اجتماع، مذہب اور ملت کا ہوا کرتا ہے: وَلِكُلِّ وُجْهَةٌ حُوْمٌ لِّهَا = اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے وہ منہ کرتا ہے اس کی طرف۔ (۲) (البقرہ): ۱۴۸ یعنی اس کی آنکھیں اس کی طرف لگی رہتی ہیں؛ لہذا امتِ اسلامی کا بھی ایک قبلہ (۲) (البقرہ): ۱۴۲ ہے، ایک مرکز مشہود جس کی انسانی اور آفاقی حیثیت کا تقاضا تھا کہ اس کی قدامت بھی مسلم ہو؛ جیسا کہ خانہ کعبہ کے باب میں تاریخ کو بھی اس کی قدامت کا اعتراف ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ = بے شک سب سے پہلا گھر جو نوعِ انسانی کے لیے مقرر ہوا یہی ہے جو مکہ میں ہے باعثِ برکت اور ہدایت سب انسانوں کے لیے۔ (۳) (آل عمران): ۹۶۔ ایسے ہی سورہ حج (آیت ۳۳) میں اسے ”بیتِ متین“ کہا گیا۔ یوں بھی وحدتِ انسانی کی بنا چونکہ توحید پر ہے اور یہ وہ بات ہے جس کی تاریخ سے بھی تائید ہوتی ہے، لہذا ایسے کسی مرکز کو نسبت ہونی چاہیے تو اسی ذاتِ پاک سے جس نے زمین و آسمان پیدا کیے اور جسے اسلام نے ربِّ العلمین ٹھہرایا۔

اندریں صورت خانہ کعبہ کو بیت اللہ ہی کہا جا سکتا تھا تاکہ اس مرکزیت کا جس کی اساسِ خاصۃً روحانی ہے جو از پیدا ہو جائے اور یہ وہ امر ہے جو قرآن حکیم کی متعدد آیات میں مذکور ہے، مثلاً (۲) (البقرہ): ۱۲۵؛ ۲۲ (الحج): ۲۶۔ یوں اس گھر کی حرمت بھی، جسے پروردگار عالم سے نسبت ہے، لازم ٹھہری: جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِّلنَّاسِ = اللہ نے کعبہ کو حرمت والا گھر بنایا اور قیام کا باعث لوگوں کے لیے۔ (۵) (المائدہ): ۹۷۔ اور اس کا نام بھی بجا طور پر مسجد قرار پایا (۲) (البقرہ): ۲۱۳۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مسجد کا قبلہ رُو ہونا ضروری ہے تاکہ اداے صلوة میں سب کا منہ خانہ کعبہ کی طرف ہو: وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْكُمْ حَيْثُ سَطُرَتْ = اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لو۔ (۲) (البقرہ): ۱۴۴) اور جو گویا اتحادِ خیال اور اتحادِ عمل کے ساتھ ساتھ اس امر کا بھی اعلان ہے کہ امتِ اسلامیہ کی تشکیل ساری نوعِ انسانی کے لیے ہوئی۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور حصولِ خیر اس کا مقصد ٹھہرا (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ... = تم بہترین امت ہو جسے انسانوں کے لیے اٹھایا گیا..... (۳) (آل عمران): ۱۱۰)؛ چنانچہ یہی وہ امت ہے جس کی زندگی میں ایک عالمگیر بیعتِ اجتماعیہ اور خاصۃً انسانی نظامِ مدنیّت کا عملی نمونہ دیکھنے میں آ سکتا ہے اور وہ دوسروں کی رہبری بھی اس نصب العین کی طرف کر سکتی ہے۔ بنا برین خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا تو اس امر کی صراحت بھی کر دی گئی کہ اس کی غرض و غایت جملہ اقوامِ عالم کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّ سَطٰٓمًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًاۙ عَلٰی النَّاسِ وَّ يَكُوْنُوْا الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شٰهِيْدًا = ”اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں“۔ (۲) (البقرہ): ۱۴۳۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہی وہ امت ہے جسے نوعِ انسانی کے اس اخلاقی اور روحانی ورثے کا حق پہنچتا ہے جس کا تعلق ماضی کی عالمگیر تحریکات سے ہے، کیونکہ اس نے اپنے آپ کو ساری نوعِ انسانی سے وابستہ کر رکھا ہے۔ یہ ایک اور وجہ ہے کہ عالمِ انسانی کی مرکزیت خانہ کعبہ کے حصے میں آئی، جس پر یہود و نصاریٰ کو، جو خود بھی اس قسم کی مرکزیت کے دعوے دار تھے، اعتراض ہوا تو ان سے بہ تندی کہا گیا: اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنْ اٰتٰوْهُمُ وَاَسْمَعِلْ وَاَسْمَعِلْ وَاَسْمَعِلْ وَاَسْمَعِلْ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی = کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم، اسمعیل، اسحق، یعقوب اور اس کی اولاد یہودی اور نصرانی تھے۔ (۲) (البقرہ): ۱۴۰، کیونکہ اس تحریک کی قیادت کی ابتدا، جس کے پیش نظر ایک عالمگیر نظامِ اجتماع اور تہذیب و تمدن ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ انھیں جب اللہ تعالیٰ نے بعض باتوں میں آزما یا اور وہ ان میں پورے اترے تو ارشاد ہوا کہ تمہیں انھیں نوعِ انسانی کا امام بنایا جائے گا (۲) (البقرہ): ۱۲۴، لہذا اس فریضہ امامت کا عین اقتضا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس گھر کی نظیر کے لیے کوشاں رہتے جو اتحادِ انسانی اور امنِ عالم کا مرکز ہے (وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا... وَ عٰهَدْنَا اٰلِیْہِمْ وَاَسْمَعِلْ اَنْ طَهِّرُوْا بَيْتِنَا لِطٰٓئِفٰتٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ وَاَلْزَمْنَا الشُّجُوْدَ = اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کا مرکز اور مامن بنایا..... اور جب ہم

وَأَهْوَأَ الْكُفْمَ وَأَعْرَضَكُمْ عَلَيَّكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِجْ شَهْرِكُمْ هَذَا فِجْ بَلَدِكُمْ هَذَا إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ۔ بخاری، کتاب الحج؛ مسلمانوں پر اس لیے کہ اسلام عبارت ہے انسانیت کاملہ سے، لہذا اسلام ہر انسان کو مسلمان ہی دیکھنا چاہتا ہے۔ حضور رسالت مآبؐ کا یہ خطبہ گویا حریت و مساوات انسانی کا منشور ہے؛ چنانچہ آپؐ نے نہایت واضح الفاظ میں ہمیں ہمیشہ کے لیے متنبہ کر دیا کہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر، نہ سرخ کو سیاہ پر اور نہ سیاہ کو سرخ پر، مگر بسبب تقویٰ کے (أَلَا فَضْلٌ لِّعَرَبٍ عَلَىٰ عَجَمٍ وَلَا لِعَجَمٍ عَلَىٰ عَرَبٍ وَلَا لِحُمْرٍ عَلَىٰ أَسْوَدٍ وَلَا لِأَسْوَدٍ عَلَىٰ أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ — مسند احمد) اور یہ قرآن پاک کے اس ارشاد کے عین مطابق ہے کہ (وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ) ہم نے تمہیں شعوب و قبائل بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو جان سکو۔ تم میں سب سے زیادہ عزت مند وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ (الحجرات: ۱۳)۔ پھر اس لحاظ سے بھی کہ حج سے مقصود ہے وحدت انسانی، جس کا بیک وقت وہ ایک ذریعہ بھی ہے اور مظہر بھی، بعینہ جیسے خانہ کعبہ نوع انسانی کا مرکز اور مآسن ہے؛ لہذا اس فریضے اور اس مقام کی عظمت دونوں کا تقاضا تھا کہ ان میں کسی ایسی چیز کو راہ نہ ملے جس سے ان مقاصد کو ٹھوکر لگے جو حج سے وابستہ ہیں ورنہ خانہ کعبہ کی حرمت میں فرق آجائے گا، کیونکہ ان سے انحراف اس دستور زندگی سے انحراف ہے جو اسلام نے ہمارے لیے تجویز کیا (وَالْمَسْجِدَ الْحَرَامَ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سُبُوحًا ۖ الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۖ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ ۖ يُطَلِّمُ نَذْفَهُ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ) اور مسجد حرام جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے برابر بنایا، باہر سے آنے والے ہوں یا وہاں کے رہنے والے، تو جس نے اس میں الحاد اور ظلم سے کام لیا اسے ہم سخت عذاب دیں گے۔ (الحج: ۲۵)۔ اس نکتے کو یوں سمجھا جا گیا ہے کہ حج میں نہ رنٹ کی اجازت ہے، نہ فسوق اور نہ جدال کی (فَلَا رَنُفٌ وَلَا فُسُوقٌ وَلَا جِدَالٌ فِي الْحَجِّ ط۔ (۲) (البقرہ: ۱۹۷)۔ اب رنٹ (جنسی اختلاط)، فسوق (بدعہدی اور بددیانتی) اور جدال (وزاع) کی حج کے سلسلے میں ممانعت پر بالخصوص زور اس لیے دیا گیا کہ جب اس اجتماع کی غرض وغایت ہے ایک پابند اصول، عقیف، پُر امن اور خالصہ انسانی معاشرہ، جس میں محبت و اخوت اور آزادی و مساوات کے علاوہ ایک دوسرے کی خیر خواہی، عزت اور احترام کی روح کا فرما رہے تو اس تقریب میں بالخصوص ضرورت تھی کہ ہم اپنی خواہشات نفسانی اور ہر ایسی ترغیب و تحریص سے بچیں جو سوء خیال اور سوء نیت کا سبب بن جائے، نہ اس میں وہ خرابیاں پیدا ہوں جو تقریبات و اجتماعات میں اکثر پیدا ہو جاتی ہیں اور نہ ہمارے اپنے ارادے کی کمزوری اور دل کا فساد ہمارے مقاصد میں حارج ہونے پائے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک توجیح کے معنی ہیں ارادہ، دوسرے بیت اللہ شریف کو ”قیامًا لِلنَّاسِ“، ”مَثَابَةً لِلنَّاسِ“ اور ”أَمْنًا“ ٹھہرایا گیا؛ لہذا حج ارادہ ہے حفظ نوع، اتحاد انسانی اور امن عالم کے مقاصد کی عملًا تکمیل کا۔ پھر اس حیثیت سے کہ حج مسلمانوں کا ایک بین الاقوامی اجتماع ہے اس سے امت میں اتحاد و ارتباط اور اشتراک و تعاون کا راستہ کھلتا اور ان کے مطمح نظر میں

نے ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ سے عہد لیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے، اعتکاف کرنے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک و صاف رکھیں۔ (۲) (البقرہ: ۱۲۵) تاکہ جو مقاصد اس سے وابستہ ہیں وہ کسی طرح کے فتنہ و فساد، ذاتی اور مقامی مفادات سے داغ دار نہ ہوں، جیسا کہ قرآن حکیم نے واضح الفاظ میں صراحت کر دی ہے (دیکھیے ۲۲ (الحج: ۲۵)۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیلؑ نے خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر کی (۲) (البقرہ: ۱۲۷) تو انھوں نے اپنے منصب امامت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ایک ایسی امت پیدا کرے جو صرف اسی کی فرمان بردار ہو، یعنی صرف اسی کے احکام پر چلے اور ایک ایسا رسول بھی جو اس عظیم الشان فریضے کی بجائے اس کی تعلیم و تربیت اور رہنمائی کرے (رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا رِشْوَلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهَمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ) اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمان بردار بنا اور ہماری اولاد سے ایک ایسی امت پیدا کر جو تیری فرمان بردار ہو..... اے ہمارے رب ان میں ایک رسول پیدا کر جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے انہیں کتاب و حکمت سکھائے اور پاک کرے۔ (۲) (البقرہ: ۱۲۸، ۱۲۹)؛ لہذا جب پیغمبر اسلام، نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور اس امت کی تشکیل ہو گئی جس کی حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی تو حج کعبہ بھی ہر مسلمان پر بشرط استطاعت فرض ٹھہرا تاکہ اس نظام اجتماع و عمران کی جو سارے عالم انسانی پر محیط ہے ایک اساس اور تمہید قائم ہو جائے اور فرد کو بھی موقع ملے کہ اس نے اپنی تقدیر جس دستور حیات سے وابستہ کر رکھی ہے اس میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہوئے کمالات ذات سے بہرہ ور ہو۔ خانہ کعبہ محض زیارت گاہ تو ہے نہیں، بلکہ اسلام کی اخلاقی، اجتماعی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی وحدت کا مظہر ہے اور حج ان مقاصد کی تکمیل کا نقطہ آغاز جو اس سے وابستہ ہیں اور جس کی ابتدا اسی لیے حضرت ابراہیمؑ ہی نے فرمائی تھی (وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ) اور اعلان کر کہ لوگ حج کے لیے آئیں۔ (۲۲) (الحج: ۲۷)؛ لہذا حج کے ظاہری ارکان کا اشارہ بھی دراصل اس نصب العین کی طرف ہے جس کی جدوجہد میں ہر فرد و امت اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ اس کی عبادات صرف اللہ کے لیے ہیں (إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) میری صلوة، میری قربانی، میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے لیے ہے۔ (۶) (الانعام: ۱۶۲)؛ لہذا ارکان حج بھی وہ علامات (شعائر) ہیں جن سے ایک مخصوص نصب العین کی ترجمانی مقصود ہے اور جن کے لیے تقویٰ شرط ہے تاکہ انسان کے قول و فعل میں ظاہر داری کا رنگ پیدا نہ ہو (وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ) جس نے شعائر اللہ کی تعظیم کی تو وہ بسبب دل کے تقویٰ کے ہے۔ (۲۲) (الحج: ۳۲)؛ چنانچہ صفا اور مرہو کا شمار بھی شعائر ہی میں کیا گیا (۲) (البقرہ: ۱۵۸)۔ پھر ان حقائق کی مزید تشریح نبیؐ کے خطبہ جیدہ الوداع سے ہو جاتی ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر اس کے ابنائے جنس کی جان اور مال اور آبرو کی حفاظت فرض ہے (إِنَّ دِمَائَكُمْ

ہیں اور بہت سے دریاؤں، ندیوں، تگ پہاڑی دڑوں اور دریائی طاسوں کو بھی اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے، یا تو صیغہ واحد Arco کی شکل میں اور یا بشکل جمع، یعنی Arcos؛ علاوہ ازیں اُرکش بلنسیہ (Valencia) سے ۱۴۰ میل (سات کیلومیٹر) کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا ضلع ہے، جس کا عربی نام الاواس = (Arcos Alacuas, The) اب تک برقرار ہے، جہاں تک مسلم سپین کی تاریخ کا تعلق ہے، ان جگہوں میں سب سے زیادہ اہم ”سرحد کا ارکش“ (Arcos de la Frontera) ہے، جو قádiz (Cádiz) کے صوبے کے شمال مغرب میں زیریں Betic سلسلے کی آخری مغربی پہاڑیوں پر اشبیلیہ (Seville) کے میدان (کام پینا Campiña) میں [وادی لکھ کے دائیں کنارے پر] واقع ہے، جہاں انگور بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے باشندوں کی تعداد تقریباً تیس ہزار ہے اور اس کی جاے وقوع جغرافیائی اور مصالح حربی دونوں کے لحاظ سے انتہائی دلچسپ ہے، کیونکہ یہ ایک چٹانی تودے کے محور پر واقع ہے جہاں وادی لطف یا وادی لکھ (Guadalete) ایک دم مڑ جاتا ہے اور کنارے کو چھوتا ہوا گزرتا ہے۔ قرون وسطیٰ کے پورے دوران میں اس کا قلعہ (Castillo) اور اس کے مضامفات مختلف اوقات میں مسمار کیے گئے اور آزر سُرُو آباد ہوئے۔ تاریخی دور سے پہلے کے متعدد آثار، ٹھوس شہادت اور فرش کے رومی پتھر سب اس کی قدامت کا ثبوت ہیں۔ جب یوسف الفہری کے خلاف عبدالرحمن اول نے اپنی مہم کا آغاز کیا تو اُرکش نے مؤخر الذکر کی رفاقت کا اعلان کر دیا۔ بعد میں اس پہلے اموی امیر کے خلاف اہم ترین اور خطرناک ترین بربری بغاوت کے رہنما شقیان بن عبدالواحد المکناسی نے اُسے تاخت و تاراج کیا۔ تیسری رنویں صدی کے خاتمے پر اشبیلیہ کے علاقے میں عربوں اور مولدوں کی جنگ کے دوران میں ارکش، شریش (Jerez) اور مدینہ شدونہ (Medina Sidonia) کے باغی قلعوں پر امیر عبداللہ کی افواج نے حملہ کیا۔ یوسف بن تاشفین نے زلّٰتہ جاتے ہوئے اُرکش میں قیام کیا تھا۔ الموحّد خلیفہ یعقوب المنصور نے ۵۸۶ھ / ۱۱۹۰ء میں پرتگال کے خلاف اپنی مہم کے دوران میں اپنی فوجوں کا اجتماع ارکش (Arcos de la Frontera) میں کیا۔ وہاں سے اس نے اپنے ایک بیچازاد بھائی السید یعقوب بن ابی حفص کوشلب (Silves) کے شہر کے خلاف روانہ کیا اور اس اثنا میں خود اس نے طرش (Torres Novas) اور تومر (Tomar) کا محاصرہ شروع کیا۔ ۶۲۸ھ / ۱۲۵۰ء میں فرڈیننڈ (Ferdinand) ثالث نے غرناطہ فتح کرنے کے بعد ارکش پر قبضہ کر لیا۔ اس کے مسلمان باشندوں نے ۶۵۹ھ / ۱۲۶۱ء میں بغاوت کی اور ۶۶۲ھ / ۱۲۶۳ء میں الفانسو (Alfonso the Learned) نے اسے اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ ۷۳۹ھ / ۱۳۳۹ء میں جب مرینی امیر ابو الحسن نے اندلس میں اپنی مہم شروع کی، جس کا نتیجہ نہر بکّہ (Salado) یا جزیرہ طریف (Tarifa) کی جنگ میں اس کی ہزیمت کی صورت میں نکلا، تو اندلسی مجالس (Councils) نے ابو مالک کی فوج کو ارکش کے قریب شکست دی اور اسے دریائے برباط (Barbate) کے کناروں پر، جو

وسعت پیدا ہوتی ہے۔ وہ جب مختلف سر زمینوں میں سفر کرتے اور مختلف النسل انسانوں سے ملتے، ان کے اخلاق و عادات کا مشاہدہ کرتے اور ان کے ماضی و حال پر نظر ڈالتے ہیں تو حیات اُمّ اور ان کے عروج و زوال کے علاوہ تاریخ اور تمدن کے کیسے کیسے حقائق ان کے سامنے آجاتے ہیں۔ (قرآن مجید میں ہے: فَسَيَرُوْا فِي الْاَرْضِ فَاَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِيْنَ = تو سفر کرو دنیا میں اور دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا) — (النحل: ۳۶)۔ بعینہ جب ان پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ رنگ و نسل کا اختلاف آیات الہیہ میں سے ہے (وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْاَخْتِلَافُ الْاَلْسِنٰتِكُمْ وَ الْاَلْوَانِكُمْ = اور اس کی آیات میں ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف) — (الروم: ۲۲) اور بنا بریں نوع انسانی اصلاً ایک ہے تو ان کا یہ احساس اور بھی بڑھ جاتا ہے کہ حجّ ہی سے امت میں اخوت و مساوات اور یگانگت کا رشتہ قائم ہے اور حجّ ہی اس کی شان و شوکت، ثبات و استحکام اور سیاسی، اجتماعی اور ثقافتی وحدت کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کے لیے اس میں طرح طرح کے مصالح اور مفادات مضمّن ہیں جن کی نوعیت اخلاقی بھی ہے اور روحانی بھی، جو دنیا و آخرت میں اس کی سربلندی اور سرفرازی کے ضامن ہیں اور جن کی طرف قرآن مجید میں یہ نہایت بلیغ اشارہ موجود ہے: لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ = تاکہ دیکھیں اپنے منافع کی جگہیں — (الحج: ۲۸)۔ حج ہی کی بدولت ان لاتعداد انسانوں کا دل و دماغ، جن کا تعلق مختلف نسلوں، قوموں اور ملکوں سے ہے اور جو اطراف و اکناف عالم میں پھیلے ہوئے اسلام کو اپنا اصول زندگی ٹھہرا چکے ہیں، نسلی اور جغرافیائی تعصبات سے آزاد ہوتا اور ایک ایک رنگ قومیت کے سانچے میں ڈھلتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ارکان اسلام سے مقصود نہ صرف اس رشتے کی تقویت ہے جو آزر وے اسلام عبد اور معبود کے درمیان قائم ہے بلکہ اس دستور حیات کا قیام و استحکام بھی جو حیات فرد اور جماعت اور ایک عالمگیر تہذیب و ثقافت اور خالص انسانی معاشرے کی اساس ہے۔

تشہد یا شہادتین، صلوة، زکوٰۃ، صوم اور حج کے متعلق تفصیلی معلومات کے لیے دیکھیے بذیل مادہ۔

ماخذ: (۱) قرآن مجید بموضع کثیرہ: (۲) کتب احادیث، بذیل ایمان، صلوة و زکوٰۃ، صوم اور حج؛ (۳) جلال الدین: السراج المنیر شرح الجامع الصغیر، قاہرہ ۱۳۵ھ؛ (۴) الغزالی: الاحیاء، مطبوعہ مکتبۃ عیسیٰ البابی الکنی، مصر؛ (۵) ابو الخیر نور الحسن: الرحمة المہدّاة الی من یرید العلم علی احادیث المشکوٰۃ، مطبع فاروقیہ، دہلی؛ (۶) مرتضیٰ زبیدی: اتحاف السادة المتّقین، مطبعہ رمیہ، مصر ۱۳۰۶ھ۔

(سید نیری نازی)

* اُرکش: (ہسپانوی: Arcos) سپین میں کم از کم بیس مقام اس نام کے

(وینسی؟) قصر ہے، جسے تیپہ دیہن کے علی پاشا [رک بان] نے از سر نو تعمیر کیا۔ اس شہر کے بہت سے قدیم مکان آج بھی باقی ہیں، جو اُس وقت کے مزاج کے مطابق قلعہ نمائے گئے ہیں اور انھیں دیکھ کر اڑلیا، چچلی بے حد متاثر ہوا۔

مآخذ: (۱) ح۔ اینا لہجق: ارنا و دلقدہ عثمانلی حاکمیتنگ یرلشمہ سی، درفانتح و استانبول، ۲/۱۹۵۳: (۱۵۳-۱۷۵: ۲) وہی مصنف: ہجری ۸۳۵ تاریخی صورت دفتر ارنوید، انقرہ ۱۹۵۴ء، مقدمہ: (۳) وہی مصنف: مقالہ ارنو و دلق، اوپر: (۴) اڑلیا، چچلی: سیاحت نامہ، ۸: ۶۷-۶۸، Babinger، ملخص ترجمہ و حواشی، در MSOS، ۳۳، (۱۹۳۰ء): ۱۴۸-۱۵۰: (۵) J. C. Hobhouse: *A Journey through Albania...*، ۱۸۱۳ء، ص ۹۲-۹۷: Baedeker (۶) *Dahmatien und die Adria*، ۱۹۲۹ء، ص ۲۵۰: (۷) S. (۸) Argiurocastro: *Enc. it.* (۷) (F. Babinger): بذیل ماڈہ *Argiurocastro*: (۸) S. Skendi (طبع): *Albania*، ۱۹۵۷ء: (۹) *Guide d'Albanie* ('Albturist')، تیرانہ (Tirana) ۱۹۵۸ء، ص ۳۱۰-۳۱۵۔ (V. L. MÉNAGE)

اُرگلی: (Eregli): 'Hραχλέωζ Κάστρου' τὸ * در ۱۸۲:۱، Theophanes (طبع دیور de Boor) 'Hραχλέωξ' ἡτοῦ Κωμόπολιζ، در Michael Attaliata، ص ۱۳۶ (مطبوعہ Bonn)؛ *Hράχλεια* یا *Ἡράχλεια του Ηραχλέωζ*، در *Revue de Géographie*، ص ۱۰۴، بعد، طبع بشیفیر *Recueil etc.*، طبع ہوتسما (Houtsma)، ص ۱۱:۳، و *Zur histor. Topo-*: Erachia، Recleni، (Tomaschek) *graphie von Kleinasien*، ص ۸۴، ۸۸، ۹۲: Araclie، در *Bertrandon de la Broquière*، ص ۱۰۴، بعد، طبع بشیفیر (Charles Schefer)، بونٹلی سرحد پر ایک قلعہ جو کلیکیا (Cilicia) سے تونیہ (Iconium) کو جانے والی سڑک پر واقع تھا اور جسے عربوں نے کئی مرتبہ فتح کیا، خاص طور پر ہارون نے ستمبر ۸۰۶ء میں (الطبری، ص ۳: ۷۰۹ بعد = Theophanes، مقام مذکور)؛ لیکن عموماً وہ بونٹلی مقبوضات ہی میں رہا، یہاں تک کہ تونیہ کے ترکوں نے اسے اُن سے چھین لیا (بقول اڑلیا، چچلی (۳: ۲۸) ۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں)۔ اس کے بعد وہ قرہ مان اوغلو کی سلطنت میں شامل رہا اور ۱۲۶۶ء میں باقی علاقے سمیت عثمانی ترکوں کے قبضے میں آ گیا۔ اس کے باشندے (تقریباً پانچ ہزار) قریب قریب سب مسلمان ہیں، صرف ایک مختصر سی ارمنی آبادی موجود ہے۔ پچاس سال پہلے اس شہر میں [بانئس محلے]، پندرہ بڑی [جامع] اور گیارہ چھوٹی مسجدیں تھیں۔ بڑی مسجدوں میں سے ایک کے متعلق جہان نما میں بیان کیا گیا ہے کہ اُسے قرہ مان اوغلو خاندان کے ایک فرد ابراہیم بیگ

دونوں ملکوں کے درمیان سرحد کی نشاندہی کرتا تھا، قتل کر دیا۔ ۸۵۶ھ/۱۴۵۲ء تک غرناطہ کے مسلمان حکمران (Moors) ارگش کے علاقے پر دست درازی کرتے رہے، جو دو صدیوں تک ایک سرحدی شہر رہا۔ اسے ہر وقت جنگ کے لیے تیار رکھا جاتا تھا اور اس طرح وہ Arcos de la Frontera (= سرحد کا اُرگش) کہلانے کا واقعی مستحق تھا۔

مآخذ: (۱) الإدریسی عربی متن: ص ۱۷۴، ترجمہ: ص ۲۰۸: (۲) لیوی پرووانسال (E. Lévi-Provençal): *La Péninsule ibérique*، متن: ص ۱۴، ترجمہ: ص ۲۰: (۳) *Dic. geogr. de España*، ۱۹۵۷ء، ۲: ۶۹۷: (۴) *Las Grandes batallas de la Reconquista*: A. Huici، ص ۳۳۶۔

(A. HUICI MIRANDA) میرانڈا

* اُرگوس: رک بہ اُرگش۔

* اُرکیڈونہ: رک بہ اُرشڈونہ۔

* اُرکانی روکاشٹرو: رک بہ اُرگری۔

* اُرگری: (اُرگری، اُرگری) Argirocastro، البانوی: Gjinokastër کا ترکی نام، جو البانوی اپنی رس (Epirus) کا سب سے بڑا شہر (عرض البلد شمالی ۴۰° - ۱۳'، طول البلد مشرقی ۲۰° - ۱۳'، مالی جیرہ (Male Gjerë) کی مشرقی ڈھلان کے دامن میں دریائے ڈرن (Drin) کی وسیع اور زرخیز وادی کے اوپر واقع ہے، جو دریائے وایوتسا (Voyutsa) (ویوسہ Vijose) کا معاون ہے اور اس راستے کے ناکے پر ہے جو اولونا (Valona) سے مشرقی یونان کے اندر گیا ہے۔ یہ شہر قدیم ہیڈریانوپل (Hadrianopolis) [آگے چل کر ایڈریانوپل = ادرنہ] کی جائے وقوع کے قریب آباد ہے اور اس کا نام ایک ایلیری (illyrian) قبیلے کے نام پر رکھا گیا۔ بایزید اول کے عہد سلطنت میں یہ علاقہ ترکوں کے قبضے میں آیا۔ ۸۳۵ھ/۱۴۳۱ء کے "دفتر" میں اُرگری قسری (جس کے ضلع کا نام ولایت زینبیش، یعنی زینبسی (Zenebissi) خاندان کی ولایت ہے) کا ذکر سنج غزوئیہ کے صدر مقام کے طور پر آیا ہے۔ آگے چل کر (۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء میں یقیناً وہ اولونیہ (Alvonya) کی سنج کا ایک حصہ بن گیا۔ سلطنت عثمانیہ کے آخری ایام میں یہ پھر سنج بنا اور ولایت یانیہ میں شامل کر دیا گیا۔ اڑلیا، چچلی (۷: ۱۶۷) اسے ایک خوش حال اور مستحکم شہر بتاتا ہے، جہاں کی زیادہ آبادی مسلمان تھی۔ جینوکاسٹر [اُرگری] کی، جو آج کل وادی کی طرف پھیل رہا ہے (موجودہ آبادی بارہ ہزار کے قریب)، سر بلند عمارت از منہ وسطی کا

نے بنوایا تھا (مناسک الحج کے مطابق قلیح آرسلان نے)۔ سنان نامی معمار نے سوھویں صدی میں جو [مسجد اور] کاروان سرائے ستم پاشا کے حکم سے تعمیر کی تھی اس کا ذکر بھی مذکورہ بالا تصنیف میں آیا ہے۔ [اس کے علاوہ ایک اور سرائے بھی تھی جسے الکمک جی اوغلو احمد پاشا نے بنوانا شروع کیا تھا اور بیرام پاشا نے مکمل کیا] روایت ہے کہ پٹر باشی کے پانی کے چشمے [پیغمبر پتاری] رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] نے اپنے معجزے سے پیدا کر دیے تھے، جس کی وجہ سے اس ضلع کا عُشر (پیداوار کا دسواں حصہ) مدینے کے لیے وقف تھا (جہاں نہ، ازلیا، چلبی، قب سعید الدین، ۱: ۵۱۶)۔ [اس میں چھ ہزار باغ تھے، جنہیں تالابوں کے ایک سلسلے سے سیراب کیا جاتا تھا اور اس کام کی نگرانی ایک سرکاری عہدے دار کے سپرد تھی، جو میر آب کہلاتا تھا۔] گزشتہ زمانے میں ارگلی اس راستے پر ایک مقام تھا جس سے حاجی آتے جاتے تھے اور ۱۹۰۸ء سے وہ تونیہ سے بغداد جانے والی ریلوے لائن پر ایک اہم سٹیشن ہے۔ یہ شہر سخیق تونیہ میں ایک قضا کا صدر مقام ہے۔ [یہاں سوتی کپڑوں کا ایک بڑا کارخانہ قائم ہو گیا ہے اور آبادی میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے؛ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں آبادی ۹۴۶۳ تھی جو ۱۹۳۵ء میں بڑھ کر سولہ ہزار سے اوپر ہو گئی۔ پوری قضا کی آبادی چھیالیس ہزار سے اوپر ہے۔ اس میں سڑسٹھ بیہات ہیں اور کل رقبہ ۷۰۰۰ مربع کیلومیٹر ہے]۔

ماخذ: (۱) ابن البیطار، شماره ۱۲۴۸؛ (۲) L. Brunot: Textes arabes de Rabat، فرہنگ (Glossary)، پیرس ۱۹۵۲ء، ص ۶-۷؛ (۳) Contribution à l'étude de la flora du Sahara: V. Monteil occidental، ج ۲، پیرس ۱۹۵۳ء، شماره ۴۰۹ (مع فہرست ماخذ)؛ (۴) A. Roux: La Vie berbère par les Textes، پیرس ۱۹۵۵ء، ص ۳۶-۳۷۔ (ادارہ)

 اُرْجُج: (Urgenç) رتک بہ خوارزم۔

*

ارگن، عثمان: (عثمان ثوری) ترکی عالم اور ماہر نشر و اشاعت، جو ۱۸۸۳ء میں ولایت ملطیہ کے ایک گاؤں (اب ایک ضلع کا مرکز) امرن (Imrin) میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ حاجی علی غریب کسانوں کے ایک خاندان سے تھا۔ اس نے تجارت میں قسمت آزمائی کی اور کئی ایک سفر کرنے کے بعد، جن میں ایک رومانیہ کا بھی تھا، استانبول میں ایک قہوہ خانہ کھولا اور وہیں سکونت پذیر ہو گیا۔ عثمان، جو ابھی بچہ ہی تھا اور جس نے گاؤں میں قرآن مجید [حفظ کر لیا تھا، ۱۸۹۲ء میں استانبول لایا گیا، جہاں اس نے نئے طرز کے مختلف مکاتب میں تعلیم حاصل کی اور پھر دارالشفقتہ میں، جو ایک اونچے پائے کا نجی اور چوٹی کا مکتب تھا، داخل ہو گیا۔ ۱۹۰۱ء میں اس نے اپنی تعلیم ختم کی اور اپنی جماعت میں دوسرے درجے پر رہا۔ اسے اسی سال استانبول کی بلدیہ (Municipality) کے ایک اہلکار کی حیثیت سے ملازمت مل گئی۔ چونکہ پڑھنے لکھنے کا شوق تھا، لہذا ملازمت سے جو وقت بچتا اس میں تین سال تک وہ برابر شہزادہ مسجد میں حاضر ہوتا رہا، جہاں اس نے وہ جملہ روایتی علوم سیکھے جو ایک خوجہ (عالم دین) کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ بایں ہمہ وہ اس تعلیم و تربیت سے، جس کی آگے چل کر اس نے سختی سے تنقید کی، مطمئن نہ ہوا اور اس نے جامعہ استانبول کے کلیہ ادبیات میں اپنا نام لکھوا لیا۔ ۱۹۲۷ء میں اس نے درجہ اول میں سند حاصل کر لی۔ اس کے باوجود عثمان ارگن ۱۹۳۷ء یعنی اپنے زمانہ سبکدوشی تک بلدیہ کی ملازمت کرتا رہا اور اس عرصے میں وہ ایک معمولی محرر سے ترقی کرتا ہوا مکتوب جی کے منصب تک پہنچ گیا۔ اس عہدے پر اس نے بائیس سال تک کام کیا۔ وہ ایک کامیاب معلم بھی تھا اور ۱۹۵۶ء تک استانبول کے مختلف ثانوی اور پیشہ درانہ مدارس میں درس دیتا رہا۔ جن میں اس کا اپنا مدرسہ دارالشفقتہ اور لڑکیوں کا ایک امریکی کالج بھی شامل تھا۔

مذکورہ بالا ارگلی کے علاوہ اناطولیہ کے کئی اور مقامات اسی نام سے موسوم ہیں، جن میں سے قابل ذکر یہ ہیں (۱) استانبول سے اڑتالیس بحری میل کی مسافت پر تکبرداغ کی ولایت اور چورلو کی قضا میں ایک ناحیہ کا مرکز، آبادی ۱۹۳۰ء میں ۱۶۰۷؛ (۲) بوزنطی عہد کا Herakleia، جو آج کل ارکلیج بھی کہلاتا ہے، شادکوبی اور مورفہ کے درمیان ایک ساحلی گاؤں، آبادی ۱۹۳۰ء میں صرف ۸۳۱؛ (۳) قوجہ ایللی میں قرہ مورسل سے چار میل کے فاصلے پر، بحیرہ مارمورہ کے کنارے ایک گاؤں، آبادی ۱۹۳۰ء میں ۹۲۰؛ (۴) قرہ ڈنژ [دنژ] میں ایک قصبہ، جس کی آبادی ۱۹۳۵ء میں ۶۳۷۵ تھی۔ اس نام کی قضا، جس میں ۱۲۱ گاؤں شامل ہیں، ۱۱۶۵ مربع میل پر ممتوی ہے اور اس کی آبادی تین ہزار سے زائد ہے۔ افسانے کی رُو سے یہ قصبہ اس مقام پر واقع ہے جہاں Acherusia نامی غار تھا، جس میں سے ہراقلیس (Herakles) جہنم میں اُترتا تھا (دیکھیے آرت و سوامی بک: قاموس الاعلام، بذیل ماڈہ: قب نیز (آرت) طبع جدید)۔

ماخذ: (۱) حاجی خلیفہ: جہاں نہ، ص ۶۱۶ بجد؛ (۲) ازلیا، چلبی، ص ۲۸: ۳ بجد؛ (۳) مناسک الحج، ص ۳۷ بجد؛ (۴) رتیر (Ritter): Kleinasion، ۲: ۲۶۸۔ (مارڈیمان J. H. MORDTMANN)

 اُرْجُج: (بربری زبان کا لفظ)، ارگن کا درخت (argania spinosa) یا Sapodaceae، نوع کا ایک درخت، جو مرآش

* اُرْجُج: (بربری زبان کا لفظ)، ارگن کا درخت (argania spinosa) یا Sapodaceae، نوع کا ایک درخت، جو مرآش

(۴) ترکیہ ۱۵ شہر جیلنگ تاریخی انکشافی، استانبول ۱۹۳۶ء، جس میں اُن مسائل میں سے بیش تر کا جائزہ لیا گیا ہے جن سے مجلہ امور بلدیہ میں بحث کی گئی تھی۔

ماخذ: (۱) سٹیہیل اُنور (A. Süheyl Ünver): عثمان ارگن چالیشمہ حیاتی و اثر لری، در Belleten، ۲۶، ۱۰۱/ (۱۹۶۲ء): ۱۶۳-۱۷۹، جس میں اس کی غیر مطبوعہ تصانیف اور ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۶ء تک استانبول شہر امانتی (بلدیہ) مجموعہ سسی میں شائع شدہ اس کے مقالات کی فہرست بھی شامل ہے؛ (۲) اورخان دروسوی: عثمان ارگن بلیو گرافیا سسی، در طبت و علملر تاریخمزده پور تره لر، ۱، عثمان ارگن، (جامعہ استانبول کی تاریخ خطبے کے انسٹیٹیوٹ کی نشریات کا شمارہ ۵۲)، استانبول ۱۹۵۸ء؛ (۳) بدلیج-ن-شہسوار و غلو: عثمان ارگن گنگ بیو گرافیا سسی، اسی نشریے میں۔

(فاخرایز)

ازرگنہ کون: ایک میدان کا نام، جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اور جس کا ذکر * مغلوں کی اصل سے متعلق داستان میں آیا ہے۔

اس داستان سے متعلق پائی شیہ (Pei-shih) نامی چینی واقع نامے (chronicle) کی ایک حکایت میں تو-چوہ (T'u-chüeh) کی اصل و نسل کی یوں تشریح کی گئی ہے: یہ لوگ مغربی سمندر (Hsi-Hai) کے کنارے آباد تھے۔ اطراف و جوانب کے لوگوں نے انھیں قتل کر ڈالا۔ صرف ایک چھوٹا لڑکا بچ گیا، اگرچہ وہ بھی زخمی ہو چکا تھا۔ ایک بھیننی نے اس کی حفاظت کی، اسے دودھ پلایا اور اس سے حاملہ بھی ہو گئی۔ وہ اسے ایک غار کے بیچ میں سے ایک ایسے میدان میں لے آئی جو چاروں طرف پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس نے دس لڑکے جنے اور انھیں سے ان دس قبیلوں کی نسل چلی۔ ان میں سے ا-شیہ-نا (A-shih-Na) کا جد امجد، جو سب سے زیادہ عقلمند تھا، تیوچوہ (T'u-shih) کا سردار بن گیا۔ چند نسلوں کے بعد آ-ہسن-شیہ (A-hsien-shih) کے زمانے میں تیوچوہ (T'u-chüeh) نے پہاڑوں کے اندرونی حصے کو خیر باد کہی اور جوئن-جوئن (Juan-juan) کی اطاعت اختیار کر لی۔

رشید الدین اور اس کے بعد ابو الغازی بہادر خان نے بھی یہی قصہ بیان کیا ہے، گودونوں کی روایت میں قدرے فرق ہے۔ یہ دونوں اسے مغلوں سے منسوب کرتے ہیں۔ [ان کے بیان کے مطابق] مغلوں کو تاتاریوں نے مغلوب کر کے نیست و نابود کر دیا۔ اس قتل عام سے صرف دو شہزادے اور ان کی بیویاں بچ سکیں۔ انھوں نے ایک تنگ راستے سے گزر کر ایک ایسے میدان میں پناہ لی جس کے ارد گرد پہاڑ ہی پہاڑ تھے اور جس کا نام "ازرگنہ کون" تھا۔ یہاں ان کی نسل بڑھنے لگی؛ لہذا چار سو سال کے بعد جب "ازرگنہ کون" ان کی آبادی کے لیے ناکافی ہو گیا تو انھوں نے اس سے باہر نکل جانے کی تدبیر تلاش کی اور وہ یوں کہ ایک اُہار

۱۹۶۱ء میں اس نے استانبول میں وفات پائی۔

عثمان ارگن ایک زندہ دل، متجسس اور نہایت فاضل انسان تھا۔ استانبول کے کتب خانوں اور دفاتر (archives) میں عمر بھر تحقیق و تفتیش کے باعث اسے بہت جلد استانبول کے بلدیاتی اور تعلیمی اداروں کی تاریخ میں سندان لیا گیا۔ وہ بڑا اصول پرست اور وفادار دوست تھا اور یہی خوبیاں تھیں جن کی بدولت "مکتوب جی عثمان بے" نے اپنے زمانے کے فضلا میں ایک ممتاز درجہ حاصل کر لیا اور ہر کوئی اسے محبت اور احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔

علاوہ ان متعدد کتابوں کے جو اس نے مختلف موضوعات پر لکھیں اور سیرت اور کتابیات پر مخصوص مقالات کے، جن میں سے بعض اب تک شائع نہیں ہوئے، اس کی بڑی بڑی تصنیفات یہ ہیں:

(۱) مجلہ امور بلدیہ، ۵ جلدیں، استانبول ۱۳۳۰-۱۳۳۸ھ، جن میں سے پہلی جلد کی حیثیت بلا واسطہ اور ترکی، بالخصوص استانبول کے بلدی اداروں کی ایک تاریخی تمہید کی ہے، جس میں دستاویزی شہادتیں بکثرت موجود ہیں۔ یہ اس موضوع میں حوالے کی ایک مستند کتاب ہے، باقی جلدیں تو انین، ضمنی تو انین، قواعد و ضوابط اور مجلس شوراے ملی کے ان فیصلوں وغیرہ پر مشتمل ہیں جن کا تعلق بلدیات کے امور نظم و نسق سے ہے۔

(۲) ترکیہ معارف تاریخی، ۵ جلدیں، استانبول ۱۹۳۹-۱۹۴۳ء (ایک موعودہ چھٹی جلد شائع نہیں ہوئی)۔ ابتدا میں اس سے مقصود استانبول کے مدارس اور علمی درسگاہوں کی تاریخ تھی، لیکن آگے چل کر اس نے ترکی کی تاریخ تعلیم کی صورت اختیار کر لی۔ یہ اس موضوع میں اوّلین تصنیف ہے اور معلومات کا خزینہ اور باوجود اپنے بعض فنی نقائص کے یہی اس موضوع میں ہمارا انتہا جامع ماخذ ہے۔ اس میں مصنف نے ترکی کے ہر قسم کے مدارس اور ان کی نشوونما سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ مدرسوں، قصر سلطانی کے کتب، فوجی مکاتب، قدیم اور جدید طرز کے صنعتی یا پیشہ ورانہ مکاتب، نیم تعلیمی اداروں اور ان کے متعلقات، مغربی اصولوں پر قائم شدہ ہر درجے کے مدرسوں، نجی، غیر ملکی اور قلمنتی مکاتب، دانش گاہوں اور اعلیٰ تعلیم کے دیگر اداروں سب ہی کا بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ متعدد قسم کے مدرسوں میں مروجہ نصابوں کے تفصیلی تجزیے اور مقابلے پر بالخصوص توجہ کی گئی ہے۔ ترکی معاشرے میں تبدیلی سے جو متنازعہ فیہ تعلیمی مسائل پیدا ہوتے رہے ان کا بالاستیعاب مطالعہ کیا گیا ہے اور کتاب میں بکثرت ایسی حکایات اور ذاتی یادداشتیں ہیں جن کی بدولت وہ نہایت ہی دلچسپ بن گئی ہے۔

(۳) استانبول شہری رہبری، استانبول ۱۹۳۴ء، یہ اس کی طویل تحقیق و تفتیش کا نتیجہ ہے، جو ۱۹۲۷ء میں جدید طریقوں پر شہر استانبول کی پہلی مردم شماری (ترکی کی اوّلین عام مردم شماری کے ضمن میں) سے پہلے کی گئی تھی۔ یہ استانبول کا بہترین تنظیمی (Topographical) مطالعہ ہے۔ اس میں بازاروں کے ناموں کے علاوہ اڑتیس نقشے بھی موجود ہیں۔

کے بعد ارگنی کے قصبے کی آبادی چھ ہزار سے زائد تھی۔ اس زمانے میں سنجق ارگنی کا صدر مقام مَعْدِن نامی قصبے میں منتقل ہو گیا، جس نے تانبے کی کانوں سے کام لینے کی بنا پر اہمیت حاصل کر لی تھی۔ آخر کار جمہوریہ کے قیام کے بعد اداری تشکیلات میں تبدیلیاں کی گئیں اور مَعْدِن کی قضا کو [معمورہ] العزیز کی ولایت میں شامل کر لیا گیا۔ ارگنی (عثمانیہ) کی قضا کی آبادی، جو ۱۵۹۵ مربع کیلومیٹر ارضی اور ۶۸ گاؤں پر مشتمل ہے، ۱۹۳۵ء کی مردم شماری کے موقت نتائج کی رُو سے چار ہزار تین سو چار تھی۔

جہاں تک اس اِزْگِنِی مَعْدِن کا تعلق ہے جو دجلہ (ارگنی صو) کے دائیں کنارے کے اوپر کی ڈھلان پر اور محراب نامی پہاڑی کے دامن میں واقع ہے (جسے آج کل زیادہ تر محض معدن کہتے ہیں) اس کی خوش حالی کا دار و مدار اس پر رہا ہے کہ اس کے قرب و جوار میں جو تانبے کے ذخیرے ہیں ان سے کام لیا جائے یا نہ لیا جائے۔ اگرچہ اس نواح میں ان ذخیروں کی موجودگی کا علم بہت قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔ تاہم قطعی طور پر یہ معلوم نہیں کہ ارگنی معدن میں ان سے پہلی دفعہ کب کام لیا گیا۔ وہ کان جس کی بابت معلوم ہے کہ بارہویں صدی کے شروع سالوں میں اس سے کام لیا گیا تھا کچھ عرصے بعد ترک کر دی گئی اور پھر ازسرنو استعمال ہونے لگی۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ افریقا، چلی نے نہ تو اپنے سیاحت نامے میں اور نہ جہاں نہا میں اس کان کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ سترہویں صدی کے اواخر میں اس سے تانبا نکالنے کا کام منقطع ہو گیا تھا۔ سیاح اولیوینیز (Olivier) نے لکھا ہے کہ انیسویں صدی کے اوائل میں پُور نامی کان کی جائے وقوع سے جو تانبہ برآمد ہوتا تھا اس کا ایک حصہ بغداد بھیجا جاتا تھا۔ بقول بُرانٹ (Brant) ۱۸۳۷ء میں یہاں بالخصوص ان لوگوں کی تعداد جو کانوں میں کام کرتے تھے تین ہزار پانچ سو تھی۔ کیونے (Cuinet) کی فراہم کردہ معلومات کی رُو سے کان چلانے کا کام حکومت کے ہاتھ میں تھا۔ جو خام دھات دیہات سے لائی جاتی تھی، اسے وہیں آگ سے صاف کیا جاتا تھا اور سیاہ تانبے کی شکل میں لاکر اونٹوں یا خچروں کی پشت پر بار کر کے تو قناد پہنچا دیا جاتا تھا، جہاں اسے سرخ تانبے میں تبدیل کیا جاتا یا اسکندرون کے راستے باہر بھیج دیا جاتا تھا۔ بیسویں صدی کے شروع میں دنیا کی منڈی میں تانبے کے نرخ گر گئے، کان کے مقام کو بندرگا ہوں سے ملانے والی ریلوے لائنیں موجود نہ تھیں اور گردنواح کے جنگلوں میں مدت تک تباہی و بربادی کا دور دورہ رہا۔ انھیں وجوہ سے رفتہ رفتہ کان میں سے دھات کا اخراج کم ہوتا گیا، یہاں تک کہ یہ کاروبار بالکل بند ہو گیا۔ یہ کاروبار دوبارہ محض جمہوریہ کے دور میں ۱۹۳۵ء سے شروع ہوسکا، جبکہ دیار بکر کی ریلوے لائن مکمل ہو گئی اور یہاں خام تانبہ آنے لگا اور اسے صاف کرنے (۱۹۴۱ء میں ۸۱۰۳ ٹن) کا کام آسانی سے ممکن ہو گیا۔ علاوہ ازیں ارگنی کی تانبے کی کان کے قریب ہی (شمال مشرق کی جانب گولمان Guleman میں) بہت پیش بہا کرومیم (Chromium) کے ذخیرے بھی پائے گئے ہیں، جن سے کام

کے مشورے سے انھوں نے اتنی بڑی آگ جلائی کہ پہاڑ کے پہلو کا ایک حصہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ اس دن کو روزِ جشن کی حیثیت حاصل ہو گئی، چنانچہ مغل بادشاہ اُس کی یاد ہر سال مناتے رہے۔

ماخذ: (۱) Pie-shih، باب ۹۹: (۲) ابوالغازی بہادر خان: شجرۃ ترک، طبع رضا ٹور، استانبول ۱۹۲۵ء، ص ۳۳-۳۸؛ (۳) نواد کوپرولو: ترک ادبیاتی تاریخی، استانبول ۱۹۲۶ء، ص ۶۵-۶۷۔

(P. M. ORATAV)

⊗ اِزْگِنِی: (اِزْغِنِی، اِزْگِنِی، یورپ میں زمانہ حال تک اِزْغِنِی) دیار بکر سے خُز پُوت جانے والی سڑک پر ایک قضا کا مرکز، جو دیار بکر کی ولایت سے وابستہ ہے اور کچھ مدت تک عثمانیہ کے نام سے بھی مشہور تھا۔ اس سے اٹھارہ کیلومیٹر شمال مغرب کی جانب دریائے دجلہ پر ایک معدنی قصبہ ہے، جس کا نام ارگنی کے ساتھ جوڑ کر ارگنی مَعْدِن ہو گیا ہے اور جو اب ولایت ایلازگ (العزیز) سے وابستہ ایک قضا کا مرکز ہے۔ ان دونوں قصبوں کی جائے وقوع علیحدہ علیحدہ ہونے کے باوجود بعض اسناد میں انھیں ایک دوسرے سے ملتبس کر دیا گیا ہے۔

اصلی ارگنی کا نام عثمانیہ اس لیے ترک کر دیا گیا کہ اُطُنہ کے مشرق میں جبل برکت پر واقع ایک اور جگہ کا بھی یہی نام ہے اور اس سے دونوں میں التباس پیدا ہوتا تھا۔ ارگنی دریائے دجلہ کے دائیں کنارے پر سے دس کیلومیٹر کی مسافت پر ایک ۱۵۲۶ میٹر بلند چوٹ کے پہاڑ میں سیدھی اور بلند ڈھلان کے نیچے واقع ہے، جس کے نیچے ایک پہاڑی ندی کی گہری گزرگاہ (ہُشد درہ سی) ہے۔ ذرا اوپر نیچے ارگنی کے تالاب اور باغیچے پھیلے ہوئے ہیں اور قصبے کے اوپر جو ڈھلان ہے اس پر بھی ایک قدیم بستی آباد ہے۔ اس کے قریب ہی ایک ٹیلا ہے، جو پیغمبر ذوالکفل کا مدفن سمجھا جاتا ہے اور انھیں کے نام سے موسوم ہے۔ دیار بکر-ملطیہ ریلوے لائن پر ارگنی کا اسٹیشن نئے ارگنی سے ۶۰۵ کیلومیٹر جنوب کی طرف ایک وادی میں ہے۔ ارمینی کتابوں میں ارگنی نام کے جس پرانے شہر کا ذکر ہے، نیز وہ شہر جس کا ذکر ارکانیہ (Arkania) کے نام سے مسامری کتبوں میں بھی آیا ہے، ممکن ہے کہ اس کی جائے وقوع بھی وہی ہو جو موجودہ ارگنی کی ہے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ پیوٹنگر (Peutingier) کی فہرستوں میں آرسینیہ (Arsinia) نام کے جن شہروں کا ذکر ہے ان میں سے کوئی ایک اسی جگہ واقع ہو۔ اسلامی دور میں ارگنی کی قسمت دیار بکر کی قسمت سے وابستہ رہی (تاریخی معلومات کے لیے دیکھیے ماڈہ دیار بکر)۔ سلطان سلیم اول کی چاندِ ران (Çaldiran) کے مقام پر (شاہ اسمعیل صفوی کے مقابلے میں) فتح (۱۵۱۴ء) کے بعد ادریس پٹلیسی کے قول کے مطابق ارگنی دیار بکر کے اُس علاقے میں جو پٹلیسی محمد پاشا کے تصرف میں تھا دیار بکر سے متعلق ایک سنجق بن گیا۔ کیونے (Cuinet) کہتا ہے کہ انیسویں صدی

معدنی مینا لوجینک بولجہ سی (معدن تدقیق و آرامہ انستیتوتو مجموعہ، ۱۹۴۲ء، شمارہ-۳۱، ص ۲۹-۳۱)؛ (۲۴)سامی بک: قاموس الاعلام [بذیل ماڈل ارغنی]۔
(بسم دارکوت BESIM DARKOT) [ماخوذ از (آ، ت)]

* ارگیل: Argel الجزار کا ہسپانوی نام، رتک بہ الجزار۔

* ارم: آذر بیجان کا ایک ضلع۔ البلاذری (ص ۳۲۸) کا بیان ہے کہ جب [حضرت] سعید بن العاصؓ کو آذر بیجان فتح کرنے کے لیے بھیجا گیا تو انھوں نے مؤقن اور گیلان کے لوگوں پر حملہ کیا۔ کچھ آذر بیجانی اور ارمنی ناحیہ ارم اور مقام بلوانکرح (کندا، بلوانکرح) میں جمع ہو گئے تھے، انھیں سعیدؓ کی فوج کے ایک افسر نے شکست دی اور باغیوں کے سرگروہ کو قلعہ باجزوان کی دیوار پر پھانسی دی گئی (نزهة القلوب، طبع وقفیہ گب، ص ۱۸۱، کے مطابق باجزوان ارم ذیل کے شمال میں بیس فرسخ کے فاصلے پر تھا)۔

ابن خرداد بہ (ص ۱۱۹) بیان کرتا ہے کہ ارم کا قلعہ البڈ اور بلوانکرح کے درمیان تھا (االبڈ: بابک کے شہروں میں سے ایک، جو دریائے الراس (Araxes) کے ایک معاون کے کنارے واقع تھا؛ یہ معاون رود اردبیل سے اوپر کی طرف الراس میں گرتا ہے)۔

ابن الفقیہ (ص ۲۱۶) ارم کے متعدد اضلاع (رساتیق) کا ذکر کرتا ہے۔ یاؤت (۲۱۶:۱) نے محض ارم کے ناجیے (صق) کا ذکر کیا ہے اور اس کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ البلاذری ہی کا خلاصہ ہے۔

البلاذری اور ابن خرداد بہ نے جو نام گنائے ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آذر بیجان کے شمال مشرقی علاقے کا ایک ضلع ہوگا یعنی غالباً آج کل کے قرہ جہ طاع میں، جس کا دار الحکومت ابھر ہے اور جس کے شمالی اضلاع میں ارمنی آباد ہیں [دوسری طرف جز بلوان کا تعلق دریاے بلہارڈ (بولگارو) کے نام سے سمجھا جاسکتا ہے، جو مؤقن [رتک بان] میں ہے]۔

(منور نسکی V. MINORSKY)

* ارم: ایک فرد یا قبیلے کا نام، جس کا اسلامی نسب ناموں میں وہی مقام ہے جو انجیلی نسب ناموں میں ارم (Aram) کا، جیسا کہ اسلامی سلسلے: عوص بن ارم بن سام بن نوح، کے انجیلی سلسلے: عوص بن ارم بن شیم بن نوح، کے مقابلے سے واضح ہو جائے گا۔ [ارم کے لفظی معنی ہیں پہاڑی، نشان راہ۔] بہت سے اوشخروں کی طرح یہ اسلامی شجرہ بھی غالباً یہودیوں کے اثر کے تحت تاریخ میں شامل ہو گیا اور اسی لیے ہمیں اس سے عربستان میں آرامیوں [کی آبادی] کے پھیلنے کے متعلق کوئی نئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ ارم اور ارم ذات العمداء، جس پر نیچے بحث کی گئی ہے اور جس کا اعراب معین ہو چکا ہے، ایک ہی تصور ہوتے

لینا شروع کر دیا گیا ہے۔ ۱۹۴۵ء میں قضاے معدن کی آبادی، جو چوٹن دیہات پر مشتمل ہے، اکیس ہزار ایک سو ستر تھی اور خود قصبے کی چار ہزار دوسو بانوے۔ [باشندوں میں سے کچھ ارمنی وغیرہ عیسائی ہیں، باقی زیادہ تر مسلمان ہیں، دیگر ترک یا گرنسل سے ہیں۔ زیادہ تر ترکی زبان رانج ہے، لیکن گردی بھی بولی جاتی ہے۔ بعض کرد قبائل مثلاً قرہ کچی اور شرابی خانہ بدوش ہیں]۔

ماخذ: (۱) ایوزرتھ (W. Ainsworth): *Researches in Assyria, Babylonia and Chaldea*، لنڈن ۱۸۳۸ء، ص ۲۷۰-۲۷۱، ج ۲، کانوں کے بارے میں (۲) دیار بکر ولایتی سال نامہ سی (۱۳۱۹ھ)، ص ۱۹؛ (۳) ایلو ایہ چلی: جہاں نہا، ص ۴۳۹؛ (۴) وہی مصنف: سیاحت نامہ، استانبول ۱۳۱۴ھ، ص ۲۲؛ (۵) رٹر (K. Ritter): *Erdkunde*، ۱۰، ۷۰۱، ۸۰۱، ۹۱۳، ۱۱، ۱۴، ۱۶، ۱۸، ۲۲، ۲۴، ۲۶، ۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۴، ۳۶، ۳۸، ۴۰، ۴۲، ۴۴، ۴۶، ۴۸، ۵۰، ۵۲، ۵۴، ۵۶، ۵۸، ۶۰، ۶۲، ۶۴، ۶۶، ۶۸، ۷۰، ۷۲، ۷۴، ۷۶، ۷۸، ۸۰، ۸۲، ۸۴، ۸۶، ۸۸، ۹۰، ۹۲، ۹۴، ۹۶، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۶، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۵۶، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۲، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۴، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۲۸، ۳۳۰، ۳۳۲، ۳۳۴، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۴۸، ۳۵۰، ۳۵۲، ۳۵۴، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۶۰، ۳۶۲، ۳۶۴، ۳۶۶، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۴، ۳۸۶، ۳۸۸، ۳۹۰، ۳۹۲، ۳۹۴، ۳۹۶، ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۰۲، ۴۰۴، ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۱۰، ۴۱۲، ۴۱۴، ۴۱۶، ۴۱۸، ۴۲۰، ۴۲۲، ۴۲۴، ۴۲۶، ۴۲۸، ۴۳۰، ۴۳۲، ۴۳۴، ۴۳۶، ۴۳۸، ۴۴۰، ۴۴۲، ۴۴۴، ۴۴۶، ۴۴۸، ۴۵۰، ۴۵۲، ۴۵۴، ۴۵۶، ۴۵۸، ۴۶۰، ۴۶۲، ۴۶۴، ۴۶۶، ۴۶۸، ۴۷۰، ۴۷۲، ۴۷۴، ۴۷۶، ۴۷۸، ۴۸۰، ۴۸۲، ۴۸۴، ۴۸۶، ۴۸۸، ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۴، ۴۹۶، ۴۹۸، ۵۰۰، ۵۰۲، ۵۰۴، ۵۰۶، ۵۰۸، ۵۱۰، ۵۱۲، ۵۱۴، ۵۱۶، ۵۱۸، ۵۲۰، ۵۲۲، ۵۲۴، ۵۲۶، ۵۲۸، ۵۳۰، ۵۳۲، ۵۳۴، ۵۳۶، ۵۳۸، ۵۴۰، ۵۴۲، ۵۴۴، ۵۴۶، ۵۴۸، ۵۵۰، ۵۵۲، ۵۵۴، ۵۵۶، ۵۵۸، ۵۶۰، ۵۶۲، ۵۶۴، ۵۶۶، ۵۶۸، ۵۷۰، ۵۷۲، ۵۷۴، ۵۷۶، ۵۷۸، ۵۸۰، ۵۸۲، ۵۸۴، ۵۸۶، ۵۸۸، ۵۹۰، ۵۹۲، ۵۹۴، ۵۹۶، ۵۹۸، ۶۰۰، ۶۰۲، ۶۰۴، ۶۰۶، ۶۰۸، ۶۱۰، ۶۱۲، ۶۱۴، ۶۱۶، ۶۱۸، ۶۲۰، ۶۲۲، ۶۲۴، ۶۲۶، ۶۲۸، ۶۳۰، ۶۳۲، ۶۳۴، ۶۳۶، ۶۳۸، ۶۴۰، ۶۴۲، ۶۴۴، ۶۴۶، ۶۴۸، ۶۵۰، ۶۵۲، ۶۵۴، ۶۵۶، ۶۵۸، ۶۶۰، ۶۶۲، ۶۶۴، ۶۶۶، ۶۶۸، ۶۷۰، ۶۷۲، ۶۷۴، ۶۷۶، ۶۷۸، ۶۸۰، ۶۸۲، ۶۸۴، ۶۸۶، ۶۸۸، ۶۹۰، ۶۹۲، ۶۹۴، ۶۹۶، ۶۹۸، ۷۰۰، ۷۰۲، ۷۰۴، ۷۰۶، ۷۰۸، ۷۱۰، ۷۱۲، ۷۱۴، ۷۱۶، ۷۱۸، ۷۲۰، ۷۲۲، ۷۲۴، ۷۲۶، ۷۲۸، ۷۳۰، ۷۳۲، ۷۳۴، ۷۳۶، ۷۳۸، ۷۴۰، ۷۴۲، ۷۴۴، ۷۴۶، ۷۴۸، ۷۵۰، ۷۵۲، ۷۵۴، ۷۵۶، ۷۵۸، ۷۶۰، ۷۶۲، ۷۶۴، ۷۶۶، ۷۶۸، ۷۷۰، ۷۷۲، ۷۷۴، ۷۷۶، ۷۷۸، ۷۸۰، ۷۸۲، ۷۸۴، ۷۸۶، ۷۸۸، ۷۹۰، ۷۹۲، ۷۹۴، ۷۹۶، ۷۹۸، ۸۰۰، ۸۰۲، ۸۰۴، ۸۰۶، ۸۰۸، ۸۱۰، ۸۱۲، ۸۱۴، ۸۱۶، ۸۱۸، ۸۲۰، ۸۲۲، ۸۲۴، ۸۲۶، ۸۲۸، ۸۳۰، ۸۳۲، ۸۳۴، ۸۳۶، ۸۳۸، ۸۴۰، ۸۴۲، ۸۴۴، ۸۴۶، ۸۴۸، ۸۵۰، ۸۵۲، ۸۵۴، ۸۵۶، ۸۵۸، ۸۶۰، ۸۶۲، ۸۶۴، ۸۶۶، ۸۶۸، ۸۷۰، ۸۷۲، ۸۷۴، ۸۷۶، ۸۷۸، ۸۸۰، ۸۸۲، ۸۸۴، ۸۸۶، ۸۸۸، ۸۹۰، ۸۹۲، ۸۹۴، ۸۹۶، ۸۹۸، ۹۰۰، ۹۰۲، ۹۰۴، ۹۰۶، ۹۰۸، ۹۱۰، ۹۱۲، ۹۱۴، ۹۱۶، ۹۱۸، ۹۲۰، ۹۲۲، ۹۲۴، ۹۲۶، ۹۲۸، ۹۳۰، ۹۳۲، ۹۳۴، ۹۳۶، ۹۳۸، ۹۴۰، ۹۴۲، ۹۴۴، ۹۴۶، ۹۴۸، ۹۵۰، ۹۵۲، ۹۵۴، ۹۵۶، ۹۵۸، ۹۶۰، ۹۶۲، ۹۶۴، ۹۶۶، ۹۶۸، ۹۷۰، ۹۷۲، ۹۷۴، ۹۷۶، ۹۷۸، ۹۸۰، ۹۸۲، ۹۸۴، ۹۸۶، ۹۸۸، ۹۹۰، ۹۹۲، ۹۹۴، ۹۹۶، ۹۹۸، ۱۰۰۰، ۱۰۰۲، ۱۰۰۴، ۱۰۰۶، ۱۰۰۸، ۱۰۱۰، ۱۰۱۲، ۱۰۱۴، ۱۰۱۶، ۱۰۱۸، ۱۰۲۰، ۱۰۲۲، ۱۰۲۴، ۱۰۲۶، ۱۰۲۸، ۱۰۳۰، ۱۰۳۲، ۱۰۳۴، ۱۰۳۶، ۱۰۳۸، ۱۰۴۰، ۱۰۴۲، ۱۰۴۴، ۱۰۴۶، ۱۰۴۸، ۱۰۵۰، ۱۰۵۲، ۱۰۵۴، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۰، ۱۰۶۲، ۱۰۶۴، ۱۰۶۶، ۱۰۶۸، ۱۰۷۰، ۱۰۷۲، ۱۰۷۴، ۱۰۷۶، ۱۰۷۸، ۱۰۸۰، ۱۰۸۲، ۱۰۸۴، ۱۰۸۶، ۱۰۸۸، ۱۰۹۰، ۱۰۹۲، ۱۰۹۴، ۱۰۹۶، ۱۰۹۸، ۱۱۰۰، ۱۱۰۲، ۱۱۰۴، ۱۱۰۶، ۱۱۰۸، ۱۱۱۰، ۱۱۱۲، ۱۱۱۴، ۱۱۱۶، ۱۱۱۸، ۱۱۲۰، ۱۱۲۲، ۱۱۲۴، ۱۱۲۶، ۱۱۲۸، ۱۱۳۰، ۱۱۳۲، ۱۱۳۴، ۱۱۳۶، ۱۱۳۸، ۱۱۴۰، ۱۱۴۲، ۱۱۴۴، ۱۱۴۶، ۱۱۴۸، ۱۱۵۰، ۱۱۵۲، ۱۱۵۴، ۱۱۵۶، ۱۱۵۸، ۱۱۶۰، ۱۱۶۲، ۱۱۶۴، ۱۱۶۶، ۱۱۶۸، ۱۱۷۰، ۱۱۷۲، ۱۱۷۴، ۱۱۷۶، ۱۱۷۸، ۱۱۸۰، ۱۱۸۲، ۱۱۸۴، ۱۱۸۶، ۱۱۸۸، ۱۱۹۰، ۱۱۹۲، ۱۱۹۴، ۱۱۹۶، ۱۱۹۸، ۱۲۰۰، ۱۲۰۲، ۱۲۰۴، ۱۲۰۶، ۱۲۰۸، ۱۲۱۰، ۱۲۱۲، ۱۲۱۴، ۱۲۱۶، ۱۲۱۸، ۱۲۲۰، ۱۲۲۲، ۱۲۲۴، ۱۲۲۶، ۱۲۲۸، ۱۲۳۰، ۱۲۳۲، ۱۲۳۴، ۱۲۳۶، ۱۲۳۸، ۱۲۴۰، ۱۲۴۲، ۱۲۴۴، ۱۲۴۶، ۱۲۴۸، ۱۲۵۰، ۱۲۵۲، ۱۲۵۴، ۱۲۵۶، ۱۲۵۸، ۱۲۶۰، ۱۲۶۲، ۱۲۶۴، ۱۲۶۶، ۱۲۶۸، ۱۲۷۰، ۱۲۷۲، ۱۲۷۴، ۱۲۷۶، ۱۲۷۸، ۱۲۸۰، ۱۲۸۲، ۱۲۸۴، ۱۲۸۶، ۱۲۸۸، ۱۲۹۰، ۱۲۹۲، ۱۲۹۴، ۱۲۹۶، ۱۲۹۸، ۱۳۰۰، ۱۳۰۲، ۱۳۰۴، ۱۳۰۶، ۱۳۰۸، ۱۳۱۰، ۱۳۱۲، ۱۳۱۴، ۱۳۱۶، ۱۳۱۸، ۱۳۲۰، ۱۳۲۲، ۱۳۲۴، ۱۳۲۶، ۱۳۲۸، ۱۳۳۰، ۱۳۳۲، ۱۳۳۴، ۱۳۳۶، ۱۳۳۸، ۱۳۴۰، ۱۳۴۲، ۱۳۴۴، ۱۳۴۶، ۱۳۴۸، ۱۳۵۰، ۱۳۵۲، ۱۳۵۴، ۱۳۵۶، ۱۳۵۸، ۱۳۶۰، ۱۳۶۲، ۱۳۶۴، ۱۳۶۶، ۱۳۶۸، ۱۳۷۰، ۱۳۷۲، ۱۳۷۴، ۱۳۷۶، ۱۳۷۸، ۱۳۸۰، ۱۳۸۲، ۱۳۸۴، ۱۳۸۶، ۱۳۸۸، ۱۳۹۰، ۱۳۹۲، ۱۳۹۴، ۱۳۹۶، ۱۳۹۸، ۱۴۰۰، ۱۴۰۲، ۱۴۰۴، ۱۴۰۶، ۱۴۰۸، ۱۴۱۰، ۱۴۱۲، ۱۴۱۴، ۱۴۱۶، ۱۴۱۸، ۱۴۲۰، ۱۴۲۲، ۱۴۲۴، ۱۴۲۶، ۱۴۲۸، ۱۴۳۰، ۱۴۳۲، ۱۴۳۴، ۱۴۳۶، ۱۴۳۸، ۱۴۴۰، ۱۴۴۲، ۱۴۴۴، ۱۴۴۶، ۱۴۴۸، ۱۴۵۰، ۱۴۵۲، ۱۴۵۴، ۱۴۵۶، ۱۴۵۸، ۱۴۶۰، ۱۴۶۲، ۱۴۶۴، ۱۴۶۶، ۱۴۶۸، ۱۴۷۰، ۱۴۷۲، ۱۴۷۴، ۱۴۷۶، ۱۴۷۸، ۱۴۸۰، ۱۴۸۲، ۱۴۸۴، ۱۴۸۶، ۱۴۸۸، ۱۴۹۰، ۱۴۹۲، ۱۴۹۴، ۱۴۹۶، ۱۴۹۸، ۱۵۰۰، ۱۵۰۲، ۱۵۰۴، ۱۵۰۶، ۱۵۰۸، ۱۵۱۰، ۱۵۱۲، ۱۵۱۴، ۱۵۱۶، ۱۵۱۸، ۱۵۲۰، ۱۵۲۲، ۱۵۲۴، ۱۵۲۶، ۱۵۲۸، ۱۵۳۰، ۱۵۳۲، ۱۵۳۴، ۱۵۳۶، ۱۵۳۸، ۱۵۴۰، ۱۵۴۲، ۱۵۴۴، ۱۵۴۶، ۱۵۴۸، ۱۵۵۰، ۱۵۵۲، ۱۵۵۴، ۱۵۵۶، ۱۵۵۸، ۱۵۶۰، ۱۵۶۲، ۱۵۶۴، ۱۵۶۶، ۱۵۶۸، ۱۵۷۰، ۱۵۷۲، ۱۵۷۴، ۱۵۷۶، ۱۵۷۸، ۱۵۸۰، ۱۵۸۲، ۱۵۸۴، ۱۵۸۶، ۱۵۸۸، ۱۵۹۰، ۱۵۹۲، ۱۵۹۴، ۱۵۹۶، ۱۵۹۸، ۱۶۰۰، ۱۶۰۲، ۱۶۰۴، ۱۶۰۶، ۱۶۰۸، ۱۶۱۰، ۱۶۱۲، ۱۶۱۴، ۱۶۱۶، ۱۶۱۸، ۱۶۲۰، ۱۶۲۲، ۱۶۲۴، ۱۶۲۶، ۱۶۲۸، ۱۶۳۰، ۱۶۳۲، ۱۶۳۴، ۱۶۳۶، ۱۶۳۸، ۱۶۴۰، ۱۶۴۲، ۱۶۴۴، ۱۶۴۶، ۱۶۴۸، ۱۶۵۰، ۱۶۵۲، ۱۶۵۴، ۱۶۵۶، ۱۶۵۸، ۱۶۶۰، ۱۶۶۲، ۱۶۶۴، ۱۶۶۶، ۱۶۶۸، ۱۶۷۰، ۱۶۷۲، ۱۶۷۴، ۱۶۷۶، ۱۶۷۸، ۱۶۸۰، ۱۶۸۲، ۱۶۸۴، ۱۶۸۶، ۱۶۸۸، ۱۶۹۰، ۱۶۹۲، ۱۶۹۴، ۱۶۹۶، ۱۶۹۸، ۱۷۰۰، ۱۷۰۲، ۱۷۰۴، ۱۷۰۶، ۱۷۰۸، ۱۷۱۰، ۱۷۱۲، ۱۷۱۴، ۱۷۱۶، ۱۷۱۸، ۱۷۲۰، ۱۷۲۲، ۱۷۲۴، ۱۷۲۶، ۱۷۲۸، ۱۷۳۰، ۱۷۳۲، ۱۷۳۴، ۱۷۳۶، ۱۷۳۸، ۱۷۴۰، ۱۷۴۲، ۱۷۴۴، ۱۷۴۶، ۱۷۴۸، ۱۷۵۰، ۱۷۵۲، ۱۷۵۴، ۱۷۵۶، ۱۷۵۸، ۱۷۶۰، ۱۷۶۲، ۱۷۶۴، ۱۷۶۶، ۱۷۶۸، ۱۷۷۰، ۱۷۷۲، ۱۷۷۴، ۱۷۷۶، ۱۷۷۸، ۱۷۸۰، ۱۷۸۲، ۱۷۸۴، ۱۷۸۶، ۱۷۸۸، ۱۷۹۰، ۱۷۹۲، ۱۷۹۴، ۱۷۹۶، ۱۷۹۸، ۱۸۰۰، ۱۸۰۲، ۱۸۰۴، ۱۸۰۶، ۱۸۰۸، ۱۸۱۰، ۱۸۱۲، ۱۸۱۴، ۱۸۱۶، ۱۸۱۸، ۱۸۲۰، ۱۸۲۲، ۱۸۲۴، ۱۸۲۶، ۱۸۲۸، ۱۸۳۰، ۱۸۳۲، ۱۸۳۴، ۱۸۳۶، ۱۸۳۸، ۱۸۴۰، ۱۸۴۲، ۱۸۴۴، ۱۸۴۶، ۱۸۴۸، ۱۸۵۰، ۱۸۵۲، ۱۸۵۴، ۱۸۵۶، ۱۸۵۸، ۱۸۶۰، ۱۸۶۲، ۱۸۶۴، ۱۸۶۶، ۱۸۶۸، ۱۸۷۰، ۱۸۷۲، ۱۸۷۴، ۱۸۷۶، ۱۸۷۸، ۱۸۸۰، ۱۸۸۲، ۱۸۸۴، ۱۸۸۶، ۱۸۸۸، ۱۸۹۰، ۱۸۹۲، ۱۸۹۴، ۱۸۹۶، ۱۸۹۸، ۱۹۰۰، ۱۹۰۲، ۱۹۰۴، ۱۹۰۶، ۱۹۰۸، ۱۹۱۰، ۱۹۱۲، ۱۹۱۴، ۱۹۱۶، ۱۹۱۸، ۱۹۲۰، ۱۹۲۲، ۱۹۲۴، ۱۹۲۶، ۱۹۲۸، ۱۹۳۰، ۱۹۳۲، ۱۹۳۴، ۱۹۳۶، ۱۹۳۸، ۱۹۴۰، ۱۹۴۲، ۱۹۴۴، ۱۹۴۶، ۱۹۴۸، ۱۹۵۰، ۱۹۵۲، ۱۹۵۴، ۱۹۵۶، ۱۹۵۸، ۱۹۶۰، ۱۹۶۲، ۱۹۶۴، ۱۹۶۶، ۱۹۶۸، ۱۹۷۰، ۱۹۷۲، ۱۹۷۴، ۱۹۷۶، ۱۹۷۸، ۱۹۸۰، ۱۹۸۲، ۱۹۸۴، ۱۹۸۶، ۱۹۸۸، ۱۹۹۰، ۱۹۹۲، ۱۹۹۴، ۱۹۹۶، ۱۹۹۸، ۲۰۰۰، ۲۰۰۲، ۲۰۰۴، ۲۰۰۶، ۲۰۰۸، ۲۰۱۰، ۲۰۱۲، ۲۰۱۴، ۲۰۱۶، ۲۰۱۸، ۲۰۲۰، ۲۰۲۲، ۲۰۲۴، ۲۰۲۶، ۲۰۲۸، ۲۰۳۰، ۲۰۳۲، ۲۰۳۴، ۲۰۳۶، ۲۰۳۸، ۲۰۴۰، ۲۰۴۲، ۲۰۴۴، ۲۰۴۶، ۲۰۴۸، ۲۰۵۰، ۲۰۵۲، ۲۰۵۴، ۲۰۵۶، ۲۰۵۸، ۲۰۶۰، ۲۰۶۲، ۲۰۶۴، ۲۰۶۶، ۲۰۶۸، ۲۰۷۰، ۲۰۷۲، ۲۰۷۴، ۲۰۷۶، ۲۰۷۸، ۲۰۸۰، ۲۰۸۲، ۲۰۸۴، ۲۰۸۶، ۲۰۸۸، ۲۰۹۰، ۲۰۹۲، ۲۰۹۴، ۲۰۹۶، ۲۰۹۸، ۲۱۰۰، ۲۱۰۲، ۲۱۰۴، ۲۱۰۶، ۲۱۰۸، ۲۱۱۰، ۲۱۱۲، ۲۱۱۴، ۲۱۱۶، ۲۱۱۸، ۲۱۲۰، ۲۱۲۲، ۲۱۲۴، ۲۱۲۶، ۲۱۲۸، ۲۱۳۰، ۲۱۳۲، ۲۱۳۴، ۲۱۳۶، ۲۱۳۸، ۲۱۴۰، ۲۱۴۲، ۲۱۴۴، ۲۱۴۶، ۲۱۴۸، ۲۱۵۰، ۲۱۵۲، ۲۱۵۴، ۲۱۵۶، ۲۱۵۸، ۲۱۶۰، ۲۱۶۲، ۲۱۶۴، ۲۱۶۶، ۲۱۶۸، ۲۱۷۰، ۲۱۷۲، ۲۱۷۴، ۲۱۷۶، ۲۱۷۸، ۲۱۸۰، ۲۱۸۲، ۲۱۸۴، ۲۱۸۶، ۲۱۸۸، ۲۱۹۰، ۲۱۹۲، ۲۱۹۴، ۲۱۹۶، ۲۱۹۸، ۲۲۰۰، ۲۲۰۲، ۲۲۰۴، ۲۲۰۶، ۲۲۰۸، ۲۲۱۰، ۲۲۱۲، ۲۲۱۴، ۲۲۱۶، ۲۲۱۸، ۲۲۲۰، ۲۲۲۲، ۲۲۲۴، ۲۲۲۶، ۲۲۲۸، ۲۲۳۰، ۲۲۳۲، ۲۲۳۴، ۲۲۳۶، ۲۲۳۸، ۲۲۴۰، ۲۲۴۲، ۲۲۴۴، ۲۲۴۶، ۲۲۴۸، ۲۲۵۰، ۲۲۵۲، ۲۲۵۴، ۲۲۵۶، ۲۲۵۸، ۲۲۶۰، ۲۲۶۲، ۲۲۶۴، ۲۲۶۶، ۲۲۶۸، ۲۲۷۰، ۲۲۷۲، ۲۲۷۴، ۲۲۷۶، ۲۲۷۸، ۲۲۸۰، ۲۲۸۲، ۲۲۸۴، ۲۲۸۶، ۲۲۸۸، ۲۲۹۰، ۲۲۹۲، ۲۲۹۴، ۲۲۹۶، ۲۲۹۸، ۲۳۰۰، ۲۳۰۲، ۲۳۰۴، ۲۳۰۶، ۲۳۰۸، ۲۳۱۰، ۲۳۱۲، ۲۳۱۴، ۲۳۱۶، ۲۳۱۸، ۲۳۲۰، ۲۳۲۲، ۲۳۲۴، ۲۳۲۶، ۲۳۲۸، ۲۳۳۰، ۲۳۳۲، ۲۳۳۴، ۲۳۳۶، ۲۳۳۸

ایک روایت میں، جو المسعودی (۲۴۱:۲) نے نقل کی ہے، اس قصے کا خاتمہ ایسے افسوس ناک طریقے پر نہیں ہوتا۔ [اس کی رُو سے] جب شہداد ارم بنا چکا تو اس نے اسکندریہ کی جاے وقوع پر اس کا مٹی تعمیر کرنا چاہا؛ چنانچہ جب سکندر اعظم اس مقام پر اسکندریہ کی بنیاد رکھنے کے لیے آیا تو اس نے یہاں ایک بڑی عمارت کے آثار اور بہت سے سنگ مرمر کے ستون دیکھے۔ ان میں سے ایک ستون پر شہداد بن عاد بن شہداد بن عاد کا کتبہ تھا، جس میں اس نے بیان کیا تھا کہ ”میں نے اس شہر کو ارم ذات العماد کے نمونے پر تعمیر کرایا تھا، لیکن اللہ نے میری زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ کسی کو بھی حد سے بڑے کام کا بیڑا نہیں اٹھانا چاہیے“۔ یہ روایت آسانی سے اسکندر کے اس افسانے سے تعلق رکھتی نظر آتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے (جعلی Callisthenes، طبع C. Müller، ۱: ۳۳۳) کہ اسکندریہ کی تعمیر کے وقت ایک مندر ملا، جس میں مخروطی مینار تھے اور اس پر سیسٹن خیس (Sesonchis) بادشاہ کا کتبہ تھا، جس نے دنیا بھر پر حکومت کی۔ المسعودی کے [بیان کردہ] کتبے میں جس تشبیہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ اسکندری افسانے کے عام رنگ کے عین مطابق ہے؛ لہذا ہمیں یہاں کسی ایسی روایت کی امید نہ رکھنا چاہیے جو [حقیقتاً] ارم کے محل وقوع سے متعلق ہو۔ تاہم یہ بات قابل ذکر ہے کہ الطبری نے بھی اپنی تفسیر قرآن میں اسی خیال کا ذکر کیا ہے کہ ارم اور اسکندریہ ایک ہی مقام کے دونوں نام ہیں۔

مزید براں بیان کیا جاتا ہے کہ عبد اللہ بن قلابہ نامی ایک شخص دو گم شدہ اونٹوں کی تلاش میں اتفاقاً اس مدون شہر تک پہنچا اور اس کے کھنڈروں میں سے مشک، کافور اور موتی لے کر امیر معاویہ ^[۱۰] کے پاس گیا، لیکن جب ان تمام چیزوں کو ہوا لگی تو یہ خاک ہو گئیں۔ اس پر امیر معاویہ ^[۱۱] نے کعب الاخبار [رُت بان] کو اپنے پاس بلایا اور اس سے اس شہر کی نسبت دریافت کیا۔ کعب نے فوراً جواب دیا: ”یہ شہر ضرور ارم ذات العماد ہوگا، جسے تمھاری خلافت میں ایک ایسے شخص کا دریافت کرنا مقدر تھا جس کا حلیہ یہ ہے“۔ اور بیان کردہ حلیہ ہو ہو عبد اللہ کا سا تھا۔ المسعودی کے بیان کا تمسخر آمیز لہجہ، جسے وہ چھپا نہیں سکا، قابل ذکر ہے (مروج، ۴: ۸۸)۔ [دیکھیے نیز ابن خلدون: مقدمہ، ۱: ۲۲۷-۲۲۸، جو اس قصے کو فرضی تصور کرتا ہے]۔

مسلمان علما کے نزدیک یہ ارم ذات العماد عدن کے قریب تھا، یا صنعا اور حضر موت کے درمیان یا عمان اور حضر موت کے درمیان۔ واضح رہے کہ ارم کے نام کی صورت جنوبی عربستان کی ہے؛ چنانچہ الہمدانی جنوبی عرب میں ارم نام کی ایک پہاڑی اور ایک کنویں کا ذکر کرتا ہے۔ یہ واقعہ لوتھ (Loth) کی رائے کی تردید کرتا ہے، جس نے صرف آرامی ماخذ ہی پر غور کیا ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قبیلہ اِرم = اِرم اور اِرم ذات العماد کا وہ باہمی تعلق جسے مسلمانوں کی بعض روایات میں فرض کر لیا گیا ہے قابل قبول نہیں ہے۔ عاد بن اِرم کے خاندان کے مقبرے کی دریافت کا قصہ D. H. Müller

ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مسلمان اِرم کے بجائے اِرم کہتے ہیں۔ روایت نے آرامیوں کے ساتھ [ارم کی] نسبت کو اور بھی بڑھا دیا ہے، چنانچہ قوم عاد [رُت بان] کو اِرم کہا جاتا تھا اور جب قوم عاد تباہ ہو گئی تو اِرم کا نام شموذ کو دے دیا گیا، جن کی اولاد کو سواد کے نبطی خیال کیا جاتا تھا۔ مسلم علما کو یہ بھی معلوم تھا کہ قدیم زمانے میں دمشق کو اِرم یعنی اِرم کہا جاتا تھا۔

ماخذ: دیکھیے اگلا مقالہ۔

(ڈننگ A.J. WENSINCK)

* اِرم ذات العماد: قرآن [مجید] میں صرف ۸۹ [الفجر]: ۶-۸ میں آتا ہے: اَلَمْ نَكْنِمْ فَعَلَّ رَبُّكَ بَعَادِ اِرم ذات العماد الَّذِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلَهَا فِي الْبِلَادِ (کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد اِرم ذات العماد کے ساتھ کیا کیا جن کی مانند شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا)۔ ان آیات میں عاد اور اِرم کے باہمی تعلق کی تشریح کئی طریقے سے کی جاسکتی ہے، جیسا کہ کتب تفسیر میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ اگر اِرم کو عاد کے مقابلے میں لیا جائے تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اِرم کو بھی قبیلے کا نام سمجھا گیا ہے۔ اس صورت میں عماد سے مراد خیمے کی چوب لی جاسکتی ہے۔ دوسروں کے نزدیک عماد سے مراد اِرم کا دیو بھل قد و قامت ہے، جس پر اس طریق سے بالخصوص زور دیا گیا ہے۔ اگر اِرم اور ذات العماد مضاف اور مضاف الیہ ہیں تو اغلب یہ ہے کہ اِرم ذات العماد کوئی جغرافیائی اصطلاح ہو، یعنی ”ستونوں والا اِرم“۔ مسلمانوں کی عام طور پر یہی رائے ہے۔ پھر بھی مشرق اور مغرب دونوں جگہ اس بارے میں بہت اختلاف ہے کہ اصل اشارہ کس طرف ہے۔ یا قوت کے بیان کے مطابق عام رائے یہ ہے کہ ذات العماد کو دمشق [رُت بان] کی صفت سمجھا جائے؛ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بجز بن سعد بن عاد (دیکھیے دمشق) یہاں آکر آباد ہو گیا تھا اور اس نے ایک شہر تعمیر کیا، جو سنگ مرمر کے ستونوں سے آراستہ تھا۔ لوتھ (Loth) نے یہ روایت اپنی اس رائے کی تائید میں استعمال کی ہے کہ اِرم کے ساتھ محض آرامی روایات کا تعلق ہے۔

تاہم مسلمانوں نے اِرم کا تعلق اکثر جنوبی عربستان [یعنی یمن و حضر موت، ابن قتیبہ: المعارف، ص ۱۰] سے بتایا ہے جہاں کا عاد بھی تھا۔ عاد کے دو بیٹے تھے: شہداد اور شہدید؛ شہدید کی موت کے بعد شہداد نے روے زمین کے بادشاہوں کو مسخر کیا۔ جب اس نے جنت کا ذکر سنا تو اس نے عدن کے گیاہی میدانوں میں جنت کے نمونے کا ایک شہر تعمیر کرایا۔ اس کے پتھر سونے اور چاندی کے تھے اور اس کی دیواروں میں جواہرات وغیرہ جڑے تھے۔ جب شہداد نے ہود [رُت بان] کی تشبیہ کی پروانہ کرتے ہوئے اس شہر کو دیکھنا چاہا تو مع اپنے خدام و خشم کے اِرم سے ایک دن [اور رات] کی مسافت پر ایک زبردست طوفان سے ہلاک ہو گیا اور تمام کا تمام شہر ریت میں دب گیا۔

میں سے دو یونانی کتبہ بھی برآمد ہوئے ہیں، لیکن انہیں ابھی پڑھا جا رہا ہے۔ قبرستان کے پہلو میں ابھی تھیٹر (Amphi Theatre) کی طرح کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ پہاڑیوں کے بیچ میں ایک معبد کے آثار بھی نظر آتے ہیں اور اس کے نزدیک ہی ایک محنت سے کچھ بقیہ بھی موجود ہے (دیکھیے Le. P. Léonce Sissouan: M. Alishan، وینس ۱۸۸۵ء، ص ۲۹۱، ارمنی میں)۔ بارہویں صدی کے آخر میں اس علاقے کا حاکم ہلگم (Halgam) نامی ایک امیر تھا اور یہ بیک وقت لاماس (lamas) اور آنامور (Aanamur) پر بھی متصرف تھا۔ ممکن ہے کہ ارمنک کا قلعہ اسی ہلگم یا اس زمانے کے امرا (Barons) میں سے کسی نے تعمیر کیا ہو۔ یہ قلعہ، جسے بہت مضبوط بنایا گیا تھا، بالآخر زلزلے سے تباہ ہو گیا اور یہاں سے جو بڑی شاہراہ کیلیکیا کو جاتی تھی وہ بھی خراب و خستہ ہو کر منقطع ہو گئی۔ قلعے کے نیچے کی طرف پتھر کے حجرے اور غار نظر آتے ہیں۔ قرون وسطیٰ میں ارمنک کا قلعہ کیلیکیا کے ارمنی تلافوروں اور تونویہ کے سبجوتیوں کے درمیان باہمی رسل و رساں کا بڑا مرکز رہا۔ مغل تسلط کے آغاز میں ترکمانوں کے بعض قبائل نے، جو بیشتر قرہ مان قبیلے سے تھے، ارمنک کی حدود میں پناہ لی۔ ۱۲۲۸ء میں علاء الدین یقباداؤل نے ارمنک پر قبضہ کر کے اپنے سپاہ سالاروں میں سے ایک قمر الدین لکھ کو یہاں کا حاکم (سپہ دار) مقرر کیا۔ تقریباً تیس برس بعد ان قرہ مانوں نے جو ارمنک کے قُرب و جوار میں آباد ہو گئے تھے قرہ مان بے کی قیادت میں قلعے پر قبضہ کر لیا۔ قرون وسطیٰ میں جن سیاحوں نے قلعے کو دیکھا وہ اسے امرکا مرکز بتاتے ہیں؛ چنانچہ شہاب الدین العمری، جس نے ارمنک کی سیاحت کی تھی، بتاتا ہے کہ یہاں کے بے امیر کا لقب رکھتے تھے۔ ان کے تصرف میں چودہ شہر اور ڈیڑھ سو قلعے تھے اور ان کے پاس پچیس ہزار سوار اور اسی قدر پیدل سپاہی تھے (دیکھیے مَسَالِكُ الْاَبْصَارِ فِي مَسَالِكِ الْاَفْصَارِ، پیرس ۱۸۳۸ء، ص ۱۳/۵: ۳۳۱-۳۳۲)۔ اَلْقَلْعَتَيْنِ قلعے کی تصویر کھینچتے ہوئے یہاں کی مسجد، بازاروں، حماموں اور باغوں کا حال بالتفصیل لکھتا ہے (دیکھیے طَبِخُ الْأَعَشِي، مصر ۱۹۱۴ء، ص ۵: ۳۳۲)۔ مؤرخ العینی، جس نے پندرہویں صدی میں مملوک سلطان الملک المُوَيْدِ کے حکم سے اس خطے کی سیاحت کی تھی، کہتا ہے کہ شہر کے اطراف میں تقریباً سو گاؤں تھے اور قرہ مان امرکا کے مزار تھے۔ ارمنک پندرہویں صدی کے آخر میں عثمانی ترکوں کے تصرف میں آ گیا اور اسے ایچ الی کی سبقت میں شامل کر دیا گیا، لیکن یہ اس وقت تک اپنی قدیم اہمیت کھو چکا تھا۔ سو لہویں صدی کے دفاتر اراضی (Land records) کی رُو سے ارمنک کی قضا میں مسجد، زاویہ، دگر بئنگک، اور باغ آراسی، نامی محلوں کے علاوہ گزرگاہ، اسکچہ، جمالکر، لاماسی، چاؤنکر، اوگورلو، پاشا قشله سی اور بال کسُون نامی قریے شامل تھے۔ جہاں نما اور اڈریا چلبی کے سیاحت نامہ میں ارمنک کے قلعے کا، جو ایک بے برگ و گیاہ پہاڑی پر واقع تھا اور ان غاروں کا ذکر ہے جو گرد و پیش کی پہاڑیوں میں پائے جاتے تھے۔ [ان غاروں میں سے ایک، جس میں ایک چشمہ تھا، خاص طور پر مشہور تھا۔] بقول اڈریا چلبی قلعے کے دامن میں باغ اور باغیچوں سے معمور قصبہ بارہ محلوں میں منقسم تھا۔

Südarabische Studien (Sitz. ber. Akad. Wien, philos. histor. Klasse) ۸۶: ۱۳۴، بعد میں موجود ہے۔

[عادکو اگر عوص بن ارم بن سام کا بیٹا قرار دیا جائے تو اس کا زمانہ ۳۰۰۰ ق م سے پہلے قرار دینا چاہیے۔ قرآن مجید نے جہاں قوم عاد کا ذکر کیا ہے اسے خلفائے قوم نوحؑ کہا ہے اور نقلِ قصص میں قرآن مجید ہی نے عاد کا ذکر ہمیشہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے کیا ہے۔ یہ قوم، جیسا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے، عراق پر بھی حکمران ہو گئی تھی.]

مآخذ: (۱) تفاسیر، سورة الفجر، آیت ۶؛ (۲) المسعودی (طبع پیرس)، ۲: ۲۱۱؛ و ۳: ۲۱۱، ۲: ۸۸؛ (۳) الطبری: Annales، ۱: ۲۱۳، ۲: ۲۰، ۲۳۱، ۴: ۷۸؛ (۴) قزوینی: آثار البلاد (طبع ڈیٹروفیلڈ)، ص ۹ بعد؛ (۵) یاقوت: معجم، بذیل ماڈہ؛ (۶) دیار بکری: الخمیس (قاہرہ ۱۲۸۳ھ)، ۱: ۷۶؛ (۷) الشعلبی: قصص الانبیاء (قاہرہ ۱۲۹۰ھ)، ص ۱۲۵-۱۳۰؛ (۸) الہمدانی (طبع Müller)، اشاریہ، بذیل ماڈہ؛ (۹) Die Burgen u. Schlösser: D. H. Müller، ص ۴۱۸؛ (۱۰) Histoire: Caussin de Perceval، ۱: ۱۴؛ (۱۱) شپرنگر (Sprenger): Leben und Lehre Muhammeds، ۱: ۵۰۵-۵۱۸؛ (۱۲) Loth، در ZDMG، ۳۵: ۶۲؛ (۱۳) ابن خلدون: مقدمۃ طبع عبدالواحد وافی، قاہرہ ۱۹۵۷ء؛ (۱۴) سلیمان ندوی: اراض القرآن، طبع اول، ۱۲۹: ۱ بعد.]

(A. J. WENSINCK وئینگ)

* اِرمین: رت بہ ارمینہ۔

* اِرمینک: [قاموس الاعلام: اِرمینک]، جنوبی اناطولیہ کے طاش ایلی علاقے میں لوگ صُو کے توابع میں سے ایک قصبہ، جو ایک وادی کے کنارے سطح سمندر سے بارہ سو میٹر کی بلندی پر واقع ہے اور (اسی نام کی) ایک قضا کا مرکز ہے، جو ولایت تونویہ سے وابستہ ہے۔ یہاں قدیم زمانے میں جرمانی کو پولس (Germanikopolis) کا شہر آباد تھا، جو اساویریہ (Isavria) کے خطے میں تھا۔ ارمنی جغرافیہ نویس انجی جیان (Indjidjian) نے، جس نے ارمنک کے متعلق مفصل معلومات دی ہیں، اس لفظ کو غلط سمجھا اور اس نے محض اس کے نام کو دیکھ کر فرض کر لیا کہ یہ شہر ارمنوں نے بنا کیا تھا۔ رٹر (Ritter) نے جو یہ بتایا ہے کہ یہ قلعہ خاندان روبن (Ruben) کی حکومت میں تھا وہ بھی غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جرمانک نام ہی نے آخر کار ارمنک کی شکل اختیار کر لی۔ شہر کی قدیم تاریخ کے بارے میں مؤرخین نے کچھ نہیں لکھا۔ شہر کی مشرقی سمت میں ایک قدیم قبرستان موجود ہے۔ مزاروں کے قبے تقریباً سات قدم (فٹ) اونچے ہیں۔ ان کے اندر کے پہلو منہم ہونے کی وجہ سے اور صرف بیس قبروں پر پتھر کے سنگ مزار نظر آتے ہیں۔ مزار ماہی پشت شکل کے اور زیب و زینت سے معزز ہیں۔ قبرستان

* اَرْمِیَا: عربی زبان میں آپ کے نام کا تلفظ اِرمِیَا اور اَوْرْمِیَا بھی ہے، دیکھیے تاج العروس، ۱: ۱۵۷؛ نیز بعض اوقات آخر میں مَد کا بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے (ارمیا)۔

وہب بن مُنَبِّہ نے ان کے حالات بیان کیے ہیں۔ اس بیان کی موٹی موٹی باتیں وہی ہیں جو عہد نامہ عتیق میں [سیدنا] اِرمِیَا (Jeremiah) کی بابت وارد ہوئی ہیں۔ یعنی آپ کا منصب نبوت پر فائز ہونا، یہودا (Judah) کے بادشاہ کی طرف مبعوث ہونا، آپ کا لوگوں کی طرف مبعوث ہونا اور آپ کا تامل اور پھر ایک غیر ملکی جبار کی آمد کی اطلاع، جو یہودا پر حکومت کرنے والا تھا۔ اس پر [حضرت] ارمیا اپنے کپڑے چاک کر دیتے ہیں، اس دن پر لعنت بھیجتے ہیں جس دن آپ پیدا ہوئے اور موت کو اس بات پر ترجیح دیتے ہیں کہ اپنی زندگی میں یہ سب کچھ دیکھیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ جب تک وہ خود درخواست نہیں کریں گے اس وقت تک یروشلم تباہ نہیں کیا جائے گا۔

اس کے بعد نُحْت نصر شہر پر حملہ کرتا ہے، کیونکہ وہاں کے باشندوں کی معصیت کاری روز افزوں تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک فرشتہ ایک معمولی اسرائیلی کی صورت میں [حضرت] ارمیا کے پاس بھیجا کہ یروشلم کے سقوط کی بابت آپ اپنا خیال ظاہر کریں۔ آپ نے اس فرشتے کو دوبارہ یہ دیکھنے کے لیے بھیجا کہ شہر کے لوگوں کا رویہ کیسا ہے۔ فرشتہ بہت بُری خبریں لے کر لوٹا اور [حضرت] ارمیا کو بتائیں۔ آپ اس وقت دیوار [بیت المقدس] پر بیٹھے تھے؛ چنانچہ انھوں نے دعا کی: ”خدا یا! یہ لوگ اگر راستی و صواب پر ہیں تو انھیں باقی رکھ اور اگر بری راہ پر چل رہے ہیں تو انھیں تباہ کر دے۔“ یہ الفاظ آپ کی زبان پر ابھی تمام بھی نہ ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے گرج کے ساتھ بجلی (صاعقہ) گرائی، جس نے قربان گاہ اور اس کے ساتھ شہر کا ایک حصہ تباہ کر دیا۔

[حضرت] ارمیا پر یاس کی کیفیت طاری ہوئی اور انھوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے؛ اس پر وحی آئی: ”خود تمہیں نے تو قوی دیا تھا“۔ اس وقت انھیں معلوم ہوا کہ شخص معلوم فرشتہ تھا، جو انسانی بھیس میں آیا؛ چنانچہ وہ صحرا کی طرف بھاگ گئے (الطبری، ۱: ۶۵۸، بعد)۔

[حضرت] ارمیا کے اسلامی قصے کا دوسرا واقعہ ان کی اور نُحْت نصر کی ملاقات سے متعلق ہے۔ بادشاہ نے آپ کو یروشلم کے قید خانے میں دیکھا، جہاں ان کو اس لیے ڈال دیا گیا تھا کہ انھوں نے بدبختی کی پیش گوئیاں کی تھیں۔ بخت نصر نے آپ کو فورا رہا کر دیا اور ان کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آیا؛ چنانچہ وہ یروشلم کی تباہ شدہ بقیہ آبادی ہی کے ساتھ رہنے لگے۔ جب ان لوگوں نے ان سے استدعا کی کہ وہ اللہ سے ان کی توبہ و استغفار قبول کر لینے کی دعا کریں تو اللہ نے فرمایا: ”وہ ان لوگوں سے کہیں کہ بدستور یہیں ٹھہرے رہیں“۔ لیکن ان لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور [حضرت] ارمیا کو (زبردستی) اپنے ساتھ لے کر مصر چلے گئے (الطبری، ۱: ۶۳۶، بعد)۔

اس میں اینٹ اور پتھر کے آٹھ سو گھر تھے اور تقریباً بارہ مسجدیں تھیں، جن میں اہم ترین قرہ مان اوغلو محمد کی تعمیر کردہ اوغلو جامع تھی (کتب کی تاریخ، ۱۰: ۷۱)۔ اس کے علاوہ تین سرائیں، دو حمام اور چھ مکتب بھی تھے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ارمینک زیادہ تر کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہا۔ اس زمانے میں جن سیاحوں نے اسے دیکھا ان کا بیان ہے کہ وہ بہت ہی غربت و افلاس کے حال میں تھا؛ مثلاً جرمن سیاح شورن اُورن (Schönborn)، جو ۱۸۵۱ء میں یہاں سے گزرا تھا، لکھتا ہے کہ شہر کے بازار بہت تنگ تھے؛ وہاں ایک مسجد اور چند کانوں کے سوا اور کچھ نہ تھا اور باشندوں کی تعداد کل دو ہزار سات سو تھی۔ انگریز سیاح ڈیویس (Davis)، جس نے اس کی سیاحت ۱۸۷۵ء میں کی، لکھتا ہے کہ یہاں صرف ایک ہزار دو سو گھر تھے؛ لیکن قضا کی آبادی کا تخمینہ وہ تین چار ہزار کرتا ہے۔ یہ تعداد گھروں کی اس تعداد سے مناسبت نہیں رکھتی جو اس نے بتائی ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں کیونے (Cuinet) کے بیان کی رُو سے آبادی ۶۳۳۰ تھی۔ ارمینک کا قصبہ پہلے آدہ (آدانہ؛ قاموس الاعلام: آطنہ) کی ولایت میں ایچ الی کی سنجق سے وابستہ تھا، لیکن جمہوریہ ترکی کے قیام کے بعد قونیا کی ولایت میں شامل کر دیا گیا۔ اس قضا کی آبادی، جس میں اڑتالیس گاؤں ہیں اور جس کا رقبہ ۲۲۴۵ مربع کلومیٹر ہے، ۱۹۴۵ء کی مردم شماری میں پینتیس ہزار سے کچھ زیادہ تھی اور اس زمانے میں ارمینک کے قصبے کی آبادی ۶۶۰۷ تھی۔

مآخذ: *Rec. des* (۲): ۱۲۵۸: ۷، *Realencyel*: Pauly-Wissowa، *Hist. les croisades*، ج ۱: Doc. Arm. (پیرس ۱۸۶۹ء، آخری مقالہ، عدد ۲۴): (۳) کا تب چلی: جہان نیا (استانبول ۱۱۳۵ھ) ص ۶۱۱ بعد؛ (۴) اُولیاء چلی: سیاحت نامہ (استانبول ۱۹۳۵ء)، ۹: ۳۰۴ بعد؛ (۵) ریزے (W. M. Ramsay): *The Historical Geography of Asia Minor* (لنڈن ۱۸۹۰ء)، ص ۳۶۳ بعد؛ (۶) رٹر (Ritter): *Erdkunde*: ۱۹: ۳۰: (۷) آدہ ولایتی سالنامہ لری: (۸) انجی جیان (Indjidjian): *Géogr. de l'Arm. moderne*، ص ۳۷۰ بعد؛ (۹) کیونے (V. Cuniet): *Turquie d'Asie* (پیرس ۱۸۹۱ء)، ۲: ۷۷: (۱۰) شہاب الدین العُمَری: *التعریف (مطبوعہ مصر ۱۹۱۲ء)*، ص ۴۲؛ ارمینک کے قرہ مان اوغلو کتبوں کے لیے دیکھیے؛ (۱۱) اِثَم (H. Ethem)، *در* *TOEM*، ج ۲، ۳: ارمینک کے قلعے کے دفاتر ارضی کے مطابق محلوں اور قضاؤں کے لیے دیکھیے (۱۲) باش وکالت آرشیمیو کے دفاتر مالیہ، شمارہ ۶۳، ۸۳، ۱۸۲، ۲۷۲، ۲۶۶؛ اوقاف کے بارے میں دیکھیے (۱۳) دفتر اوقاف، شمارہ ۱: [۱۴] لیسٹرنج (Le Strange): *Eastern Caliphate*، ص ۱۴۸: (۱۵) *Tamaschek: Sitz. Ber der Wiener Akad*، (۱۶) سامی بک: قاموس الاعلام، بزیر ماڈہ [۔]

(ایم۔ سی۔ شہاب الدین کلین داغ [در (آ) ت])

بلیک کے ساتھ ملتبس کر دینے سے ایک اور التباس بھی پیدا ہو گیا ہے۔ اسرائیلی روایت کے مطابق عبد ملک ان لوگوں میں سے ہیں جو زندہ جاوید ہیں، [بعض] روایات میں ایسے ہی زندہ جاوید انسانوں میں [حضرت] حضرت بھی ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ وہب بن مُنَبِّہ نے الخضر ("سبز") کو [حضرت] ارمیا ہی کا ایک لقب بتا دیا ہے۔ اسی سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ان کی بابت اس بات پر کیوں زور دیا جاتا ہے کہ وہ بیابان کو چلے گئے، جہاں وہ شہروں کی طرح کبھی کبھی لوگوں کو مل جاتے ہیں؛ اس لیے کہ یہی بات دوسری جگہ الخضر سے متعلق بیان ہوئی ہے، بخلاف [حضرت] الیاس [رتک بان] کے کہ [عوام میں] انھیں سمندر کا پیرِ نِشْتی بان سمجھا جاتا ہے۔

مآخذ: (۱) تفاسیر قرآن [مجید]، بذیل ۲ [البقرہ]: ۲۵۹؛ (۲) مجید الدین الحسنلی: الانس الحلیل (قاہرہ ۱۲۸۳ھ)، ۱۳۸:۱، بعد؛ (۳) مُطْمَہ بن طاہر المَقْدِسِي: کتاب البدأ والتاریخ، طبع Huart، ۱۱۴:۳؛ (۴) الطَّلْحِي: قِصَصُ الانبياء، قاہرہ: ۱۲۹۰ھ، ص ۲۹۲، بعد؛ (۵) البِقْرَةُ، ۱: ۷۰؛ (۶) Die I. Friedländer: Chadhirlegende und der Alexanderroman، ص ۲۶۹، بعد۔

(A. J. WENSINCK (دوستک

* اُرمینیہ: (Armenia) ایشیائے قریب کا ایک ملک۔
(۱) (جغرافیائی خاکہ)

ارمینیا ایشیائے قریب کا مرکزی اور بلند ترین حصہ ہے، جو دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان گھرا ہوا ہے، یعنی شمال کی سمت Pontic کا سلسلہ اور جنوب کی طرف Taurus کا۔ یہ مندرجہ ذیل ممالک کے درمیان واقع ہے: ایشیائے کوچک دریاے فرات کے مغرب کی طرف، آذربائیجان اور بحیرہ خزر (Caspian Sea) کے جنوب مغرب میں واقع خطّ (کُرّ) (kura, Kurr) اور ارار (Araxes) کی جائے اتصال کا ہم سطح) مشرق میں، پونٹک (Pontic) کے علاقے شمال مغرب میں، قفقاز (جسے Rion اور Kurr کا خط اس سے جدا کرتا ہے) شمال میں، اور عراق کا میدان (بالائی دجلہ کا علاقہ) جنوب میں۔ جمیل وان (Van) کے جنوب میں گورجیک (Gordjaik = Gordjane، موجودہ بہتان Bohtan) اور ہگاری کر دوں کی سرزمین (جُلْمُرک اور آمدیہ کا علاقہ) جغرافیائی اعتبار سے ارمینیا کا ایک جز ہیں، اگرچہ وہ ہمیشہ اہل ارمینیا کے زیر حکومت نہیں رہے۔ اس طرح ارمینیا میں تقریباً وہ تمام علاقہ شامل ہے، جو طول بلد ۲۷° و ۳۹° مشرق اور عرض بلد ۳۷° و ۵۰° شمال کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اس کے رقبے کا اندازہ تقریباً تین لاکھ مربع کیلومیٹر کیا جاسکتا ہے۔

اس سرزمین کا ارضی نظام ایسے پہاڑوں پر مشتمل ہے جن کا مرکزی حصہ قدیم ترین عہدِ ماضی کا ہے اور جو چھٹی (دردی Sedimentary) طبقات کی سہ گونہ (tertiary) ترکیب کی چٹانوں سے ڈھکے ہوئے ہیں، لیکن وسیع و عریض

البِقْرَةُ کا کہنا ہے کہ بخت نصر کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے [حضرت] ارمیا نے کِشْتی (نوح^[۱۴]) ایک غار میں چھپا دی تھی۔

تیسرا قصہ اس طرح ہے کہ جب یروشلم تباہ ہو گیا اور فوج وہاں سے ہٹ گئی تو [حضرت] ارمیا اپنے گدھے پر سوار ہو کر واپس تشریف لائے۔ ان کے ایک ہاتھ میں عرق انگور کا پیالہ تھا اور دوسرے میں انجیروں کی ایک ٹوکری۔ جب آپ ایلیا (Aelia) کے کھنڈروں پر پہنچے تو انھوں نے تذبذب کیا اور فرمایا: "خدا کس طرح اسے دوبارہ زندگی بخشے گا؟" اس پر اللہ [تعالیٰ] نے ان کی اور ان کے گدھے کی جان لے لی۔ سو برس گزر جانے کے بعد اللہ نے ان کو بیدار کیا اور فرمایا: "تم کتنی دیر سوتے رہے؟" انھوں نے جواباً عرض کیا: "ایک دن"۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام احوال سے مطلع فرمایا اور ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے گدھے کو زندگی بخشی۔ اس عرصے میں اُس عرق انگور اور ان انجیروں کی تازگی باقی رہی۔ پھر اللہ نے ان کو طویل عمر عطا کی؛ اُن کی زیارت بیابانوں اور دیگر مواضع میں لوگوں کو ہوتی رہتی ہے (طبری، ۱: ۶۶۶)۔

پہلے دونوں قصوں کی بابت تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تورات کے بیانات پر مبنی ہیں، لیکن تیسرے قصے کی بنیاد غالباً ایک غلط فہمی پر ہے جو ۲ [البقرہ]: ۲۵۹ سے متعلق ہے:

[أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَسْتَنْثَ ۖ وَ انظُرْ إِلَى حِمَارِكَ ۚ وَ لِنَجْعَلَك أَيْةً لِّلنَّاسِ وَ انظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسِفُهَا لِحِمَا ۖ] "اس شخص کی مثال (پرنغور کرو) جو ایک شہر پر گزرا، جو گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر، تب اُس نے کہا کہ اس کی ویرانی کے بعد اللہ اسے کیسے بحال کرے گا۔ تب اللہ نے اُسے سو برس موت کی حالت میں رکھا۔ پھر اُسے جگا یا اور پوچھا تو کتنی دیر یہاں رہا۔ اس نے کہا ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم۔ (اللہ نے) فرمایا نہیں، بلکہ تو رہا سو برس؛ اپنا کھانا اور اپنا پینا دیکھو کہ وہ خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو دیکھو؛ ہم تمہیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں گے اور ہڈیاں دیکھو، ہم انھیں کس طرح جوڑ دیتے ہیں اور پھر ان پر کیسے گوشت چڑھاتے ہیں۔"

مفسرین قرآن نے اس شک کرنے والے شخص کی تعیین میں تورات کے متعدد افراد کا نام لیا ہے۔ ان میں [حضرت] ارمیا بھی ہیں۔ [بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت میں حضرت حزقیل نبی کے ایک مکاشفے کا ذکر ہے، جو بائبل میں حزقیل، باب ۳۶، کے آخر میں بیان ہوا ہے؛] لیکن ہم جانتے ہیں کہ مشرق کی اس روایت کا تعلق عہدِ بلیک (Ebed Melek) سے ہے، جن کا ذکر ارمیا کے قصے میں آتا ہے (ارمیا، ۳۹: ۱۶، بعد) (تَب: The Paraleipomena: of Jermiah the Prophet، طبع Rendel Harris)۔ اُرمیا کو عہد

باقاعدہ آٹھ ماہ تک رہتا ہے۔ مختصر اور سخت گرم موسم گرما شاذ و نادر ہی دو ماہ سے زائد کا ہوتا ہے۔ یہ موسم بہت خشک ہوتا ہے اور اس میں فصلوں کی تیاری کے لیے مصنوعی آب پاشی کی ضرورت ہوتی ہے، تاہم دریائے اَرَس کے کنارے کے میدانوں کے خطے کی آب و ہوائیہ زیادہ معتدل ہے۔ جنوب کے پہاڑوں میں برفانی خطہ تینتیس ہزار میٹر پر واقع ہے، لیکن مشرقی ارمینیہ میں وہ چالیس ہزار میٹر تک بلند ہو جاتا ہے۔

(۲) تاریخ

(الف) ارمینیہ اسلام سے قبل:

خیال کیا جاتا ہے کہ سترھویں صدی قبل مسیح کے لگ بھگ ارمینیہ میں ایک ایشیائی قوم کے لوگ حُرّی (Hurrites) آباد تھے، جو نہ تو سامی نسل کے تھے اور نہ انڈو۔ یورپی۔ ان لوگوں کی تنظیم دوسرے ہزار سال کے نصف اول میں ایک فاتح انڈو۔ یورپی طبقہ امرانے کی۔ بعد ازاں وہ حطی سلطنت کے محکوم ہو گئے اور اس کے بعد آشوریوں کے۔ نویں صدی قبل مسیح میں ایک قوم موسوم بہ اَرارطہ (Urartians) نے، جنھیں خَلدی بھی کہا جاتا ہے اور جو حُرّیوں سے قریب کا رشتہ رکھتے تھے، وہاں اَرارطو (بائبل کا اَراراط Ararat) کی طاقت و سلطنت قائم کی، جس کا مرکز جلیل وان تھا۔ اس سلطنت نے، جسے آشوریوں کے خلاف جنگ کرنا پڑی، اپنا مکمل عروج آٹھویں صدی [ق۔ م] میں حاصل کیا، لیکن ساتویں صدی کے وسط کے قریب اسے ستمیزی (Cimmerian) اور سحّی (Schthian) حملے کی اس لہر نے تباہ کر دیا جو ایشیائے قریب پر سے گزری تھی۔ ان انقلابات کے دوران میں اوران کے بعد تھراسو۔ فرنجی (Thraco-phrygian) خاندان کے کچھ انڈو۔ یورپی لوگ، جو غالباً ان فرنجی (Phrygian) لوگوں کی ایک شاخ تھے، جن کی سلطنت کو حال ہی میں سمیریوں (Cimmerians) نے تباہ کر دیا تھا، مغرب کی جانب سے آئے اور انھوں نے اَرارطو کو فتح کر لیا۔ ان نووارد باشندوں کو اَشْمِیْنِی اہل ایران اَرْمِیْنِی کہتے تھے (اور یونانی Ἀρμένιοι)۔ یہ ایک ایسا نام ہے جس کا مفہوم اور ماخذ ابھی تک وضاحت طلب ہیں۔ بہر کیف یہ علاقہ مرور زمانہ سے ارمینیہ کے نام سے معروف ہو گیا، تاہم خود اَرْمِیْنِی اپنے آپ کو (اس بطل کے نام پر جس نے اس سرزمین کی تسخیر میں اَرْمِیْنِی قوم کی قیادت کی) ہیک (Haik) [ہیک؟] کہتے ہیں اور اپنے ملک کا ذکر ہستان (Hayastan) کے نام سے کرتے ہیں۔

تکران (Tigranes) ثانی (تکران اعظم) کے وقت کے سوا اَرْمِنوں نے کبھی ایشیائے قریب میں غلبہ حاصل نہیں کیا۔ اس کے اسباب میں ایک تو وہ جاگیردارانہ نظام ہے جس کی مڈ ملک کی جغرافیہ ہیئت تھی، جو بجائے خود اندرونی مناقشات کا باعث تھی اور اس کے علاوہ طاقت و سلطنتوں کا قُرب۔ ارمینیہ میں آکر آباد ہونے کے وقت سے لے کر اَرْمِیْنِی میدوں (Medes) کے باج گزار رہے تھے اور بعد ازاں اَشْمِیْنِی ایرانیوں کے، جنھوں نے اس ملک کو اپنے نائبوں

برکانی (آتشی فشانی Volcanic) تودوں اور نسبتاً زمانہ حال میں سیال آتش فشاں ماڈے کے بہتے رہنے سے ان کی ساخت میں تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ اونچے میدان پہاڑی سلسلوں کے درمیان پھیلے ہوئے ہیں اور آٹھ سو سے لے کر دو ہزار میٹر کی متفاوت بلندی رکھتے ہیں (ارض روم: ۱۸۸۰ میٹر؛ فارس: ۱۸۰۰ میٹر؛ موش، جو مراد صو پر واقع ہے: ۱۴۰۰ میٹر؛ ارزنجان: ۱۳۰۰ میٹر؛ اریوان: ۸۹۰ میٹر)۔ پہاڑوں کی آتش فشانیوں نے برکانی مخروطی پہاڑیوں کا ایک مکمل سلسلہ پیدا کر دیا ہے، جس میں ملک کی بلند ترین چوٹیاں شامل ہیں۔ کوہ جودی (Arrarat)، (پانچ ہزار دو سو پانچ میٹر)، دریائے اَرَس (Araxes) کے جنوب میں؛ سِنپان طاغ (چار ہزار ایک سو چھتر میٹر)، جس سے البلاڈری اپنے وقت میں واقف تھا (طبع ذخیرہ de Geoje، ص ۹۸؛ قَب Zeitschr. für arm. Philol. ۲: ۶۷-۶۸؛ بلیمسٹریج (Le Strange)، ص ۱۸۳)؛ بنگول طاغ (تین ہزار چھ سو اسی میٹر) ارض روم کے جنوب میں؛ خوری طاغ (تین ہزار پانچ سو پچاس میٹر)، آلہ طاغ (تین ہزار پانچ سو بیس میٹر) اور الغوز (چار ہزار ایک سو اسی میٹر)، جو شمال کی جانب تقریباً بالکل علیحدہ ایک پہاڑی مجموعے کی تشکیل کرتا ہے۔

ارمینیہ بڑے بڑے دریاؤں کا گہوارہ ہے: دریائے فرات، دجلہ، اَرَس اور کُر۔ دریائے فرات دو شاخوں کے سنگم سے بنتا ہے: شمالی شاخ یا قرہ صو (عربی: فرات) اور جنوبی شاخ یا مراد صو (عربی: اَرَسَنَس)، جو اَرْمِیْنِی سطح مرتفع پر سے آتے ہیں۔ دریائے دجلہ جنوب کے اس سرحدی سلسلہ کوہ میں جنم لیتا ہے جو اَرْمِیْنِی تا وروس (Taurus) کہلاتا ہے، بحالیکہ دجلہ و فرات کا نظام خلیج فارس کی جانب ٹھکی ہوئی زمینوں کو سیراب کرتا ہے۔ دریائے اَرَس (Araxes) (عربی: اَرَس [رَس بَان])، جو بنگول طاغ سے آتا ہے، ان سرزمینوں کو سیراب کرتا ہے جو بحر خزر کی طرف ڈھلان رکھتی ہیں اور اس میں گرنے سے پہلے دریائے کَر سے مل جاتا ہے، جو اپنی متوازی شاخ، یعنی بحر خزر کے معاون دریائے ریون (Rion)، کے ساتھ مل کر قفقاز کو ارمینیہ سے یکسر جدا کرتا ہے۔ دریائے فرات اور دریائے اَرَس اَرْمِیْنِی سطح مرتفع کو اندر دور تک کاٹتے چلے گئے ہیں اور یہ رخنے پانی کے نکاس میں سہولت پیدا کر دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ارمینیہ میں جھیلیں کم تعداد میں ہیں، یعنی جھیل وان (۱۵۹۰ میٹر بلند)، جو عربی میں خلاط جھیل کہلاتی ہے، اور اَرَجِش [رَس بَان] اور گورک چای [رَس بَان] یا Sevenga (دو ہزار میٹر)، جس کا ذکر المستوفی نے ۱۳۴۰ء میں کر دیا ہے اور چند نسبتاً چھوٹی جھیلیں۔

ارمینیہ کے کوہی اور آبی نظام اس طرح کے ہیں کہ یہ سرزمین متعدد وادیوں میں تقسیم ہو گئی ہے، جو ایک دوسری سے بلند پہاڑوں کے باعث جدا جدا ہو گئی ہیں۔ یہ حقیقت اس جاگیردارانہ تفرقے کی تخلیق میں مڈ رہی ہے جس میں اہل ارمینیہ ہمیشہ مبتلا رہے۔

ارمینیہ کی آب و ہوا بہت تکلیف دہ اور غیر معتدل ہے۔ سطح مرتفع پر موسم سرما

سببوس (Sebeos) کے قول کے مطابق، جو پانچویں اور ساتویں صدی کے وسط تک کے دور کے لیے اہم ترین ماخذ ہے، ایرانی حکومت ارمینیا میں اپنے قدم مستحکم طور پر جمانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوئی، اس وجہ سے اور بھی کہ ساسانی بادشاہ ارمنی عیسائیت کو ظلم و تشدد کا شکار بناتے رہے۔ ارمنی امرا (nakherar) آتش پرستوں کا نفرت انگیز جوا اُتار پھینکنے کے لیے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے تھے اور ایرانی مرزبانوں سے اپنے جھگڑوں میں بسا اوقات بوزنطی ارمینیا میں رہنے والے اپنے ہم مذہبوں سے امداد کے طلب گار ہوتے تھے۔ یہ ایک ایسا طرز عمل تھا جو سرحدی جھڑپوں اور بعض دفعہ حقیقی جنگوں کا باعث بن جاتا تھا، تاہم ارمینیا اور بوزنطیہ کے درمیان ایک وسیع خلیج ۵۱۴ء میں خلقدونیہ (Chalcedon) کی مجلس نے پیدا کر دی، جس کے فیصلوں کو ارمنوں نے ۵۰۶ء میں دین کی مجلس میں مسترد کر دیا۔ اس تفرقے نے، جو باوجود یونانیوں کی دوبارہ اتحاد پیدا کرنے کی کوششوں کے قطعی ثابت ہوا، ارمینیا الفارسیہ کے ارمنوں اور مدائن (Ctesiphon) کے دربار کے مابین، جو اب عیسائیت کی جانب زیادہ رواداری برتنے لگا تھا، سیاسی تعلقات میں سہولت پیدا کر دی۔

شہنشاہ مارِس (Maurice: ۵۲۲-۶۰۲ء) کے عہد حکومت (۵۸۲-۶۰۲ء) میں بوزنطیوں نے ایرانی سلطنت کے جھگڑوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پرتز مینیا کا ایک حصہ دوبارہ فتح کر لیا۔ اب ارمینیا کا ملک امن و امان کے ایک عہد سے مستثنیٰ ہوا، لیکن خسرو ثانی پرویز (۵۹۰-۶۲۸ء) نے ۶۰۳ء میں بوزنطیوں کے خلاف دوبارہ جنگ کا آغاز کیا، جو ۶۲۹ء تک جاری رہی اور جو Atropatene میں ہراقلیس (Heraclius) (۶۱۰-۶۴۱ء) کی مشہور و معروف مہمات کی بنا پر ممتاز ہے۔

ساسانی عہد کے پورے زمانے میں ان دو بڑی طاقتوں کی مداخلت نے، بڑے بڑے خاندانوں کے درمیان اندرونی مناقشات نے، جو برتری حاصل کرنے میں ایک دوسرے کے مدد مقابل تھے اور شمال مشرقی سرحد پر خزر کی یورشوں نے ملک میں مکمل لاقانونیت قائم رکھی۔ ارمینیا کی سرزمین نے، جو تاخت و تاراج کا شکار تھی اور خانہ جنگیوں کی بدولت پاش پاش، مسلم حملے کے وقت اپنے آپ کو ایک ایسی کمزور حالت میں پایا کہ وہ عرب یورش کے خلاف شدید مزاحمت پیش کرنے کے قابل نہ تھی۔ اس لاقانونیت سے فائدہ اٹھا کر اب جھیل وان کے علاقے میں زشتونی (Rshtuni) خاندان کی قوت بڑھنا شروع ہو گئی، جس کا مرکز جھیل وان میں واقع جزیرہ اُغٹمز تھا اور جس کے سردار تھیوڈور (Theodore) نے عرب حملوں کے وقت کارہائے عظیم سرانجام دیے۔

(ب) ارمینیا عرب اقتدار کے ماتحت:

عربوں کی فتح ارمینیا کی تاریخ کی تفصیل میں ہمیشہ سے ابہام و التباس کا سامنا رہا ہے، کیونکہ عرب، ارمنی اور یونانی ماخذ میں جو معلومات پائی جاتی ہیں وہ بسا اوقات متناقض ہوتی ہیں۔ اسقف سببوس (Sebeos) کا ارمنی بیان، جو ہمارے

(satraps) کی تحویل میں دے رکھا تھا۔ مؤرخ الذکر سکندر اعظم کی وفات سے پیدا ہونے والے فتنہ و فساد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حقیقت میں بادشاہ بن بیٹھے، جنہوں نے بعد میں سلوقیوں (Selucids) کی سیادت تسلیم کر لی۔ جب مغنیز یا Maganesia) کے مقام پر رومیوں نے انطیوکس (Antiochus) ثالث کو شکست دی (۱۸۹ق-م) تو وہ دونوں امرا ("Strategi") جو نائین کی حیثیت سے ارمینیا پر حکمران تھے مطلق العنان ہو گئے۔ انہوں نے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا اور دو سلطنتوں کی تشکیل کی؛ ایک ارمینیا الکبریٰ، بنام ارتکسیاس (Artaxias)، خاص ارمینیا میں اور دوسری ارمینیا الصغریٰ (سوفان)۔ ارزانان (Sophene-Arzanene)، موسوم بہ زریدرس (Zariadris)۔ بعد میں ارمینیا الکبریٰ کی قیادت ارتسقیوں (Arsacids) کے ہاتھ میں آ گئی۔ پہلی صدی قبل مسیح میں ارتکسیاس کے ایک خلف نکران یا تراجانوس (Tigranes) اعظم نے اشکانی (Parthian) جوا اُتار پھینکا، سوفان کے بادشاہ کو معزول کر دیا اور پورے ارمینیا کو اپنے زیر نگیں متحد کر لیا۔ ارمنی اتحاد قائم کرنے کے بعد اس نے اشکانیوں اور سلوقیوں کے علی الرغم ایک وسیع ارمنی سلطنت قائم کر لی اور سیاست میں اہم حصہ لیتا رہا۔ تاہم اس کے بعد ارمینیا کا ملک بیش از پیش ارتسقی اشکانیوں کی مملکت اور رومن سلطنت کے مابین ایک غیر جانبدار (buffer) ریاست کی حیثیت اختیار کرتا گیا، جس میں ہر ایک اپنی پسند کا بادشاہ اس پر مسلط کرنا چاہتی تھی، اس لیے کہ اندرونی فتنہ و فساد نے بیرونی مداخلت اور غاصبانہ تصرفات کے لیے ایک مستقل بہانہ مہیا کر دیا تھا۔ عام طور پر ۱۱ء سے لے کر ۲۲۴ء میں ارتسقیوں کے سقوط تک کے زیادہ تر عرصے میں جو افراد ارمینیا میں برسر حکومت رہے وہ ارتسقی خاندان کے شہزادے تھے، جو کسی وقت تو اپنے اقارب کی روم کے خلاف ان کی جنگوں میں امداد کرتے تھے اور کبھی رومی حمایت قبول کر لیتے تھے۔ جب ارتسقی اشکانیوں کی جگہ ساسانیوں نے لے لی تو ارمینیا کا ملک، جو بدستور سابق ارتسقی بادشاہوں کے زیر فرمان تھا اور جس نے تیسری صدی کے خاتمے پر عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، دوبارہ دونوں سلطنتوں کے درمیان ایک نیا سبب نزاع بن گیا اور انہوں نے آخر کار اس کمزور باج گزار مملکت کو آپس میں بانٹ لینے کا سمجھوتا کر لیا۔ ایک تقسیم کے بموجب، جو ۳۹۰ء کے قریب وقوع میں آئی، ایران کو مشرقی حصہ مل گیا، یعنی ارمینیا کا ۲/۳ حصہ، جس پر خسرو ثالث حکمران ہوا اور جس کا دار السلطنت دِوین (Dwin) (عربی: دِوینیل) تھا، بحالیکہ مغربی حصہ روم کے ہاتھ میں رہا، جہاں اَرشکٹ (Arshak) ثالث اَزْرَنْجان میں برسر حکومت تھا۔ اَرشکٹ کی وفات کے بعد رومیوں (بوزنطیوں) نے اس سرزمین کا نظم و نسق ایک امیر کومیس کونٹ (Comes' count) کے سپرد کر دیا۔ ایرانی حصہ ملک موسوم بہ پرتز مینیا (Persarmenia [یا ارمینیا الفارسیہ]) نے اپنے قومی حکمرانوں کو ۴۲۸-۴۲۹ء تک برقرار رکھا اور بعد ازاں اس کا انتظام ایک ایرانی مرزبان (والی) کے سپرد رہا، جو دِوین میں رہتا تھا۔ ارمنی مؤرخ

مقامی سرداروں کی اطاعت کی پیشکش قبول کی۔ جمیل وان کے شمال مشرقی کنارے پر واقع ازمینش نے بھی عرب فوجوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ پھر حبیب پسر مینیا کے مرکز دینن کا محاصرہ کرنے کے لیے روانہ ہوا، جس نے اسی طرح چند روز کے بعد اطاعت قبول کر لی۔ اس نے تفلس کے شہر سے عرب سیادت کو تسلیم کرنے اور جزیہ دینے کے عوض صلح و ضمانت کا ایک معاہدہ طے کر لیا؛ اسی اثنا میں سلمان بن ربیعہ نے اپنی عراقی افواج کی ہمراہی میں ازان (البانیا) کو تسخیر کیا اور اس کے دارالسلطنت بردع کو فتح کر لیا۔

ارمنی روایت تاریخوں کے معاملے میں نیز متفرق تفصیلات میں عرب روایت سے اختلاف رکھتی ہے۔ صرف ایک بات، یعنی عرب حملے کے رخ کے بیان میں سبوس (Sebeos) اور البلاذری میں مکمل اتفاق ہے؛ جیسا کہ ان مصنفین کے بیان کردہ راستوں کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

ارمنی مؤرخین کے بیان کے مطابق ایک فوج ۶۴۲ء میں ارمینیا میں داخل ہوئی؛ جودی (ارارات Ararat) کے علاقے تک جا پہنچی، دارالسلطنت دین کو فتح کیا اور پھر اسی راستے سے پینتیس ہزار قیدی ساتھ لے کر ملک سے باہر نکل گئی۔ آئندہ سال میں مسلمان ازمینہ میں داخل ہوئے، انہوں نے جودی کے علاقے کو تاخت و تاراج کیا اور گرجستان (Georgia) میں بھی پہنچ گئے، تاہم امیر تھیوڈورس رشنتونی (Theodoros Rshtuni) کے ہاتھوں ایک سخت شکست کھا کر وہ واپس چلے جانے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد جلد ہی بوزنٹی شہنشاہ نے تھیوڈورس کو ارمنی افواج کا سپہ سالار تسلیم کر لیا۔ اب ارمینیا کے ملک نے، جو کئی سال سے بچا ہوا تھا، بوزنٹی سیادت کو پھر سے تسلیم کر لیا۔ جب تین سال کی عارضی صلح، جو عربوں اور ہیراقلیس (Heraclius) (۶۴۱ء) کے جانشین کونستانس (Constans) ثانی کے درمیان طے ہوئی تھی، ۶۵۳ء میں ختم ہوئی تو ارمینیا میں دوبارہ جنگ چھڑ جانے کی توقع ناگزیر ہو گئی۔ عربوں کے حملے کو روکنے کے لیے، جس کا خطرہ درپیش تھا، تھیوڈورس نے برضائے خود ملک ان کے حوالے کر دیا اور [امیر] معاویہ^[۱] سے ایک معاہدہ طے کر لیا، جو ارمینوں کے بہت مفید مطلب تھا اور جس کی رُو سے ان پر محض مسلم سیادت کا تسلیم کرنا عائد ہوتا تھا، تاہم اسی سال شہنشاہ روم ایک لاکھ فوج کے ہمراہ ارمینیا میں آوارہ ہوا، جہاں زیادہ تر مقامی سردار اس کی صف میں شامل ہو گئے۔ اس نے زیادہ زحمت کے بغیر ارمینیا کے پورے ملک اور گرجستان کو دوبارہ اپنے زیر نگین کر لیا، لیکن دین میں موسم سرما بسر کرنے کے بعد کونستانس ابھی بمشکل ملک سے رخصت ہوا تھا (۶۵۴ء) کہ پھر ایک عرب فوج ملک میں گھس آئی اور اس نے جمیل وان کے شمالی ساحل پر واقع اضلاع پر قبضہ کر لیا۔ ان عرب عساکر کی مدد سے تھیوڈورس نے یونانیوں کو دوبارہ ملک سے باہر نکال دیا اور اس کے بعد [امیر] معاویہ^[۱] نے اسے ارمینیا، گرجستان اور ازان (البانیا Albania) کا سردار تسلیم کر لیا۔ موریا نوس (Maurianus) کے زیر قیادت ایک فوج کے ذریعے ملک کے کھوئے ہوئے

سامنے ایک عینی شہادت پیش کرتا ہے، بلاشبہ اس دور کے لیے اہم ترین ماخذ ہے۔ اس بیان کے ساتھ ایک بیش قیمت تکملے کے طور پر پادری لاونتیوس (Leon-tius) کی تحریر کی شمولیت ضروری ہے، جو فی الواقع ۶۲۲ء اور ۶۷۰ء کے درمیانی سالوں کے لیے ایک تنہا قابل اعتنا شہادت کی حیثیت رکھتی ہے۔ عرب مصنفین میں اول درجہ البلاذری کا ہے جس نے ایک انوکھی حد تک ارمینیا کے باشندوں سے حاصل کردہ بیانات سے کام لیا ہے۔

ملک شام کی فتح اور عربوں کے ہاتھوں ایرانیوں کی شکست کے بعد عرب ارمینیا پر بار بار حملہ آور ہونے لگے اور اس سرزمین پر تسلط جمانے کی غرض سے بوزنطیوں سے برسر پیکار ہونے لگے۔ عراق عرب کے فاتح [حضرت] عیاض^[۱] بن غانم نے ۱۹ھ کے اختتام ۶۳۹ء اور ۲۰ھ کے شروع ۶۴۰ء میں جنوب مغربی ارمینیا میں پہلی مہم کا بیڑا اٹھایا، جہاں وہ نینیس تک جا پہنچا۔ البلاذری (ص ۱۷۶)، الطبری (۲۵:۱۰۶) اور یاقوت (۲۰:۱) اس مہم کی تاریخ کے بارے میں متفق ہیں، لیکن اس کی تفصیلات کے متعلق اختلاف رکھتے ہیں۔ الطبری (۲۶۶:۱) اور ابن الاثیر (۳:۲۰-۲۱) کے بیانات کے مطابق ۲۱ھ/۶۴۲ء میں ایک دوسرا عرب حملہ واقع ہوا۔ مسلمانوں نے چار حبشیوں کی صورت میں، جن میں دو حبیب بن مسلمہ اور سلمان بن ربیعہ کی قیادت میں تھے، شمال مشرقی ارمینیا کے سرحدی علاقوں میں پیش قدمی کی، لیکن وہ ہر طرف سے اس طرح پیچھے دھکیل دیے گئے کہ انہیں جلد ہی ملک سے نکل جانا پڑا۔ اسی طرح اُس مختصر تاخت (رزیہ) کا اثر بھی اس سے بڑھ کر دیرپا ثابت نہ ہوا جو ۲۴ھ/۶۴۵ء میں سلمان بن ربیعہ نے آذربایجان سے ارمینیا کے سرحدی علاقے میں کی۔ (اس تاخت کے بارے میں دیکھیے: البیعقوبی، ص ۱۸۰؛ البلاذری ص ۱۹۸؛ الطبری، ۲۸:۱)۔

عرب مؤرخین اور جغرافیہ نویسوں کی شہادت کے مطابق (دیکھیے خاص طور پر البیعقوبی، ص ۱۹۴؛ البلاذری، ص ۱۹۷-۱۹۸؛ الطبری، ۱:۲۶۷-۲۶۷۵؛ ابن الاثیر، ۳:۶۵-۶۶) ارمینیا پر سب سے بڑا حملہ، یعنی وہ حملہ جس نے پہلی مرتبہ اس ملک کو مؤثر طریقے سے عرب اقتدار کے زیر نگین کر دیا، ۲۴ھ/۶۴۵-۶۴۶ء کے اختتام کے قریب [حضرت] عثمان^[۱] کے عہد خلافت میں ہوا؛ شام کے والی [امیر] معاویہ^[۱] نے اسی سپہ سالار حبیب بن مسلمہ کو، جو شام اور عراق عرب کی جنگوں میں ناموری حاصل کر چکا تھا، ارمینیا کی فتح کا کام تفویض کیا۔ یہ سپہ سالار پہلے قالیغلا (تھیوڈوسیوپولس Theodosiopolis)؛ ارمنی: گرین؛ موجودہ ارزروم) کی جانب بڑھا، جو بوزنٹی ارمینیا کا دارالسلطنت تھا اور اس شہر کو ایک مختصر محاصرے کے بعد فتح کر لیا۔ اس نے ایک بڑی بوزنٹی فوج کو، جو خزر اور اللان (Alan) کے معاون عساکر سے کمک حاصل کر کے اسے دریائے فرات پر روکنے کے لیے آگے بڑھی تھی، سخت شکست دی۔ اس کے بعد اس نے جنوب مشرق میں جمیل وان کا رخ کیا اور اخلاط اور ماکس (Moks) کے

۶۴۰ء کو دوین کی فتح؛ (۲) ۶۴۲ء میں دوسرا حملہ آذربيجان کے راستے پر سزمینیہ (Persarmenia) کے اندر؛ (۳) ۶۵۰ء میں ایک تیسرا حملہ جو آذربيجان سے کیا گیا تھا اور جس کا نمایاں پہلو جمیل وان کے شمال مشرق میں ضلع Kogovit میں واقع آرٹسپ [؟] (Artsap) کی فتح تھی، بتاریخ ۸ اگست ۶۵۰ء۔

عربوں نے تھیوڈورس رشٹونی (Theodoros Rshtuni) کی جگہ، جسے وہ ۶۵۵ء میں قید کر کے دمشق لے گئے تھے، جہاں ۶۵۶ء میں اس کا انتقال ہو گیا، ہمزاسب مامیکونی (Hamazasp Mamikonian) کو مٹکن کر دیا تھا، جو ایک مد مقابل خاندان کا فرد تھا اور جس کی جاگیریں ترون سے دوین تک پھیلی ہوئی تھیں، لیکن مامیکونی نے بوزنطی سلطنت کی رفاقت اختیار کر لی اور ۶۵۷ء۔ ۶۵۸ء میں اسے قنطنس (Constans) ثانی نے ملک کی سرداری کے لیے نامزد کر دیا۔ بوزنطی سیادت زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہی۔ [امیر] معاویہ [۱] نے برسر اقتدار آنے کے بعد (۴۱ھ/۶۶۱ء) ارمنیہ کے لوگوں کو از سر نو عرب سیادت قبول کرنے اور خراج ادا کرنے کی دعوت دیتے ہوئے ایک خط لکھا اور ارمنی امرا اس مطالبے کی مخالفت کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ ارمنی ماخذ کے مطابق معزز ترین خاندانوں کے افراد (مامیکون، بجا رطہ (Bagratuni) یا بجاتی (Bagratids) نے عبدالملک کے زمانے تک شروع کے امویوں کے ماتحت حکومت سنبھال رکھی۔ اس کے برعکس عرب مؤرخین ارمنیہ کے متعلق اس طرح بیان دیتے ہیں جیسے حسب کی فتح سے لے کر یہ ملک برابر مسلم حکام کی حکومت میں رہا [حضرت] عثمان [۱] سے لے کر عباسی خلیفہ المستنصر تک کے زمانے کے لیے دیکھیے السعقونی، البلاذری، الطبری اور عالمین کی فہرست کے لیے غازریان (Ghazarian)؛ کتاب مذکور، ص ۱۷۷-۱۸۲؛ لورائ (Laurent)؛ کتاب مذکور، ص ۳۳۶-۳۴۷؛ وسمیر (R. Vasmer)؛ *Chronology of the governors of Armenia under the first Abbasids*، در *Memoirs of the College of Orientalists*، لینن گراڈ ۱۹۲۵ء، ۳۸۱:۱ بعد (روسی زبان میں)۔

ارمنیہ میں عرب اقتدار کی پہلی صدی تباہی خیز جنگوں کے باوجود ملک کے لیے قومی اور ادبی شکفتگی کا ایک دور تھی، لیکن بایں ہمہ مسلم حکومت امویوں کے زمانے میں اس سرزمین میں اپنے قدم مضبوطی سے نہ جما سکی اور اس سے بھی کم عبا سیوں کے عہد میں؛ لہذا فساد اور بغاوتیں اکثر ہوتی رہتی تھیں۔ عرب حکومت کے خلاف سب سے بڑی اور سب سے زیادہ خطرناک بغاوت التوگل کے عہد حکومت میں ہوئی۔ اس خلیفہ نے اپنے بہترین آزمودہ کار سپہ سالار ترک بغا الاکبر کو ایک زبردست فوج کے ہمراہ روانہ کیا، جو ۲۳۷-۲۳۸ھ/۸۵۱-۸۵۲ء میں خون ریز اور انتہائی شدید معرکوں کے بعد بغاوت پر قابو پانے میں کامیاب ہوا۔ اس پر سب امرا کو قید کر کے ملک کے باہر بھیج دیا گیا۔ التوگل نے اپنی سرگرمی کو صرف اس وقت ترک کیا جب اسے بوزنطیوں سے جنگ کرنے اور ایک نئی

صوبوں کو دوبارہ فتح کرنے کی یونانی کوششیں بالکل ناکام ثابت ہوئیں۔ ۶۵۵ء میں عربوں نے اپنی حکومت کو تمام ارمنیہ پر وسعت دے دی اور ارمنیہ البوزنطی کے دارالسلطنت کرین (قائلیقلا) کو بھی اپنے دروازے ان کے لیے کھولنا پڑے۔ تاہم دو سال کے بعد مسلمانوں کو اس مجبوری کا احساس ہوا کہ وقتی طور پر انھیں ایک ایسے مقبوضے کو چھوڑ دینا پڑے گا جس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جب ۳۶ھ/۶۵۷ء میں [امیر] معاویہ [۱] اور [حضرت] علی [۱] کے درمیان پہلی خانہ جنگی کا آغاز ہوا تو اول الذکر کو اپنی اس فوج کی ضرورت پیش آئی جو ارمنیہ میں مٹکن تھی؛ چنانچہ مسلمان فوجوں سے خالی ہونے پر یہ ملک فوراً اپنے پرانے آقا بوزنطی سلطنت کا دوبارہ تابع ہو گیا۔

سببوں کے بیان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سب واقعات، جنھیں عرب ماخذ نے حسب کی ۲۴-۲۵ھ/۶۴۴-۶۴۶ء کی بڑی مہم سے منسلک کر دیا ہے، سہ سالہ عارضی صلح کے بعد ظہور میں آئے؛ تیوفان (Theophanes) کی *chro-nography* میں جو معلومات ہیں وہ بھی اسی تاریخ پر مبنی ہیں۔ عرب مؤرخین کے ہاں اس واقعے کا مطلق کوئی ذکر نہیں کہ ارمنیہ اس پہلے حملے کے بعد جو [حضرت] عمر [۱] کے عہد میں ہوا تھا دوبارہ بوزنطی حکومت کے زیر نگیں ہو گیا تھا، نہ ان واقعات ہی کو بیان کیا گیا ہے جو [امیر] معاویہ [۱] کی تخت نشینی سے پہلے کے زمانے میں اس ملک میں رونما ہوئے تھے۔ اگر عربوں کے پہلے حملے سے لے کر ملک برابر ان کے پورے اقتدار میں رہا ہوتا تو یہ واقعہ کہ تھیوڈورس رشٹونی (Theodoros Rshtuni) نے اپنی مرضی سے [امیر] معاویہ [۱] کی اطاعت قبول کر لی تھی، جس کی شہادت نہ صرف سببوس بلکہ تیوفان نے بھی دی تھی، ناقابل فہم ہو جائے گا۔ غازریان (Ghazarian) کے قول کے مطابق جس نے *Zeitschr. für arm. philol.*، ۲: ۱۷۳-۱۷۴، میں عرب اور ارمنی ماخذ کے مابین باریک اختلافات کا تجزیہ کیا ہے، عربی روایات کے مقابلے میں سببوس کا ہم عصر بیان زیادہ قابل اعتماد ہے۔ یہ غازیان ہی ہے جس پر ملٹر (Müller) انحصار کرتا ہے (*Der Islam im Morgen-und Abendland*، ۱: ۲۵۹-۲۶۱)۔ اس سے ایک مختلف رائے شہدیشیان (Thopdschian) کی ہے (*arm. Philol.*، ۲: ۷۰-۷۱)، جس کے بیان کی رُو سے عربوں کے پہلے بڑے حملے کے بارے میں ارمنی اور عرب مؤرخین میں تاریحوں اور واقعات کی مطابقت قائم کی جاسکتی ہے۔ لورائ (J. Laurent) (*L'Arménie entre Byzance et l'Islam*، ص ۹۰) کے نزدیک ۳۷۱-۶۴۰ء اور ۶۵۱ء کے درمیان چھ عرب حملے ہوئے۔ مندیاں (H. Manadean)، *Études antion*، ج ۱۸، ۱۹۳۶-۱۹۳۸ء، نے روایتی مواد کو غائر نظر سے جانچا ہے اور وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ۶۵۰ء تک صرف تین عرب حملے ہوئے تھے: (۱) ۶۴۰ء میں پہلا حملہ، ترون (Taron) کے علاقے میں سے ہو کر، اور ۶ اکتوبر

دیکھتے ہوئے کہ اشوٹ اپنے دشمنوں پر سبقت لیے جا رہا تھا یوسف نے اسے تسلیم کر لیا اور اس کے لیے ایک شاہی تاج بھیج دیا (۹۱۷ء کے قریب)۔ ۹۱۹ء میں خلیفہ کی افواج کے ہاتھوں یوسف کی گرفتاری کے بعد، جس نے بغاوت برپا کی تھی، اس کے جانشین سبک (Sbuk) نے اشوٹ ثانی سے اتحاد کر لیا تاکہ خلیفہ کی فوجوں کو ملک سے نکال دیا جائے اور اسے شہنشاہ کے لقب سے سرفراز کیا۔ اس لقب کی رو سے بسفر جان (Vaspurakan)، آئی بیر یا اور گرچستان کی ریاستوں اور دوسرے علاقوں پر اشوٹ کی سیادت تسلیم کر لی گئی۔ اشوٹ ثانی نے بجزاتی اقتدار کو اس کے نصف النہار تک پہنچا دیا اور وسطی اور شمالی ارمینیہ کے بیشتر حصے پر اس کی حکومت رہی، جہاں سمباط پہلے ہی اس خاندان کے علاقے میں معتد بہ اضافہ کر چکا تھا۔ ارمینی امرائے باہمی ملاپ اور اس کے رقبوں، خصوصاً اردزرونیوں کی جانب سے اس کی سیادت کو برائے نام تسلیم کیے جانے کے بعد اس کے عہد کا خاتمہ بحالت امن و عافیت ہوا؛ تاہم دوین کا شہر یوسف کے نائب کے ہاتھ میں رہا۔

جنوبی ارمینیہ میں اردزرونی (دیکھیے اوپر) ایک نسبتاً چھوٹے علاقے پر (بسفرجان، جس کا دارالسلطنت وان تھا) حکمران تھے۔ ان دو بڑی سلطنتوں کے علاوہ اب تک بعض چھوٹی ریاستوں کا ایک سلسلہ بھی موجود تھا، جن میں سے زیادہ تر محض برائے نام بجزاتیوں کی سیادت کو تسلیم کرتی تھیں۔ علاوہ ازیں جنوب کی طرف Apahunik اور جھیل وان کے علاقے میں متعدد عرب امرائی ریاستیں تھیں جو خود مختار تھیں، لیکن خلافت سے علیحدہ؛ لہذا ارمینیہ کی تاریخ اپنی وسعت کے اعتبار سے بجزاتیوں کی تاریخ کی مراد نہیں ہے۔

اشوٹ ثانی کے پورے عہد اور اس کے جانشین اباز (Abas، ۹۲۰ء)۔ ۹۵۳ء) کے عہد کے بہت سے حصے میں بوزنطی سلطنت اور عربوں کے درمیان جنگ بلا توقف جاری رہی اور بعض اوقات یہ جنگ ارمینیہ کی حدود کے اندر ہوتی رہی۔ شمالی ارمینیہ نیز جنوبی ارمینیہ میں یونانی جھیل وان کی ارمینی عرب ریاستوں کے خلاف کارروائی کرتے رہے، جو بوزنطی ماخذ کے مطابق شہنشاہ رومانوس لیکاپنوس (Romanus Lecapenus، ۹۱۹-۹۲۴ء) کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ آذربائیجان کے آخری ساجی امراکا اٹرو سوخ ارمینیہ میں بمشکل ہی باقی رہ گیا تھا۔ حمدانی حکمران، جو ارمینیہ کی سرحد پر واقع دیار بکر کے مالک تھے اور بوزنطیوں سے برابر برسر پیکار رہتے تھے، کچھ عرصے کے لیے تمام ارمینیہ سے اپنی سیادت منوانے میں کامیاب ہو گئے (بقول مؤرخ ابن خلفرو ابن الاذرق) اور انھوں نے جھیل وان کے علاقے میں عرب۔ ارمینی ریاستوں پر نسبتاً زیادہ مؤثر اقتدار قائم کر لیا۔ ان ریاستوں نے بعد میں دیار بکر کے مروانی خاندان [رتک بان] کے بانی باذ اور اس کے جانشینوں کی سیادت قبول کر لی۔

حمدانیوں کے بعد یہ آذربائیجان کے بنومسافر [رتک بان] تھے جنھوں نے ارمینیہ کے امرائے اپنی سیادت تسلیم کر لی، ان پر خراج عائد کیا (دیکھیے ابن حوقل، طبع ثانی، ۳۵۴ھ/۹۵۵-۹۵۶ء [کذا، ۹۶۵-۹۶۶ء] کے ضمن میں)

بغاوت کو روکنے کے لیے، جسے مؤخر الذکر نے براہیختہ کیا تھا، اپنے عساکر کی ضرورت پیش آئی، لہذا اس نے قیدی سرداروں (نخزار Nakharar) کو رہا کر دیا اور ارمینیہ کے بڑے امیر کے طور پر بجزاتی خاندان کے اشوٹ (Ashot) کو تسلیم کر لیا (۲۴ھ/۸۶۱-۸۶۲ء)، جو عرب مقاصد کے حصول کے لیے پہلے بھی اہم خدمات سرانجام دے چکا تھا، امیر الامرا کی حیثیت سے پچیس سال میں اشوٹ نے اپنی تمام رعایا اور مقامی سرداروں کو اس قدر اپنا گرویدہ بنا لیا کہ مؤخر الذکر کی درخواست پر ۳۳ھ/۸۸۶-۸۸۷ء میں خلیفہ المعتز نے اسے بادشاہ کا لقب عطا کر دیا۔ اس نے یہی اعزازی لقب رومی شہنشاہ سے بھی حاصل کر لیا، جس نے اس کے ساتھ ہی اس سے ایک معاہدہ اتحاد طے کر لیا۔ خلیفہ سے اشوٹ کے تعلقات کبھی مکمل نہیں ہوئے، وہ اپنا خراج باقاعدہ ادا کرتا رہا، لیکن اپنے مقبوضات کا انتظام اور ان پر حکمرانی خود اپنے طریقے پر کرتا تھا۔ اسی طرح مقامی امرائے بھی اس کے عہد میں تقریباً خود مختار حیثیت اختیار کر لی تھی۔

اشوٹ (۸۶۲-۸۹۰ء) کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا سمباط حکمران ہوا، جو واقعی ایک شجاعانہ کردار کا شخص تھا، لیکن جو کسی طرح بھی اس قابل نہ تھا کہ اپنے بیرونی دشمنوں، یعنی دیار بکر کے شیبانیوں اور آذربائیجان کے ساجیوں کا مقابلہ کر سکے۔ وہ شیبانیوں کے خلاف اپنی جدوجہد میں ناکام رہا، تاہم کچھ عرصے کے بعد ۲۸۶ھ/۸۹۹ء میں خلیفہ المعتز کی مداخلت سے شیبانی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور ارمینی صوبوں کو ان حملہ آوروں سے نجات مل گئی، لیکن ساجی افشین مغرب اور شمال کی جانب اپنی پیش قدمی سے ارمینیہ کو مسلسل خطرے میں مبتلا کر رہا تھا۔ افشین (۲۸۸ھ/۹۰۱ء) کے ہوشیار بھائی اور جانشین یوسف کے زمانے میں سمباط کے لیے صورت حال اور بھی دشوار ہو گئی۔ یوسف اس چیز کو سمجھ گیا کہ اور سب باتوں سے بڑھ کر اسے آذزرونی خاندان کو اپنی جانب مائل کرنا چاہیے، جو اشوٹ اول کے وقت سے بجزاتیوں کے بعد امراکا سب سے زیادہ بااقتدار گھرانہ بن گیا تھا، یہاں تک کہ ۹۰۹ء کے قریب اس نے اس خاندان کے سربراہ جاجیق (Gagik) کو، جو بسفرجان (Vaspurakan) کا امیر تھا، شاہی تاج عطا کر دیا؛ یہی وہ اعزاز تھا جس کی تجدید خلیفہ المعتز نے ۳۰۴ھ/۹۱۶ اور ۳۰۶ھ/۹۱۹ء میں کی۔

۹۱۰ء سے لے کر یوسف نے اپنی مہموں کے دوران میں ارمینیہ کو تاخت و تاراج کیا اور بالآخر کاپویت (Kapoit) کے قلعے میں سمباط کو محصور کر لیا، جس کا ساتھ سب امرائے چھوڑ دیا تھا۔ ۹۱۳ء میں Adontz کے قول کے مطابق ۹۱۱ء میں) ارمینیہ کے بادشاہ نے اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کر دیا، جس نے اسے ایک سال تک قید میں ڈال رکھنے کے بعد سخت اذیتیں پہنچا کر مروا دیا (۹۱۴ء؛ بقول Adontz ۹۱۲ء)۔ سمباط کے سقوط کے بعد ارمینیہ میں لاقانونیت کا دور شروع ہو گیا، اس کا باہمت بیٹا "آہنی بادشاہ" اشوٹ ثانی (۹۱۵-۹۱۷ء) بوزنطی فوج کی مدد سے دوبارہ تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یوسف نے شروع میں اس کے ایک عزیز کو اس کے مقابلے میں کھڑا کر کے اس کی مخالفت کی، لیکن یہ

اور دوین کے مالک بن گئے۔

اشوط ثالث (۹۵۲-۹۷۷ء) نے بجزاتی سلطنت کے صدر مقام کو آئی [رٹ بان] کے چھوٹے سے قلعے میں منتقل کر دیا، جسے اس نے اور اس کے جانشین سمباط ثانی نے شان دار عمارتیں تعمیر کر کے مشرق کے ایک درخشندہ گوبہر کی شکل دے دی۔ اسی کے عہد حکومت کا یہ واقعہ ہے کہ بجزاتی خاندان کے ایک شہزادے کے لیے قارص کے علاقے کی حیثیت بڑھا کر اسے ایک سلطنت کا درجہ دے دیا گیا، علاوہ ازیں یہ کہ ۹۶۸ء میں بوزنطی سلطنت نے ترون (Taron) کے علاقے کو، جو ایک بجزاتی امیر کی جاگیر تھا، اپنی حدود میں شامل کر لیا۔

سمباط ثانی (۹۷۷-۹۸۹ء) اور اس کے بھائی جاجیق (۹۹۰-۱۰۲۰ء) نے مستعدی اور کامیابی سے حکومت کی، لیکن ایک مضحکہ خیز خاندانی حکمت عملی کی وجہ سے وہ ہمسایہ عیسائی ریاستوں سے تقریباً مسلسل جنگ و جدال میں الجھ گئے۔ ہمسایہ مسلمان امیروں سے بھی ان کی لڑائی رہتی تھی، جنہوں نے موقع پا کر دوین پر قبضہ کر لیا، ارمنوں پر خراج عائد کیا اور خود اہل ارمینیہ انہیں اپنے جھگڑوں میں مداخلت کی دعوت دیتے رہے، چنانچہ قارص کے بجزاتی امیر نے سمباط کے خلاف ایک مسافری امیر کو مدد کے لیے بلا یا۔ ۹۸۷-۹۸۸ء میں سمباط کو آذربائیجان کے روادی امیر کی سیادت تسلیم کرنا پڑی، جو مسافری حکمرانوں کا جانشین تھا اور اسے وہی خراج ادا کرنا پڑا جو گزشتہ سالوں میں اُس پر عائد رہا تھا۔

جنوبی ارمینیہ کی دوسری ریاستوں کے بارے میں مملان روادی سے تنازع میں جاجیق نے تیخ (Taik) کے داود (David) سے اتحاد کر لیا جو آئبریا (Iberia) (گرجستان) کے ایک بڑے حصے کا مالک تھا اور جس نے ۹۹۳ء کے قریب دیار بکر کے مروانی امیر سے ملاؤ گز چھین لیا تھا، مملان کو دو مرتبہ شکست ہوئی۔ دوسری باری قطعی طور پر ۹۹۸ء میں ارجمیش کے قریب زبمو (Tsumb) کے مقام پر۔ اور وہ اس جگہ پناہ گزین ہونے پر مجبور ہو گیا۔

تاہم شہنشاہ بازل (Basil) ثانی (۹۷۶-۱۰۲۶ء) کا مقصد تمام ارمنی ریاستوں پر قبضہ جمانا تھا۔ وہ تیخ کے امیر داود سے ۹۹۰ء میں یہ وعدہ لینے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ اپنے علاقے اپنی وفات پر اس کے حوالے کر جائے گا؛ چنانچہ شہنشاہ نے داود (David) کی وفات کے بعد، ۱۰۰۱ء میں Taik اور اس کے علاوہ ملاؤ گز کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ جاجیق اول کے انتقال کے بعد بجزاتی سلطنت میں انتشار پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے ایک تو اس کے بیٹوں یوحنا سمباط (Johannes-Sambat) اور اس کے چھوٹے بھائی اشوط چہارم کے مابین تخت کے لیے رسہ کشی تھی، دوسرے اس معاملے میں گرجستان اور بسفرجان کے بادشاہوں کی مداخلت اور اس کے علاوہ شروع کے سلجوقی حملے۔ باسل ثانی نے ان واقعات سے فائدہ اٹھایا اور کچھ تو الحاق کے ذریعے اور کچھ شہزادوں کے درمیان صلح کرانے کے بہانے سے وہ ارمینیہ میں اپنے اقتدار کو وسیع تر بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ آخری اردزرونی حکمران سنکریم (Senek'erim) نے ۱۰۲۱ء

میں ترکی حملے کے اندیشے سے بسفرجان کو بوزنطی سلطنت کے حوالے کر دیا اور اس کے عوض اسے سیواس (Sebasteia) کا علاقہ دے دیا گیا، جس میں کپادوکیا (Cappadocia) میں واقع دوسرے علاقوں (قیصریہ Caesarea اور Tzamandos) کا اضافہ کر دیا گیا۔ جمیل وان کی مسلم ریاستیں (انحطاط، ازجمیش، بڑگرمی) ۱۰۲۳ء اور ۱۰۳۴ء کے درمیان ملحق کر لی گئیں۔ آئی کے بادشاہ یوحنا نے خائف ہو کر اور اپنے علاقوں کو بوزنطی سلطنت سے محصور پا کر آئی پر اپنی وفات تک عارضی قبضہ رکھتے ہوئے شہنشاہ کو اپنا جانشین بنانے کا اعلان کر دیا۔ اشوط چہارم کی وفات (۱۰۴۰ء) پر، جس کے بعد جلد ہی یوحنا بھی فوت ہو گیا (۱۰۴۱ء)، جو بجزاتی سلطنت کے مقبوضات میں اس کا شریک تھا، شہنشاہ میخائل (Michael) چہارم نے آخر کار ارمینیہ کو پورے طور پر اپنی سلطنت میں شامل کر لینے کا ارادہ کیا؛ لیکن اس کی فوج کو شکست ہوئی اور ارمنی امرانے اشوط چہارم کے بیٹے جاجیق ثانی کی بادشاہت کا، جو اس وقت صرف سترہ سال کا تھا، اعلان کر دیا (۱۰۴۲ء)، تاہم قسطنطین التاسع (Constantine Monomachos) نے تخت نشین ہوتے ہی آئی کو ملحق کرنے کا فیصلہ کر لیا اور جاجیق کو کمزور کرنے کی غرض سے اس نے گنجہ کے شتادی (دیکھیے بنو شداد) خاندان کے امیر دوین ابوالاسوار کو اس کے خلاف کھڑا کرنے میں کوئی تاثر نہیں کیا۔ دو طرفہ آگ میں گھر کر جاجیق کشاں کشاں قسطنطنیہ جانے پر راضی ہو گیا اور اسے مجبوراً آئی کو حوالے کرنا پڑا (۱۰۴۵ء)۔ معاوضے کے طور پر اسے کپادوکیا میں Charsianon اور Lykandos کے اضلاع (Themes) میں زمینیں دے دی گئیں۔ اس کے بعد ارمینیہ کا بیشتر حصہ براہ راست بوزنطی سلطنت کے نظم و نسق میں آ گیا اور اس سلطنت کے اختیارات کو مرکز میں محدود کرنے کی حکمت عملی سے جو بے اطمینانی پیدا ہوئی اور خلقدونی (Chalcedonian) اہل کلیسا کو جو مراعات عطا کی گئیں وہ ایک حد تک سلجوقیوں کی ارمینیہ میں کامیابی کا سبب بن گئیں۔

قارص کی بجزاتی سلطنت کو سلجوقی یورش کے بعد کہیں ۱۰۶۲ء میں جا کر بوزنطی حکومت نے اپنے ساتھ ملحق کیا۔ اس کے آخری بادشاہ جاجیق آواز (Gajig-Abas) نے اسے شہنشاہ قسطنطین (Constantine Ducas) کے حوالے کر دیا، جس نے معاوضے میں اسے کپادوکیا میں جاگیریں عطا کر دیں۔ اس طرح اپنے بادشاہوں کی تقلید کرتے ہوئے ارمنی قوم کا ایک اہم حصہ بوزنطی سلطنت کے علاقوں میں آباد ہو گیا، لیکن اس سے پہلے بھی عرصہ دراز سے ارمنی ارمینیہ سے باہر پائے جاتے تھے۔ یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ انہوں نے بوزنطی سلطنت کے لیے سپاہی مہیا کیے، نیز متعدد سپہ سالار اور یہاں تک کہ شہنشاہ بھی۔ یہ ارمنی ہی تھے جنہوں نے مشہور معروف میلیاس (Melias) (ارمنی: Mleh) کی سرگردگی میں Lykandos، Tzamandos، Larissa اور Symposion کے علاقوں کو آباد کیا۔ اس وقت جبکہ دسویں صدی کے شروع میں بوزنطی حکومت نے کپادوکیا کے ان علاقوں کو دوبارہ معمور کرنے کا فیصلہ کیا جو

۲ (ب)۔ اہل ارمینینہ ترکوں اور مغلوں کے زیر حکومت:

جب یہ آخری واقعات رونما ہو رہے تھے تو ترکان، جن کی قیادت کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ سلجوقی خاندان کے ہاتھ میں آگئی تھی، مسلم ایران کو ارمینی-بوزنطی سرحدوں تک فتح کر رہے تھے، اگرچہ یہ حملہ شروع میں ارمینی علاقوں کے بوزنطی سلطنت کے ہاتھ سے نکل جانے کا سبب نہیں تھا، جیسا کہ بعض دفعہ وثوق سے کہا جاتا ہے (JA، ۱۹۵۴ء، ص ۲۷۵-۲۷۹ و ۱۹۵۶ء، ص ۱۲۹-۱۳۴)، تاہم پانچویں صدی میں وہ ارمینوں کے لیے ایک ہولناک خطرے کا پیش خیمہ تھا۔ ترکان تاخت و تاراج کے ایک دور کے بعد ملازگرد کی جنگ (دیکھیے ملازگرد) بوزنطی اقتدار کے خاتمے کی علامت تھی اور ارمینینہ، کپادوکیا اور ایشیائے کوچک کے بیشتر حصے میں ہر جگہ ترکان آباد ہو گئے۔ آذربائیجان کی حدود پر واقع ارمینی علاقے سلجوقی سلطنت میں شامل کر لیے گئے، بحالیکہ مغربی اور وسطی علاقوں نے مختلف ریاستوں کی شکل اختیار کر لی: اخلاط [رتک بان] کی ریاست، جس کی بنیاد باج گزر سلجوقی امیر سگمان [سگمان] القطبی نے ڈالی، جس نے شاہ ارمین کابلند پایہ لقب اختیار کر لیا؛ آنی (Ani) [رتک بان] کی ریاست، جو سلجوقی حکمرانوں نے اڑان کے سابق حکمران خاندان کی ایک شاخ موسوم بہ شتادین کو عنایت کر دی (منورسکی *Studies in Caucasian History*: V. Minorsky، ۱۹۵۳ء، ص ۷۹-۱۰۶) اور آخر میں ارمین سلطنتیوں (Saltukids) اور ایزرنجان میں منگوقاجیوں (Mangudjakid) کی خود مختار ترکان ریاستیں۔ اسی اثنا میں کپادوکیا کے دانشمند خاندان اور اناطولیہ اور تاوروس (Taurus) کے سلجوقی حکمران منگلیہ پر قبضے کے لیے آپس میں جھگڑتے رہے اور دیار بکر کو بالآخر اَرْمِیْنِیَہ خاندان نے اپنے علاقے میں ضم کر لیا۔ یہ صورتحال ساتویں تیرہویں صدی کے شروع میں تبدیل ہو گئی، جبکہ دیار بکر کے بیشتر حصے اور اخلاط کی ریاست کو مصرو شام کے ایوبیوں نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا، بعد میں ارمینینہ اور ایشیائے کوچک پر خوارزمیوں کی عارضی یورش کے بعد ایزرنجان اور ارمینوں کی ریاستیں مع اخلاط کی ریاست کے ایشیائے کوچک کی متحد اور بااقتدار سلجوقی سلطنت میں شامل کر لی گئیں جس طرح کہ دانشمندی علاقے پہلے ہی شامل کر لیے گئے تھے؛ تاہم اڑان اور آنی کے علاقوں میں اہل ارمینینہ اگر خود مختار نہیں ہوئے تو کم از کم ایک عیسائی (لیکن ایک مختلف کلیسا سے تعلق رکھنے والی) سلطنت کی حکومت میں آ گئے، جس کی وجہ سے آذربائیجان اور شتادین خاندان کے صرف پرگریستان کی حدود کی توسیع تھی۔

اگرچہ بعض ارمینوں نے [سلجوقی] حملہ آوروں سے سمجھوتے کر لیے تھے اور بہر صورت بیشتر نے ان سے شرائط طے کر لینے کی کوشش کی تھی، تاہم شروع کے مرحلوں میں جو تباہی برپا ہوئی اُس کی وجہ سے اُس نقل وطن میں مزید ترقی اور اضافہ ہو گیا جس کی محرک بوزنطی حکمت عملی تھی اور جس نے اب تاوروس (Taurus) کے پہاڑوں اور کیلیکیا کے میدان کا رخ اختیار کر لیا۔ ملازگرد کی جنگ

عرب حملوں سے ویران ہو گئے تھے اور جنھوں نے ان علاقوں کی حفاظت کا ذمہ لیا اور بوزنطی جنگوں میں نام پیدا کیا۔ مسلم علاقوں میں بھی ارمینی موجود تھے، جو خلفا کی ملازمت کر رہے تھے، لیکن انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، جیسے کہ مشہور امیر علی الارمینی نے، جو ارمینینہ اور آذربائیجان کے والی نامزد ہونے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد ۸۶۳ء میں فوت ہو گیا۔ مصر میں بھی طولونیوں کی فوج میں ارمینی قوم کے لوگ پائے جاتے تھے؛ تاہم بوزنطی علاقے میں آکر ارمینوں کا آباد ہونا سب سے بڑھ کر اہمیت رکھتا ہے اور اس کی وجہ سے دسویں صدی کے نصف ثانی میں کیلیکیا (Cilicia) اور شمالی شام کے ان علاقوں کو از سر نو آباد کرنے میں مدد ملی جنھیں بوزنطی سلطنت نے دوبارہ فتح کیا تھا اور جنھیں مسلمان باشندے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ جغرافیہ نویس المقدسی (BGA، ۱۸۹:۳) بیان کرتا ہے کہ اس وقت میں امانوس (Amanus) ارمینوں سے آباد تھا۔ اسونگ (Asoghik) ہمیں یہ بتاتا ہے کہ خاجق [؟] Khačik اول (۹۷۲-۹۹۲ء) کی خبریت (-pontif-icate) میں انطاکیہ اور طرٹوس میں ارمینی اسقف موجود تھے۔ گیارہویں صدی کے دوران میں ان علاقوں (کپادوکیا، Commagene، شمالی شام اور یہاں تک کہ عراق عرب، مثلاً الرُّہا (Edessa)) میں، ارمینوں کی سرگرمی معتد بہ تھی۔ متعدد ارمینی حکام شہروں میں بوزنطی سلطنت کے نائبین کے طور پر کام کرتے تھے اور شروع کے سلجوقی حملوں سے جو بالکل پیدا ہوئی اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے ارمینی ریاستوں کی بنیاد ڈال دی (دیکھیے مادہ ارمین)۔ اسی زمانے میں مصر کے فاطمی خلفا کے ہاں بھی ارمینی پائے جاتے تھے۔ ارمینی بدرالجمالی [رتک بان] کی پیروی میں، جو ایک غلام کی حیثیت سے ترقی کر کے شام میں مصری افواج کا سپہ سالار ہو گیا تھا اور پھر اس سے بڑھ کر قاہرہ میں وزارت کے عہدے پر فائز ہو گیا تھا (۱۰۷۳-۱۰۹۳ء)، مصر میں جن ارمینوں کا ورود ہوا ان میں اول تو وہ لوگ تھے جنھیں اس نے پہلے ہی اپنے گرد و پیش اکٹھا کر لیا تھا اور دوسرے وہ لوگ جنھیں اس نے وہاں بلایا اور جنھوں نے نہ صرف فوج میں بلکہ ملک کے اداروں میں بھی ملازمت اختیار کر لی۔ ان ارمینوں نے فاطمی خلفا کو متعدد وزیر مہبتا کیے، جن میں ایک بہرام [رتک بان] اپنے عیسائی مذہب پر قائم رہا۔ اس طرح مصر میں ایک اہم ارمینی آبادی کے داخلے سے وہاں بہت سی ارمینی خانقاہیں اور عبادت گاہیں وجود میں آ گئیں، نیز ایک ارمینی کیتھولک کلیسا (Catholosate) بھی۔ بعض فاطمی خلفا بھی ارمینوں پر نظر عنایت رکھتے تھے، اس موضوع پر دیکھیے *Un vizir chrétien à l'époque fatimite*: M. Canard، *AIEO*، الجزائر ۱۹۵۴ء، ج ۱۲ اور *Égypte à l'époque fatimite*، وہی رسالہ، ج ۱۳ (۱۹۵۵ء)؛ *Byzance et les Turcs Seldjoudides dans l'Asie Occidentale jusqu'en 1081*، *l'Est*، سال ۲۸، ج ۲، پیرس ۱۹۱۴ء (۱۹۱۹ء)۔

(M. CANARD)

آقاؤں کے ہاتھوں جو تکلیف اٹھائی اس کے اسباب مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تھے۔ باوجود کسی قدر اختلاف کے مغرب کے ازمینی بالعموم فرنگیوں کے ”شرکائے جرم“ کے طور پر کام کرتے تھے۔ علاوہ ازیں ازمینی کلیسا میں جو مناقشات اکثر پیدا ہوتے رہتے تھے ان کا سبب بھی سیاسی تھا، خصوصاً ازمینیہ الکبریٰ کی مسلم ریاستوں کے ازمینوں۔ جنہیں سب سے پہلے اس چیز کا خیال رہتا تھا کہ وہ اپنے آقاؤں کو ناراض ہونے کا موقع نہ دیں۔ اور کیلیکیا کے ازمینوں کے درمیان مناقشہ، جن کا میلان زیادہ تر لاطینی ممالک کی جانب تھا۔ اسی طرح مغل حملے کے معاملے میں بھی ازمینوں کی اپنی روش ہی نے ان کی جانب اسلامی طاقتوں کے رد عمل کی تعیین کی۔

مغل سلطنت کے قیام سے مشرق قریب کی مختلف مذہبی جماعتوں کے کو انف زندگی میں گہرے تغیرات کا آغاز ہو گیا۔ جو اسلامی ریاستیں مغلوں نے فتح کیں ان میں انھوں نے بالعموم مذہبی اقلیتوں بالخصوص عیسائیوں کی تائید پر انحصار کیا۔ اپنے مشرقی ہم مذہب لوگوں کی مسلسلہ اطلاعات سے اچھا اثر لیتے ہوئے ہیتھم (Hethum) اوّل نے شام اور ایشیائے کوچک کے مسلمانوں کے خلاف بحیرہ روم کے ساحلوں پر مغلوں کے پیش رو کے طور پر کارروائی کی، لیکن ازمینوں کے اس فعل نے بجائے خود مسلمانوں کے غیظ و غضب کو برانگیختہ کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب مملوکوں نے مغلوں کے خلاف جنگ کا آغاز کیا تو سلطنت کیلیکیا کی سرکوبی ان کے بڑے مقاصد میں شامل تھی۔ آٹھویں و چودھویں صدی میں مغل سلطنت کے انقراض سے ازمینی بے یار و مددگار رہ گئے اور کیلیکیا کی سلطنت کا صدر مقام سس (Sis) ۱۳۷۵ء میں مفتوح ہو گیا۔ نویں و پندرھویں صدی میں کیتھولیکوس (Katholikos) کے صدر مقام کو پیچھے ہٹا کر دریائے ارس کے قریب Etchmiadzin میں منتقل کر دیا گیا۔

تاہم ازمینیہ الکبریٰ میں صورت حال دیر تک موافق نہ رہی۔ ۱۳۰۰ء کے قریب مغل مسلمان ہو گئے اور اگرچہ ان کی رواداری اس سے متاثر نہیں ہوئی تو بھی کسی خاص حفاظت کا سوال باقی نہ رہا۔ علاوہ ازیں مغل حکومت نے ازمینیہ میں خانہ بدوش عنصر کی مقدار بڑھا دی تھی، بالخصوص ترکمان عنصر کی، جس سے کاشت کاروں کو، جو زیادہ تر ازمینی تھے، بہت نقصان پہنچا۔ بعد میں ازمینیہ الکبریٰ کو اپنے ہمسایہ ملکوں کے ساتھ تیمور کا ہند حملہ برداشت کرنا پڑا اور نویں و پندرھویں صدی میں آق قویونلو [رتک بان] کے ترکمان خاندان کی سرکردگی میں ایک پائدار اور بخوبی منظم ریاست کا قیام ازمینی قوم کے سابق اقتدار کو بحال کرنے کے لیے کافی ثابت نہ ہوا۔ اب بہت سے ازمینوں نے دوبارہ نقل وطن شروع کیا۔ اس مرتبہ زیادہ تر بحر اسود کے شمال میں واقع علاقوں کی طرف۔ عثمانی ترکوں اور صفویوں کے مابین جنگیں اب بھی ازمینی سرزمین پر لڑی جاتی تھیں اور بعد میں آذربائیجان کے ازمینوں کے ایک گروہ کو فوجی تحفظ کے ایک اقدام کے طور پر اصفہان اور دوسرے مقامات میں جلا وطن کر دیا گیا۔ نیم خود مختار ریاستیں آذربائیجان کے شمال

کے بعد کچھ عرصے کے لیے کیلیکیائی تاوروس سے لے کر ملطیہ تک تمام علاقے بشمولیت الرّھا و انطاکیہ ایک سابق ازمینی۔ بونٹلی سپہ سالار فلیرٹس (Philaretos) کی سرکردگی میں دوبارہ متحد ہو گئے، جس کے اخلاف صلیبی جہادین کی آمد کے وقت تک تاوروس میں بمقام الرّھا و ملطیہ ترکی سیادت کے تحت اپنی جگہ پر بدستور قائم تھے۔ اس وقت شامی۔ عراقی سرحدوں کی ازمینی آبادیاں انطاکیہ اور الرّھا کی آزاد حکومتوں میں شامل کر لی گئیں، لیکن کیلیکیا میں ایک قومی حکمران خاندان، روپانی (Rupenians) نے بتدریج خود مختاری حاصل کر لی۔ اس کے عروج نے، جو ۱۱۹۰ء میں لیو (Leo) اعظم کے شاہی لقب کے تسلیم کیے جانے سے مؤکد ہو گیا، اتنے ازمینوں کو اپنی جانب کھینچ لیا کہ یہ علاقہ بجاطور پر ازمینیہ الصغریٰ کہلا سکتا تھا۔ یہاں ہمارے لیے بالترتیب اس خاندان کی تاریخ بیان کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ محض اس واقعے کی جانب توجہ دلانا ہے کہ اپنے ہمسایوں اور مخالف طبقوں کے خلاف جدوجہد نے شہزادہ ملخ (Mleh) کو وقتی طور پر (۱۱۷۰-۱۱۷۴ء) اس پر آمادہ کر دیا کہ وہ اسلام قبول کر لے تاکہ اس طرح وہ نور الدین [رتک بان] کی حمایت حاصل کر سکے، نیز یہ کہ ساتویں و تیرھویں صدی میں ایک نئے طویل عرصے کے لیے جدید ہیتھومی (Hethumian) خاندان کے عہد میں اس سلطنت کو ایشیائے کوچک کے سلجوقیوں کے خلاف سخت جنگیں کرنا پڑیں اور بعض وقتوں میں ان کی ایک مبہمی اطاعت بھی اختیار کرنا پڑی (قبّ: مقالہ از Amer. Numismatic Society, P. Bedoukian کے لیے زیر اشاعت ہے)۔

باہر ہر جب ایک مرتبہ شروع کی تباہی کا دور ختم ہو گیا اور پائدار ریاستوں کی تنظیم ہو گئی تو مسلم اقتدار کے ماتحت ازمینوں کی حالت اس سے چنداں بدتر نہ تھی جیسی کہ وہ اس سے پہلے کی مسلم حکومتوں کے ماتحت رہی تھی۔ اگر ملک شاہ سے بالکل قطع نظر کر لی جائے، جس کی تعریف و توصیف کرنے میں ازمینی مؤرخین رطب اللسان ہیں، تو بھی یہ کہنا دشوار ہے کہ اس زمانے میں ایشیائے کوچک کی ریاستوں کو کسی طرح کی بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، جہاں ایک کلیسائی تنظیم، خانقاہیں اور کچھ ثقافتی سرگرمی باقی رہ گئی تھی (قبّ مثلاً S. Der Nersessian: Armenia and the Byzantine Empire, ہارورڈ (Harvard) ۱۹۳۷ء، ص ۱۳۳) اور بڑے ازمینی شہر جیسے کہ ارزنجان اور ارز روم برقرار تھے۔ ڈرامائی نوعیت کے جو بھی واقعات ظہور میں آئے وہ خاص اسباب کا نتیجہ تھے۔ ان میں سب سے پہلے ۱۱۸۰ء کے قریب جبل سسون کے ازمینوں کا قتل عام تھا، جو اس علاقے کے تقریباً خود مختار ترکمانوں اور کردوں کے درمیان فتنہ و فساد کا نتیجہ تھا اور بالخصوص الرّھا کی عیسائی آبادی کے ایک حصے کا اس موقع پر قتل عام جب یہ شہر زندگی نے ۱۱۴۴ء میں اور نور الدین نے ۱۱۴۶ء میں فرنگیوں (Franks) سے دوبارہ فتح کیا۔

بنیادی طور پر صحیح بات یہ ہے کہ ازمینوں نے مختلف اوقات میں اپنے مسلم

میں، محمد ثانی اور سلیم اول کے عہد میں۔ بالآخر وہ پورے ارمینیہ، کلاں (Grosso) وخرد (modo) کے، جو ایک دوسرے سے زیادہ تر دریائے فرات کی بالائی شاخوں کے ذریعے الگ ہیں، مالک بن گئے، سوائے ایرانی و ترکی ریوان (Revan) میں واقع اریوان (Erivan یا زیادہ صحیح طور پر Erevan) کی ریاست کے، جو ایک ایسا خطہ ہے جس میں Eçmiadzin (ترکی میں اوچ کلیسا) کا بطریق مستقر اور ارمینیہ کے بادشاہوں کے قدیم دارالسلطنتوں کے آثار باقی ہیں۔ یہ خطہ جو وارے قفقاز میں وسطی الرّس (Araxes) پر واقع ہے اور جس کے بارے میں ایک طویل عرصے تک ترکوں اور ایرانیوں میں تنازع رہا، ترکمان چای کے صلح نامے (کیم فروری ۱۸۲۸ء) کی رو سے روسیوں کے سپرد کر دیا گیا، جنھوں نے اس وقت سے اس علاقے میں ارمینیہ کی سوویت فیڈرل ری پبلک بنا دی ہے۔ اس خطے کے جنوب میں کوہ اراراط (ترکی میں اُغری طاغ؛ ارمن میں مصیص (Masis) واقع ہے، جس پر مغربی سیاح جماعتیں وقتاً فوقتاً کشتی نوح^{۱۱} کے باقیات تلاش کرتی رہی ہیں اور انھیں پالینے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ یہ وہ نقطہ ہے جہاں ترکی، ایرانی اور روسی سرحدیں باہم ملتی ہیں۔

اس کے برعکس قارص کا صوبہ، جو ۱۸۷۸ء میں روسیوں کے حوالے کر دیا گیا تھا، ترکی نے ۱۹۱۸ء میں دوبارہ حاصل کر لیا۔

ترکی حکومت کی لغت میں — خاص طور سے اصلاحات کے اس لائحہ عمل کے سلسلے میں جس کا وعدہ پورپی طاقتوں سے کیا گیا تھا — اصطلاح ”ولایت ستہ“ یا ”چھٹے صوبے“ (یعنی ارمنوں سے آباد) اختیار کی گئی، جو یہ ہیں: وان، بتلیس (متبادل بہ موش)، ارزروم، خرپوت، سیواس اور یار بکر۔ اس نام میں مرعش (Mar‘ash) کی سنجین کو نظر انداز کر دیا گیا، جو حلب کی سابقہ ولایت کا ایک حصہ تھی اور اسی طرح آدنه (کیلیکیا (Cilicia) یا ارمینیہ الصغریٰ، اس اصطلاح کے محدود مفہوم میں) کی سابق ولایت کو بھی۔

ترکی اقتدار کا نتیجہ یہ نہیں ہوا کہ ارمنی ترکوں میں گھل مل جاتے، کیونکہ مذہب کے فرق کی وجہ سے ان کی علیحدہ حیثیت محفوظ رہی؛ اگرچہ بہت سے ارمنوں، خصوصاً مردوں اور رومن کیتھولک لوگوں نے ترکی کو اپنی دوسری بلکہ پہلی زبان کے طور پر اختیار کر لیا۔

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد ارمنی قوم کی زندگی میں ایک اہم تغیر واقع ہوا۔ ۱۴۵۳ء تک اس ملک کی قیادت تین بطریق یا Kathohikos (Katho-likos) کرتے تھے، یعنی ۱۔ Eçmiadzin کا بطریق، جو ۱۴۴۱ء سے اس خانقاہ میں بحال کر دیا گیا تھا؛ ۲۔ کیلیکیا میں واقع سس (Sis موجودہ Kozan) کا بطریق، جو اس شہر میں ۱۲۹۲ء سے مقیم رہا تھا اور اول الذکر کو تسلیم نہیں کرتا تھا؛ ۳۔ اُغترمز (جھیل وان میں ایک چھوٹے سے جزیرے) کا بطریق؛ ۱۱۱۳ء سے یروشلم کے ارمنی اسقف کو بھی بطریق کے القاب اور نشانات حاصل ہیں۔

بوزنطہ کی فتح کے بعد سلطان محمد ثانی نے اپنے سیاسی نظریات کی مطابقت

کی طرف قرہ باغ کے پہاڑوں میں متبدل حالات و کوائف کے ساتھ باقی رہیں لیکن اٹھارہویں صدی میں ان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

مآخذ: (علاوہ عمومی تصانیف کے): گیارہویں صدی سے لے کر پندرہویں صدی تک کی مشرق قریب کی تاریخ سے متعلق سب زبانوں میں جو عام مآخذ ہیں ان کا یہاں ذکر نہیں کیا جائے گا۔ ان کا مطالعہ صلیبی جنگوں کے ضمن میں *Syrie du Nord* میں، جس کا ذکر نیچے کیا گیا ہے، مل جائے گا، (ص ۱۰۰-۱۰۱)۔ یہاں بارہویں اور تیرہویں صدی کے ارمنی مؤرخین کی جانب خاص طور پر توجہ مبذول کرانی جائے گی، خصوصاً اٹھارہویں صدی کے متی (Matthew) اور گنام ”شاہی مؤرخ“ کی جانب، جن سے مذکور زیر Alishan نے اپنی تصانیف میں استفادہ کیا ہے (متن کی ایک طبع سکیٹر (Skinner) نے تیار کی ہے) اور مغل فتح کے زمانے کی ارمینیہ الکبریٰ کے مؤرخین کی جانب بھی۔ مؤرخ الذکر میں سے *History of the Nations of the Archers*، جسے عرصے تک راہب ملاکی (Malachi) کی جانب منسوب کیا جاتا رہا تھا، اس کے مرتبین و مترجمین R. N. Frye اور R. P. Blake (در *Harvard Journal of Asiatic Studies*، ج ۱۲، ۱۹۳۹ء) نے اس کے حقیقی مصنف Akanc کے Gregory کے نام سے دوبارہ منسوب کیا ہے۔ قرون وسطیٰ کی آخری دو صدیوں کے لیے صرف ایک قابل ذکر ارمنی تذکرہ موجود ہے، یعنی Medzoph کے ٹامس (Thomas) کا، جس کا ایک حصہ F. Nève کی کتاب *Exposé des guerres de Tamerlan* etc. (برسلز ۱۸۶۰ء) میں فرانسیسی زبان میں دستیاب ہو گیا ہے۔ (صفوی عہد کے لیے دیکھیے تریز کے اَرکل (Arakel) کی تصنیف، مترجمہ M. F. Brosset، بعنوان *Collection d' Auteurs arméniens*، ج ۱)۔

(ب) جدید تصانیف: (۱) *Byzance et les Turcs*: J. Laurent (۱)۔
Seldjoudes: Cl. Cahen (۲)؛ ۱۹۲۰ء؛
La première pénétration: Cl. Cahen (۳)؛ ۱۹۲۸ء؛
turque en Anatolie, Byzantion؛ ۱۹۳۰ء؛
du Nord à l'époque des Croisades؛
History of the Runciman اور فلا ڈیلینا کی؛
Crusades، جس کی تصنیف میں متعدد مصنفین شریک تھے؛ (۵) L. Alishan؛
Sissouan، فرانسیسی ترجمہ، وینس ۱۸۹۹ء؛ (۶) *Recueil des Historiens*؛
des Croisades، ج ۱، مقدمہ، از- O. Turan؛
urier Studia؛ زمانہ حال کے دیگر مخصوص مطالعات میں (۷) *Les Seldj- oucides et leurs sujets nonmusulmans*؛
Islamica، ج ۱، ۱۹۵۳ء۔

(CL. CAHEN)

۲۔ عثمانی ترکی ارمینیہ

عثمانی ترکوں نے مغربی ارمینیہ کو چودھویں صدی کے آخری دس سالوں میں بایزید اول کے عہد میں فتح کیا اور مشرقی ارمینیہ کو اس کے بعد کی دو صدیوں

دارالشفاء میں ان کی خانقاہ قائم ہو گئی۔ Mechitar کی وفات کے بعد اختلاف پیدا ہو گیا اور کچھ پادری ٹریسٹ (Trieste) چلے گئے اور بعد ازاں وی انا (۱۸۱۰ء)۔ پیڈوا (Padua) میں بھی اس جماعت کی ایک معاون شاخ تھی، جو پیرس میں منتقل ہو کر وہاں بیس سال تک موجود رہی۔ Mechitar کی جماعت کے پاس بیش قیمت کتب خانے (بہت سے مشرقی مخطوطات) اور مطابع تھے۔ ان مطابع سے وہ تاریخ اور فلسفہ لغات سے متعلق کتابیں شائع کرتے تھے، جن میں ترکی اور ارمنی دونوں زبانوں کے مطالعات کو جگہ دی جاتی تھی۔

Mechitar کے دور زندگی ہی میں کیتھولک جماعت کی انتہائی متعصب تبلیغ نے، جو ارمنی قوم کے سب سے زیادہ دولت مند اور سب سے بڑھ کر روشن خیال طبقے میں کامیابی حاصل کر رہی تھی، گریگری (Gregorian) عقیدے کے بطریقوں میں ایک زور دار رد عمل پیدا کر دیا تھا۔ مؤخر الذکر کو ترکی حکومت کی تائید حاصل تھی، جو ان ”فرنگی سازشوں“ کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی تھی۔

ارمنی کیتھولک فرقے کے لوگوں میں شہادت کے دل دادہ افراد موجود تھے، جنہوں نے اپنا عقیدہ ترک کرنے میں ہر حالت میں انکار کیا، جیسا کہ ڈرگومیداس (Der Gomidas) یا Don Cosme اور اس کے دو بیرووں نے کیا (۱۷۰۷ء)۔ وہ Carbo gnano کے Cosme Comidas کا دادا تھا، جو ہسپانوی سفارت میں ترجمان اور اطالوی زبان میں ترکی نحو کی ایک کتاب کا مصنف تھا (روم ۱۷۹۳ء)۔ ۱۷۹۰ء میں کیتھولک مذہب والوں نے مزید مظالم برداشت کیے، یہاں تک کہ ۱۸۱۵ء اور ۱۸۲۸ء میں بانی اصلاحات سلطان محمود ثانی کی حکومت کے دوران میں بھی۔

اس کے برعکس انھوں نے فرانسیسی سفر اور یسوعیین کو اپنا مددگار پایا۔ غیر دوران اندیش M. de Ferriol نے باپ عالی سے بطریق Avedis کے اخراج کی منظوری حاصل کر لی، جو کیتھولک فرقے کے لوگوں سے عناد رکھتا تھا، جس کے بعد مؤخر الذکر کو اغوا کر لیا گیا اور باسٹیل (Bastille) میں قید کر دیا گیا۔ اس نے ۱۷۱۱ء میں پیرس میں François Pétis de la Croix کے مکان میں وفات پائی؛ اسی زمانے میں یسوعیین نے ارمنی مطبع کو بند کر دیا۔

۱۸۳۰ء میں جنرل Guilleminot نے، جو فرانسیسی سفیر بھی تھا، کیتھولک فرقے کے لوگوں کے لیے ایک علیحدہ کلیسائی نظام کی منظور حاصل کر لی اور ۱۸۶۶ء میں Mgr. Hassun نے، جو پہلے ہی قسطنطنیہ کا بطریق (Vicar) تھا، تمام ترکی سلطنت کے لیے کیلیکیا (Cilicia) کے کیتھولک۔ ارمن بطریق کا لقب اختیار کیا۔

ارمنی بغاوتوں کو کس سبب سے منسوب کیا جائے؟ ان کا سبب یقیناً ماڈی منفعت کا خیال نہیں ہو سکتا۔ غیر جانب دار Ubicini (کتاب مذکور، ۲: ۳۷۷) نے لکھا ہے: ”ان سب قوموں میں جو باپ عالی کی حکومت میں ہیں ارمنی ایک ایسی قوم ہیں جن کے بیشتر مفاد ترکوں سے مشترک ہیں اور جو ان مفادات کو برقرار

میں بروسہ کے ارمنی اسقف جو ایشم (Joachim) کو استانبول طلب کیا اور اس کا تقریر بطریق کے طور پر ان سب مراعات کے ساتھ کر دیا جو یونانی اور تھوڈوکس (Orthodox) کلیسا کے بطریق کو حاصل تھیں۔ اس طرح ارمنی قوم (ترکی: ملت) کی تشکیل ہوئی۔ ایک مجلس اہل کلیسا کی اور ایک عوام کی اس بطریق کی مدد گاہ تھی، جس کا انتخاب معمولی اسقفوں سے بالاتر ”Prelates“ میں سے کیا جاتا تھا اور جو مزخستہ کہلاتا تھا، جس کا صحیح مفہوم ہے ”ولی پجاری“ (سر پانی مارقتہ سے، ترکی۔ عربی لفظ، مَرخَصہ سے اشتقاق کو رد کر دینا چاہیے)۔ قسطنطنیہ کے بطریق کی جائے سکونت قیو محلہ ہے۔

اس وقت سے ارمنوں کی حالت بہتر ہو گئی اور آگے چل کر وہ ترکی میں ایک اہم حیثیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، خصوصاً بینکرز (bankers) (حزاف، صحیح مفہوم میں money changers) کے طور پر۔ Ubicini (Letters sur la Turquie، ۱۸۵۴ء، ۲: ۳۱۱-۳۱۴) نے ان کی اس حقیقت مستحکم حیثیت کے بارے میں بعض دلچسپ تفصیلات دی ہیں، جو انھیں ترکی صوبائی حکام اور بالعموم ترکی حکومت سے معاملات طے کرنے میں حاصل ہو گئی تھی۔ وہ تاجر بھی تھے (زیادہ تر کپڑے کے تاجر) اور مستعد کارواں سالار، جو استانبول، مالدیویا، پولینڈ (Lemberg اور Lwów)، نورنبرگ، بروجس اور اینٹورپ کے درمیان روابط قائم رکھتے تھے۔ صناعوں کی حیثیت سے یہ لوگ معمار، رنگ ساز، ریشمی کپڑے تیار کرنے والے اور طباعت کا کام کرنے والے تھے (استانبول میں ارمنی مطبع ۱۶۷۹ء میں قائم ہوا)۔ یہودیوں کی طرح وہ نوجوان ترکوں کے انقلاب تک فوجی خدمت سے مستثنیٰ تھے۔

ترکی ارمینیہ کی تاریخ میں اہم ترین واقعات حسب ذیل ہیں:

(۱) مذہبی تفرقہ: اس کا نتیجہ ایک Uniate کیتھولک فرقے کی تشکیل اور [عقائد کی بنا پر] اندرونی ظلم و تعدی کی شکل میں ظاہر ہوا (پروٹسٹنٹ تبلیغ کو اس میں نسبت کم دخل تھا)؛

(۲) انقلابی سرگرمی؛

(۳) جبروت شد اور قتل عام؛

بارھویں صدی سے ارمینیہ میں رومن کیتھولک تبلیغ وقتاً فوقتاً کامیاب ثابت ہوتی رہی تھی۔ اس کی تجدید فلورنس کی عالم گیر کلیسائی مجلس (۱۴۳۸-۱۴۴۵ء) نے اور ۱۵۸۷ء میں مشہور و معروف پوپ سکسٹس کوئینٹس (Sixtus Quintus) نے شام کے ارمنوں میں کی، لیکن اس کا سب سے زیادہ باقوت محرک Mechitar (متولدہ ۱۶۷۵ء موتی ۱۷۴۹ء) کی شکل میں رونما ہوا۔ یسوعیین کے اثر سے کیتھولک مذہب قبول کر کے وہ ایک نمایاں مذہبی جماعت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا، جو اس کے نام سے موسوم تھی۔ وینس کی جمہوریہ نے ۱۷۱۷ء میں Mechitar کی جماعت کے لوگوں کو لیدو (Lido) کے قریب واقع سینٹ لازار (St. Lazare) کا چھوٹا سا جزیرہ دے دیا، جہاں ایک قدیم جذامی

باہر دھکیل دیا گیا (ترکی نے اُرمینی جمہوریت سے باطوم کا معاہدہ ۴ جون ۱۹۱۸ء کو طے کیا۔) ۱۹۲۰ء میں مصطفیٰ کمال پاشا نے ایک بلا اعلان جنگ کی حالت کو ختم کرنے کے لیے جزل کاظم قرہ بکر کو، جس کے ہاتھ میں پندرہویں فوج کی کمان تھی، شمال مشرقی محاذ کی کمان سونپ دی۔ تاشناک (Tashnak) جماعت کی وفادار ”متحدہ اُرمینی جمہوریت“ کی فوجیں دوبارہ شکست کھا گئیں اور ۲ دسمبر ۱۹۲۰ء کے اگلز نڈروپولیس (Alexandropolis)؛ (ترکی میں گمر و Gümrü) موجودہ Leninakan) کے معاہدے نے ان فتوحات کی توثیق کر دی جو ترکوں نے حاصل کی تھیں، جن میں سب سے زیادہ اہم شہر قارص کی بازیابی تھی۔

مآخذ: جہاں تک معلوم ہے ترکی اُرمینیہ سے خاص طور پر متعلق کوئی بھی تصنیف کسی مغربی زبان میں موجود نہیں (اُرمینی زبان کی تصانیف تک مقالہ نگار کی رسائی نہیں ہے)۔ جو بھی معلومات موجود ہیں اور جن میں ایک سخت فرقہ دارانہ تعصب کی جھلک نمایاں ہے، وہ ترکی سے متعلق عام تصانیف میں ادھر ادھر سے ملتی ہیں۔ ان کتابوں کا ذکر کر دینا چاہیے: (۱) Voyage en Arm. et en: Amédée Jaubert (۱)؛ (۲) Comte de Cholet؛ (۳) La Soci-: André Mandelstamm؛ (۴) ۱۸۹۲ء؛ (۵) Perse armén.؛ (۶) ۱۹۲۵ء؛ (۷) آغاسی (Aghasi)؛ (۸) Zeitoun depuis les orig.؛ (۹) Archag Tchobanian؛ (۱۰) jusque à l'insurrection de 1895؛ (۱۱) The Arme-: L. Nalbandian؛ (۱۲) ۱۸۹۷ء؛ (۱۳) nian Revolutionary Movement؛ (۱۴) ۱۹۶۳ء۔ [قتل ہائے عام سے متعلق بکثرت تصانیف ہیں، جن میں سے محض حسب ذیل کا ذکر کیا جائے گا: (۱۵) Le tra-؛ (۱۶) itement des Armén. dans l'Emp. Ott.؛ (۱۷) ۱۹۱۶ء؛ (۱۸) از ”کتاب ازرق“ (Blue Book)؛ (۱۹) مع دیاچاز Viscount Bryce؛ (۲۰) ۱۹۱۶ء؛ (۲۱) La suppression des Armén: René Pinon؛ (۲۲) ۱۹۱۶ء؛ (۲۳) Les massacres d' Arménie: témoignages des victimes؛ (۲۴) دیاچاز G. Clemenceau؛ (۲۵) ۱۸۹۶ء؛ (۲۶) ۹) خاطر اب صدر اسبق کامل پاشا، ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء، طبع ثانی، ص ۱۸۲، بعد؛ (۲۷) سعید پاشاننگ کامل پاشا خاطر اتھ جواہلری، استانبول ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء، ص ۷۸، بعد۔

(J. DENY)

۳۔ تقسیم، نظم و نسق، آبادی، تجارت، قدرتی پیداوار اور صنعت و حرفت
(الف) تقسیم:

چونکہ اُرمینیہ کی وسعت اس کی علاقائی حدود کے اعتبار سے صدیوں کے دوران میں بہت تبدیل ہوتی رہی ہے اس لیے وہ ممالک جن میں اس نام کے ذیل میں آنے والے علاقے منقسم تھے ہمیشہ یکساں نہیں رہے۔ قدیم وقتوں میں اہل اُرمینیہ (دیکھیے Geogr. of the Pseudo-Moses Xorenaci،

رکھنے میں سب سے زیادہ براہ راست دلچسپی رکھتے ہیں“؛ (نیز دیکھیے Victor Bérard: La Politique du Sultan (عبدالحمید ثانی)، ۱۸۷۷ء، ص ۱۳۹)۔ سرکاری تحریروں میں اور یونانیوں اور مقدونیوں سے مقابلے کی صورت میں اُرمینوں کو ملتِ صادقہ (وفادار قوم) کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا تھا۔

اُرمینی بے چینی کے اسباب حسب ذیل تھے:-

۱۔ گرد اور چرکسی آبادکاروں کا پریشان کن اور تکلیف دہ برتاؤ اور لوٹ مار کی وہ حرکتیں جو ان سے سرزد ہوتی رہتی تھیں؛ ۲۔ ترکی حُکام کی لا پرواہی، ناجائز مطالبات اور تحصیل بالجبر؛ ۳۔ روسی ترغیب و تحریص، خاص طور پر ۱۹۱۲ء سے لے کر؛ ۴۔ حصول آزادی کا بڑھا ہوا شوق ایک ایسی قوم میں جو بالعموم جزی اور باہمت ہے، جو اس پر نازاں ہے کہ وہ دنیا کی قدیم ترین معلومہ اقوام میں سے ہے اور جو اب بھی حسرت و اشتیاق سے ان مختصر ادوار کو یاد کرتی رہتی ہے جن کے دوران میں وہ اپنی آزادی برقرار رکھنے میں کامیاب رہی تھی۔ بعض اضلاع تونی الواقع اپنی آزادی قائم رکھنے میں کامیاب بھی رہے، مثلاً زیتون (اب سلیمانلی، مرعش کی موجودہ ولایت میں) کے ناقابلِ تسخیر پہاڑی، ہاچن (Haçin) (اب سائیم بیلی (Saimbeyli) سیجان کی موجودہ ولایت میں) اور ساسون (Sasun) کا بل جوز (Kabilcoz)، سحر (Siirt) کی موجودہ ولایت میں)؛ ۵۔ انقلابی جماعتوں کی سرگرمیاں، جو بعض دفعہ خاص طور پر بے باکانہ ہوتی تھیں، جیسے کہ روز روشن میں چوبیس اُرمینوں کے مسلح حملے اور غلاطہ (Galata) میں ترکی بنک کے محاصرے (۲۶ اگست ۱۸۹۶ء) کا واقعہ، انتہا پسند یا دہشت پسند انقلابی شخصیتوں (Tashnaksutyun) کہلاتے تھے۔ ایک نسبتاً اعتدال پسند جماعت ہنچاک (Hinçak) بھی موجود تھی، جسے ۱۸۹۷ء میں پیرس میں قفقاز سے آئے ہوئے ایک اُرمینی ایدس نذر بک (Avedis Nazarbek) نامی نے بنایا تھا۔

یہ سب اسباب ظلم و ستم کی ایک شدید مہم کا باعث یا بہانہ بن گئے، جس نے بڑے پیمانے پر لوگوں کی جلاوطنی اور قتل عام کی شکل اختیار کر لی۔ حُکام کی چشم پوشی یا ان کے ایما سے مذہبی تعصب اور قومی تنفر کا ایک طویل اور متعدد ہی پیمانے ایسے لوگوں میں پیدا ہو گیا جو طبعاً نہ صرف نرم دل واقع ہوئے تھے، بلکہ کمزوروں کی مدد و حمایت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ترکی میں اُرمینوں کی مظلومیت ارز روم کے معاملے (۲۵ فروری ۱۸۹۰ء) سے شروع ہوئی۔ یہ متعدد ہجراتوں سے گزری، بالخصوص ۱۸۹۰-۱۸۹۶ء اور ۱۹۰۹ء (آدنہ) میں، اور ۱۹۱۵ء میں پہلی عالم گیر جنگ کے دوران میں اُرمینوں پر اس باقاعدہ جو روتشد کی شکل میں جس کی تنظیم نوجوان ترکوں کی حکومت نے کی تھی، وہ اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔

۱۹۲۰ء کی اُرمینی-ترکی جنگ: ۱۹۱۹ء میں انقلابی تحریک سے متاثر روسی محاذ کے ٹوٹنے کے بعد، جوتری کی طر ابزون اور آرزنجان کی مغربی سمت سے گزرتا تھا، اور اے قفقاز کی حکومت کی مرثب کردہ فوج ہی کو زیادہ تر ترکی جوابی حملے کی روک تھام کرنا پڑی۔ اس فوج کو ہزیمت ہوئی اور اسے ترکی علاقے سے

چہارم: جنوب مغربی خطّ مع شمشاط (Arsamosata)، قالیقلا، اُخلاط اور اُر جیش۔ مزید براں جب عرب مصّنفین (الشّریشی، ۲: ۱۵۶ و البوالقداء: تقویم، ص ۳۸۷ = البیعوبی: بلدان، ص ۳۶۲، ۵، ۱۲) آرمینیہ کی تین حصّوں میں تقسیم کا ذکر کرتے ہیں، جو جستینین (Justinian) سے پہلے کی مروجہ تقسیم کی ہو، ہو نقل ہے، تو اس میں مشمولہ اضلاع کے شمار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم محض آرمینیہ دوم کے مکمل اخراج سے حاصل کی گئی ہے۔

آرمینیہ کی قبل اسلام تقسیموں کے بارے میں دیکھیے Die :H. Gelzer Genesis der byzantinischen Themenverfassung، لاپزنگ ۱۸۸۹ء، ص ۶۶، اور اسی عالم کی مرتبہ جارج (George) قبرصی کی کتاب (Lipsiae ۱۸۹۰ء)، ص xivi، بعد (طبع E. Honigmann، بروسلز ۱۹۳۹ء، مع Hié-roclés :Synecdemus، ص ۴۹-۷۰)، اور عرب دور کے لیے: Ghazarian، در Zeitschr. für arm. Philol.، ۲: ۲۰۷-۲۰۸؛ Thopd-schian، در Mitteil. des Semin. für orient.، ۲: ۵۵؛ Sprachen L' Arménie entre: J. Laurent، ۲: ۱۳۷؛ Histoire :R. Grousset، بعد: ۲۹۹؛ de l' Arménie، ص ۲۳۹۔

(ب) ملکی نظم و نسق:

عرب عہد کے دوران میں آرمینیہ کی داخلی صورت حال کے بارے میں دیکھیے خاص طور پر Ghazarian: کتاب مذکور، ۲: ۱۹۳-۲۰۶؛ Thopds-chian: کتاب مذکور، ۲: ۱۲۳-۱۲۷؛ Laurent: کتاب مذکور، متفرق مقامات۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سرزمین ہمیشہ ایک الگ صوبے کے طور پر نہیں رہی، بلکہ بسا اوقات ایک ہی حکومت کے ماتحت آذربائیجان یا الجزیرہ سے ملحق کر دی جاتی تھی۔ اس کا حاکم (عابلی یا والی)، جس کا تقرر بالعموم خلیفہ خود کرتا تھا، اریوان کے جنوب میں دریائے ارس کے قریب ڈوین میں رہتا تھا، جو پہلے بھی، یعنی مسلم فتح سے قبل، ایک ایرانی مرزبان کا مستقر رہ چکا تھا۔ حاکم کا بڑا فرض منصبی ملک کو اس کے بیرونی اور اندرونی دشمنوں سے بچانا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس کے زیر فرمان ایک فوج رہتی تھی، جو خاص آرمینیہ میں نہیں بلکہ آذربائیجان میں متعین تھی (مرآئہ اور اُر ڈیبل بڑے فوجی مرکز تھے)، اور سب باتوں سے بڑھ کر حاکم کو لگان کی باقاعدہ ادائیگی کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ عرب اندرونی نظم و نسق سے کوئی واسطہ نہ رکھتے تھے۔ اسے متعدد مقامی امرا (آرشی: انخنان اور خزر، یونانی: archōn، عربی: بطریق، Patrikios) پر چھوڑ دیا جاتا تھا، جو عرب حملے کے بعد بھی اپنے تمام مقبوضات پر بدستور متمکن اور اپنی علاقائی حدود کے اندر ایک قسم کی خود مختاری سے بہرہ ور رہے۔ عباسی عہد سے لے کر ان میں سے ہر ایک امیر کا یہ بھی فرض تھا کہ جنگ کی صورت میں بغیر معاوضے کے فوج کا ایک دستہ مہیا کرے۔

خلفا کی سلطنت کے صوبوں میں آرمینیہ ایک ایسا علاقہ تھا جس پر لگان عائد

ص ۶۰۶) نے اس سرزمین کو دو غیر مساوی حصّوں میں جدا کر دیا تھا: Mez-Haik (آرمینیہ الکبریٰ) اور Pokr-Haik (آرمینیہ الصغریٰ)۔ آرمینیہ الکبریٰ، یعنی آرمینیہ خاص، مغرب میں دریائے فرات سے لے کر مشرق میں دریائے گر (Kur) کے نواح تک پھیلا ہوا تھا اور پندرہ صوبوں میں تقسیم تھا۔ آرمینیہ الصغریٰ دریائے فرات سے لے کر دریائے ہالس (Halys) کے چشموں تک چلا جاتا تھا۔ اہل عرب بھی اس دوگانہ تقسیم سے واقف تھے (دیکھیے مثلاً یاقوت، ۱: ۲۲۰، ۱۳)۔ اس کے باوجود انھوں نے آرمینوں، روسیوں اور بوزنطیوں سے تفریق برتتے ہوئے آرمینیہ کے نام کو دریائے گر اور بحر خزر (Caspian Sea) کے درمیان واقع تمام علاقے پر وسعت دے دی، یعنی وہ جُزران (Georgia, Iberia)، اژان (البانیا) اور دربند (باب الابواب) کے درے تک قفقاز کے پہاڑی علاقوں پر بھی اس کا اطلاق کرنے لگے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس ملک (قفقاز) کی تاریخ سے بالخصوص مسلمانوں کے خلاف کشمکش کے معاملے میں۔ یہ منکشف ہوتا ہے کہ وہ آرمینیہ کی تاریخ سے قریبی طور پر منسلک ہے، آرمینیہ الکبریٰ سے عربوں کی مراد (دیکھیے یاقوت: کتاب مذکور) خاص طور پر ان اضلاع سے تھی جن کا مرکز خلات (اُخلاط [رت بان] ہے، بحالیکہ آرمینیہ الصغریٰ کے نام کا اطلاق وہ تَفَلِیس (یعنی گرستان یا جارجیا) کے علاقے پر کرتے تھے۔ ابن حوقل (طبع ڈجوئیہ (de Goeje)، ص ۲۹۵) آرمینیہ خاص (البانیا اور آئی بیرو یا کو مستثنیٰ کرتے ہوئے) کی ایک اور تقسیم سے بھی واقف تھا، یعنی اندرونی (آرمینیہ الداخلہ) اور بیرونی (آرمینیہ الخارجہ)۔ اوّل الذکر میں دَبیل (Dabil)، ڈوین (Dwīn)، نَشَوَان (نَشَوَان Nakhčawān)، قالیقلا، جو بعد میں اَرزَن الرُّوم (Karin) کہلایا، کے اضلاع شامل تھے اور موخّر الذکر میں تحصیل وان کا علاقہ (برکری، Berkri)، اُخلاط، اُر جیش، و سطان وغیرہ)۔

اس تقسیم کے علاوہ قدیم وقت سے ایک اور تقسیم بھی موجود تھی، جسے بوزنطیوں نے اختیار کر لیا تھا (جستینین Justinian) کی تقسیم ۵۳۶ء میں، اور جو Maurice کی داخل کردہ تبدیلیوں کے ساتھ عرب حملے تک قائم رہی۔ اس نظام (آرمینیہ اوّل، دوم، سوم، چہارم) کو بھی عربوں نے قبول کر لیا، لیکن ان چار مجموعوں میں مختلف اضلاع کو شامل کرنے میں عربوں نے اپنے پیش روؤں سے اس قدر نمایاں طور پر انحراف برتا ہے کہ اس عدم مطابقت کی توجیہ صرف یہ فرض کر لینے سے ہو سکتی ہے کہ عربی فتح کے بعد اضلاع کی ایک نئی تقسیم وقوع میں آئی ہو گی۔ علاوہ ازیں خود عرب مؤرخین اور جغرافیہ نویسوں کی فراہم کردہ معلومات آپس میں بہت اختلاف رکھتی ہیں۔ عرب تقسیم کی جدول بنیادی طور پر یوں ہے:-

(۱) آرمینیہ اوّل: اژان (البانیا) مع دارالسلطنت بَرْدَع اور گر اور بحر خزر کے درمیان کا علاقہ، (شروان)؛ (۲) آرمینیہ دوم: جُزران (Georgia)؛ (۳) آرمینیہ سوم: مشتمل بر وسطی آرمینیہ خاص مع اضلاع دَبیل (ڈوین)، بَسْفَر جان (Vaspurakān)، بَغْرَوْنْد اور نَشَوَان (نَشَوَان Nakhčawān)؛ (۴) آرمینیہ

میں کانٹے، کی طرح تھا، کیونکہ یہ ان کے اپنے اقتدار کے استحکام اور اس کی توسیع میں خلل ہوتا تھا (دیکھیے ان نوآبادیوں کے بارے میں خاص طور پر Thopdschian: کتاب مذکور، ۱۹۰۴ء، ۲: ۱۱۵؛ Sūdarmenien: Markwart، ص ۵۰۱؛ بعد، اور دسویں صدی میں ان کی جاے وقوع کے بارے میں M. Canard: Histoire de la dynastie des Hamdānides، ص ۴۷۱-۴۸۷)۔

انیسویں صدی کی روسی-ایرانی اور روسی-ترکی جنگوں کے بعد ترکی، روس اور ایران آرمینی سرزمین پر قبضے میں شریک ہو گئے؛ چنانچہ ۱۹۱۳-۱۹۱۸ء کی جنگ تک ایک ایرانی، ایک روسی اور ایک ترکی آرمینیہ موجود تھا۔

ایرانی آرمینیہ:

تینوں میں سب سے چھوٹے حصے میں، جس کا رقبہ تقریباً پندرہ ہزار مربع کلومیٹر ہے؛ اس میں صرف چند اضلاع شامل ہیں اور جو روسی آرمینیہ کا گویا ایک ضمیمہ ہے۔ سیاسی حیثیت سے یہ آذربائیجان کے صوبے سے متعلق ہے۔ مغرب کی جانب یہ وان کی ترکی ولایت سے جا ملتا ہے، بحالیکہ شمالی سمت میں روس کے بالمقابل دریائے ارس تقریباً ۱۷۵ کلومیٹر کے فاصلے تک سرحد کا کام دیتا ہے، یعنی اراراط (کوہ جودی) کے مشرقی دامن سے لے کر اورداباژ (Ordübādh) تک۔ سب سے بڑا شہر خوی (Khoy) ہے۔ اس کے علاوہ ماکو (Maku)، چورس (Çors) اور مرند (Marand) بھی قابل ذکر ہیں۔ مجموعی طور پر ایرانی آرمینیہ وِسپَرُکان (عربی: بَسْفَرُجان) کے قدیم آرمینی صوبے سے مطابقت رکھتا ہے۔ اصفہان میں بھی ایک آرمینی آبادی موجود ہے، جو جُلْفہ [رَت بَان] کے ان باشندوں پر مشتمل ہے جنہیں ۱۶۰۵ء میں شاہ عباس اول کے حکم سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

۲۔ روسی آرمینیہ:

۱۹۱۳-۱۹۱۸ء کی جنگ عظیم سے پہلے یہ ماورائے قفقاز کے صوبے کے جنوبی اور جنوب مغربی حصے پر مشتمل تھا اور تقریباً ایک لاکھ تین ہزار مربع کلومیٹر کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ اس میں ایران اور ترکی کی سرحد پر واقع علاقے شامل تھے اور خاص طور پر آریوان (ستائیس ہزار سات سو تہتر مربع کلومیٹر)، قازص (اٹھارہ ہزار سات سو انچاس کلومیٹر) اور باطوم (بچھے ہزار نو سو چھتر کلومیٹر) کی ریاستوں کا پورا علاقہ۔ گنجہ (Elizavetpol) اور تفلیس کی حکومتیں صرف اپنے جنوبی اور مغربی صوبوں میں آرمینی تھیں، اور کُتائیس (Kutaīs) کی حکومت کا صرف وہ حصہ آرمینی تھا جو دریائے ریون (Rion) کے دائیں کنارے پر واقع تھا۔ روسی آرمینیہ کے خاص قابل ذکر شہر یہ تھے: باطوم، حربی اور تجارتی اعتبار سے اہم اور اس نام کی حکومت کا صدر مقام؛ تفلیس کی حکومت میں اخلج [رَت بَان] اور اخل خلگی کے دو مستحکم مقامات؛ قازص کی حکومت میں اسی نام کا نہایت سنگین قلعہ، جو بطور ایک تجارتی مرکز بھی اہم تھا اور آردہان کا قدیم شہر، جو ایک بلند پہاڑی پر واقع ہے اور اول درجے کا مستحکم مقام ہے؛ اریوان کی حکومت میں، جس

کرنے میں اعتدال برتا گیا تھا۔ بجائے مختلف لگانوں (جزویہ، خراج وغیرہ، یعنی ضربہ راسی اور ضربیہ ارضی وغیرہ) کے یہاں نویں صدی کے شروع سے مقاطعے (بٹائی) کا نظام عائد کر دیا گیا تھا، یعنی آرمینی امرا کو ایک مقررہ رقم ادا کرنی پڑتی تھی۔ ابن خلدون نے ان رقوم کی فہرست دی ہے جو خلافت کے سب سے زیادہ خوش حال زمانے سے متعلق ہے۔ اس کی رُو سے ۱۵۸-۱۷۰ھ/۷۵-۷۷ھ-۷۸۶ء میں آرمینیہ (عربوں کے وسیع مفہوم کے مطابق) کے مداخل ایک کروڑ انیس لاکھ درہم، یعنی ایک کروڑ ساڑھے پینتیس لاکھ طلائی فرانک سے زائد تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے مداخل جنس کی شکل میں بھی تھے (قالین، نخر وغیرہ)۔ قدام کے بیان کے مطابق ۲۰۴-۲۳۷ھ/۸۱۹-۸۵۲ء میں لگانوں کی اوسط رقم صرف نوے لاکھ درہم تھی، اس سے زائد نہیں۔ ان کی ادائیگی سے متعلق سمجھوتوں پر بنو امیہ اور بنو عباس سختی سے کاربند تھے اور صرف یوسف بن ابی الساج نے ان کی خلاف ورزی کی۔ مالی معاملات کے بارے میں دیکھیے کریمر (A. von Kremer): Kulturgesch. des Orients، ۱: ۳۴۳، ۳۵۸-۳۶۸، ۳۷۷-۳۷۸؛ Ghazarian: کتاب مذکور، ص ۲۰۳؛ بعد؛ Thopdschian: کتاب مذکور (۱۹۰۴ء)، ۲: ۱۳۲؛ بعد۔ عربی نظام نقدی بھی آرمینیہ میں رائج کر دیا گیا تھا۔ بنو امیہ کی حکومت ہی میں وہاں سکے ڈھالے جانے لگے (دیکھیے Thopdschian، ۲: ۱۷۷؛ بعد)۔

یاقوت کے قول کے مطابق (۱: ۲۲۲، ۱۲) آرمینیہ میں چھوٹے بڑے اٹھارہ سو سے کم مقامات نہ تھے، جن میں سے (بقول ابن الفقیہ) ایک ہزار صرف دریائے ارس کے کنارے واقع تھے۔ عربی قرون وسطیٰ میں آرمینیہ خاص کے سب سے زیادہ اہم شہر یہ تھے: دَبیل (ذوین)، جو مسلم حکومت کے مستقر کی حیثیت سے پورے عہد خلافت میں دارالسلطنت کا کام دیتا رہا؛ اگرچہ اس زمانے میں وہ ایک بڑی آبادی کا شہر تھا تاہم موجودہ دور میں اس کی حیثیت ایک چھوٹے سے گاؤں سے بڑھ کر نہیں ہے؛ اس کے علاوہ قالین، جو بعد میں آرزَن الرُّوم کہلا یا، آرزَنجان، ملاذُ جرد (Manazkert، Mantzikert)، بٹائیس، اخلط (خلط)، آرزیش، نَشُوا (آرمینی Nakhčawān) آئی اور قازص (دیکھیے علیحدہ علیحدہ مادے)۔

خلفا کے زمانے میں آبادی کا بیشتر جزو آرمینی باشندے تھے، لیکن دَبیل، قالین، اور اسی طرح بَرْدَعہ، واقع آزان اور تفلیس، واقع جُزبان میں گنجان عربی نوآبادیاں تھیں، جو عرب اقتدار کے بڑے مرکز تھے۔ ان بڑے شہروں کے علاوہ عرب قبائل کی زیادہ پھیلی ہوئی نوآبادیاں بھی موجود تھیں، بالخصوص جنوب مغرب کی طرف اَلزَنک (آرزَن، واقع آرزین Arzanene) کے علاقے میں۔ بَجَوینس (آرمینی Apahunik)، جس کا صدر مقام ملاذُ جرد تھا، مشہور عرب قبیلہ فیس کی ایک شاخ کے زیر اقتدار تھا، جو جھیل وان کے شمالی کنارے پر بھی بعض جگہوں پر قابض تھی۔ بحرانی سلطنت کا فروغ ان مسلم نوآبادیوں کے لیے پہلو

بھی تسلیم کر لیا گیا۔ ہاں ہمہ صدر ولسن (Wilson) کی ثالثی، جس نے اس جمہوریہ کو طرابزون، ارزنجان، موش، ینلیس اور وان کے علاقے دے دیے تھے، ایک حرفِ مردہ بنی رہی، اس لیے کہ مصطفیٰ کمال کی حکومت نے دوبارہ جنگ شروع کر دی تھی اور ادھر سوویت حکومت نے قفقاز کو از سر نو فتح کر لیا۔ قازص اور پھر الیکزانڈروپول میں ترکوں کے داخلے کے بعد آرمینی جمہوریہ ترکی شرائط کو ماننے پر مجبور ہو گئی۔ ترکی نے قازص اور آذربان پر اپنا قبضہ باقی رکھا، اریوان کے جنوب مغرب میں واقع اغدیر کے علاقے کا الحاق کر لیا اور مطالبہ کیا کہ گنجان کے ضلع کو ایک خود مختار تاریخی ریاست میں تبدیل کر دیا جائے۔ اسی دن آرمینی جمہوریہ نے، جہاں کچھ عرصے پہلے ایک سوویت دوست جماعت کی تشکیل ہو چکی تھی، خود کو آرمینیہ کی سوشلسٹ سوویت جمہوریت میں تبدیل کر لیا۔ ۱۹۲۱ء کے روسی-ترکی معاہدوں نے قازص اور آذربان پر ترکوں کے قبضے کی توثیق کر دی، لیکن ترکی نے باطوم کو گرجستان کے سپرد کر دیا۔

آرمینیہ کی سوشلسٹ سوویت جمہوریت میں اریوان اور جھیل ہوان (Sevān) کے علاقے شامل ہیں، لیکن قرہ باغ اور گنجان، جو گورنی قرہ باغ (Nagorny Karabakh)، پہاڑی قرہ باغ کے خود مختار علاقے اور گنجان کی خود مختار سوویت سوشلسٹ جمہوریہ کے نام سے موسوم ہیں، آذربایجان کی سوویت سوشلسٹ جمہوریہ سے وابستہ ہیں، بحالیہ اخل خلگی، اخل ججج (Akhaltzike) اور باطوم کے ضلع، مؤخر الذکر آذربائی (Adjarie) کی خود مختار سوویت سوشلسٹ جمہوریت کی شکل میں، جارجیا کی سوویت سوشلسٹ جمہوریت کا ایک جزو ہیں۔ آرمینیہ کی جمہوریت میں بڑے شہر یہ ہیں: لیننا کان (سابق الیکزانڈروپول)، کروواکان (Kirovakan)، قدیم گنچہ (Elizavetpol) اور آلاوڑدی (Alaverdy)۔ سابق ترکی آرمینیہ، جسے اب اس نام سے موسوم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ ۱۹۱۵-۱۹۱۸ء کے اخراج آبادی اور قتل عام کے واقعات کی وجہ سے آرمینوں سے خالی ہو چکی ہے، قازص، آذربان اور اغدیر کے اضافے سے وسیع تر ہو گیا ہے۔

آبادی:

ایک طرف ترکی اور ترکمان قبائل کی پورش اور دوسری طرف (جنوب میں) کردوں کی پیش قدمی کی وجہ سے آبادی کی کیفیت میں قرون وسطیٰ کے دوسرے نصف حصے سے لے کر اس قدر گہری تبدیلی پیدا ہو گئی ہے کہ آرمینی جنہیں بجا طور پر اس نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے، اپنے وطن کے تمام رقبے میں کل آبادی کا ایک چوتھائی سے زائد نہ رہے۔ L. Selenoy اور N. Seidlitz کے اعداد و شمار کے مطابق (Petermann's Geogr. Mitt., ۱۸۹۶ء، ص ۱۰۰) جبکہ چونتیس لاکھ ستر ہزار آدمیوں میں سے، جو ماوراء قفقاز کے صوبوں میں پائے جاتے تھے، آٹھ لاکھ ستانوے ہزار (۲۷ فی صد) آرمین تھے۔ خالص آرمینی اضلاع میں بیس لاکھ باشندوں میں سے آرمینوں کی تعداد سات لاکھ ساٹھ ہزار (ایک تہائی سے کچھ زائد) تھی؛ تاہم اریوان کی حکومت میں جو آبادی تھی وہ چھپن فی صد آرمین تھی۔

کا بیشتر حصہ ایک زمانے میں ایران کے پاس تھا، خود اریوان کا شہر اور مغرب کی طرف اٹھارہ میل کے فاصلے پر ایچمیادزین (Echmiadzin) کی مشہور و معروف خانقاہ، جو اہل آرمینیہ کا مذہبی مرکز ہے؛ گنجان (نشوا [رتک بان])، جس نے اریوان کی طرح آرمینی تاریخ میں ممتاز حصہ لیا ہے، اور الیکزانڈروپول (Alexandropol) (قدیم گمری Gumri)، ۱۸۷۸ء تک ایک اہم سرحدی قلعہ اور بعد ازاں ایک ایسا شہر جو ریشم کی صنعت کے لیے مشہور ہے؛ ایلیزاوتپول (Elizavetpol) (قدیم گنچہ [رتک بان])؛ شوٹہ، قرہ باغ کے علاقے میں واقع اور گزشتہ زمانے میں ایک علیحدہ تاریخی ریاست کا دار الحکومت اور آرداباڈ (Ordubādh) کا سرحدی شہر، جو دریائے الرتس پر واقع ہے۔

ترکی آرمینیہ:

آرمینی سرزمین کا بیشتر حصہ، بلحاظ رقبہ روسی و ایرانی حصوں کے مجموعے سے بہت زیادہ بڑا، ترکوں کے ہاتھ میں پانچ سو سال تک رہا اور اس میں مندرجہ ذیل ولایتیں شامل تھیں: ینلیس، ارز روم، معمورۃ العزیز (موجودہ Elazığ، یعنی خڑپوت)، وان اور۔ اگرچہ جزوی طور پر۔ دیار کبر؛ مجموعی رقبہ تقریباً ایک لاکھ چھبیس ہزار پانچ سو مربع کیلومیٹر۔ اس کے اہم ترین شہر یہ تھے: سیواس، ارز روم، وان، ارزنجان، ینلیس، خردپوت، موش اور بایزید [رتک بانہا]۔

ایرانی آرمینیہ کو چھوڑ کر ۱۹۱۴ء کی جنگ نے اس صورت حال میں اہم تغیرات پیدا کر دیے۔ ۱۹۱۷ء میں قفقاز سے روسی سپاہ کی پسپائی کے بعد اس حکومت نے جو اس وقت آرمینیہ میں وجود میں آئی اور جو بجائے خود ماوراء قفقاز (گرجستان، آرمینیہ و آذربایجان) کی حکومت کا ایک جزو تھی ترکوں کے خلاف اس محاذ کی مدافعت کا کام اپنے ذمے لے لیا، لیکن برٹسٹ لٹوونسک (Brest-Litovsk) کی صلح کے بعد، جس سے ترکی آرمینیہ مع قازص و آذربان، جو اس سے پہلے ۱۸۷۸ء سے روسیوں کے ہاتھ میں تھے، ترکوں کو مل گیا۔ وہ اول الذکر کوزنجان اور ارز روم (فروری-مارچ ۱۹۱۸ء) اور پھر قازص (۲۵ اپریل) کو دوبارہ حاصل کر لینے سے نہیں روک سکی۔ ماوراء قفقاز کی حکومت کے خاتمے اور ایک خود مختار آرمینی جمہوریت کی تشکیل (۲۸ مئی ۱۹۱۸ء) کے بعد باطوم کے صلح نامے (۴ جون ۱۹۱۸ء) کی رو سے آرمینی جمہوریہ خود صرف اریوان اور جھیل ہوان (Sevān) کے علاقے تک محدود رہ گئی اور باقی کاروسی آرمینیہ ترکوں اور آذربائیجانیوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ اب اس کے بعد دوسرے محاذوں پر ترکوں کی شکست اور مذروس (Mudros) کی عارضی صلح (۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء) وقوع میں آئی۔ ۱۹۱۹ء کے شروع میں آرمینی فوجوں نے الیکزانڈروپول (Alexandropol) (Leninakan) اور قازص پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور اخل خلگی کے بارے میں گرجستان سے اور قرہ باغ کے متعلق آذربایجان سے ان کا تصادم ہوا۔ آرمینی جمہوریہ کو، جسے اتحادیوں نے جنوری ۱۹۲۰ء میں عملاً (de facto) تسلیم کر لیا تھا، معاہدہ سیورے Sèvres: (۱۰ اگست ۱۹۲۰ء) کے مطابق قانوناً (de jure)

لاکھ پچیس ہزار تھی (۱۹۱۴ء کے لیے جو تعداد بیان کی گئی ہے اس سے فرق کی توجیہ ایک حد تک جنگ کے باعث نقصانات، قتل عام اور جلاوطنی کے دوران میں برداشتہ تکالیف سے ہو سکتی ہے)۔ ان میں سے دو تہائی سوویت یونین میں تھے، بحالیکہ باقی ایک تہائی مشرق قریب میں تھے (تیس ہزار شام میں، ایک لاکھ ایران میں، تقریباً ایک لاکھ ترکی، فلسطین، مصر اور یونان میں، مع مزید ایک لاکھ کے امریکہ میں)۔ سوویت یونین میں پندرہ لاکھ اڑسٹھ ہزار آرمینی تھے، جن میں سے تیرہ لاکھ چالیس ہزار قفقاز میں اور ایک لاکھ باسٹھ ہزار سس کاکیشیا میں تھے۔ ماورائے قفقاز میں جو آرمین پائے جاتے تھے ان میں سے سات لاکھ چوالیس ہزار آرمینیہ کی سوویت سوشلسٹ جمہوریت میں رہتے تھے اور وہاں کے باشندوں کی مجموعی تعداد (آٹھ لاکھ اکتیس ہزار دوسو نوے) کا پچاس فی صد تھے، یعنی سوویت یونین کی آرمینی آبادی کا نصف اور دنیا کی پوری آرمینی آبادی کا ایک تہائی۔ تین لاکھ گیارہ ہزار جارجیا میں سکونت رکھتے تھے، ایک لاکھ دس ہزار خود مختار Nagorny Karabakh کے علاقے میں (وہاں کی کل آبادی کا نو اسی فی صد) اور سترہ ہزار تین سو اذربجان کی جمہوریت کے باقی حصے میں۔

۱۹۳۹ء کی مردم شماری کے مطابق سوویت یونین کے آرمینوں کی تعداد اکیس لاکھ باون ہزار تھی۔ آرمینیہ کی جمہوریت میں بارہ لاکھ اکیاسی ہزار پانسو نانوے کی کل آبادی میں گیارہ لاکھ آرمینی تھے۔ Nagorny Karabakh کے خود مختار علاقے میں کل آبادی کا نوے فی صد تھے، لیکن آذربجان کی جمہوریت کے باقی حصے میں کل آبادی کا صرف دس فی صد۔ جارجیا میں ان کی تعداد چار لاکھ پچاس ہزار تھی۔ سوویت یونین کی آرمینی آبادی ۱۹۲۰ اور ۱۹۳۹ء کے درمیان مجموعی طور پر سینتیس فی صد بڑھ گئی تھی۔

شام اور لبنان میں ۱۹۱۴ء میں تقریباً پانچ ہزار آرمین تھے۔ ۱۹۳۹ء میں لبنان میں ان کی تعداد اسی ہزار تھی اور شام میں ایک لاکھ سے زائد۔ ۱۹۳۹ء میں اسکندرونہ (Alexandretta) کی سٹیج کے ترکی سے دوبارہ الحاق کے بعد پچیس ہزار آرمینوں نے اس ملک کو ترک کر دیا۔ جب ۱۹۴۵ء میں سوویت حکومت نے آرمینوں کو سوویت آرمینیہ میں واپس آنے کی دعوت دیتے ہوئے ان کے نام اپنی استدعا شائع کی تو یہ دعوت شام کے تقریباً دو لاکھ آرمینوں سے تعلق رکھتی تھی، جو بالخصوص حلب اور بیروت میں رہتے تھے (حلب: ایک لاکھ، کل تعداد دو لاکھ ساٹھ ہزار میں سے)۔ ایران میں ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۹ء تک آرمینی آبادی پچاس ہزار سے ایک لاکھ پچاس ہزار ہو گئی۔ تقریباً ترانوے ہزار نے سوویت آرمینیہ چلے جانے کی خواہش ظاہر کی اور ایران کے آرمینی ان ساٹھ ہزار سے ایک لاکھ تک آرمینوں کا جزو غالب تھے جو شام، لبنان، ایران اور مصر سے اس استدعا کے بعد سوویت آرمینیہ میں گئے۔ ستائیس ہزار آرمینوں میں سے، جو یونان میں بستے تھے، ۱۹۴۷ء تک کے زمانے میں اٹھارہ ہزار آرمینیہ میں چلے گئے۔

۱۹۴۵ء میں (دیکھیے H. Field: *Contribution to the Ant-*

پورے ماورائے قفقاز میں بمقابلہ شہروں کے دیہات میں آرمینی زیادہ تعداد میں آباد تھے (نمایاں طور پر تفلیس میں، یعنی ۴۸ فی صد)، لیکن باشندوں کی مجموعی تعداد (سینتالیس لاکھ بیاسی ہزار) کے اعتبار سے آرمین (نولاکھ ساٹھ ہزار) اس آبادی کا صرف بیس فی صد تھے۔

ترکی آرمینیہ کی پانچ ولایتوں کے چھبیس لاکھ بیالیس ہزار باشندے تھے، جن میں سے اٹھارہ لاکھ اٹھائیس ہزار مسلمان تھے، چھ لاکھ تینتیس ہزار آرمین اور ایک لاکھ آرمینی ہزار یونانی تھے، تاہم مؤش کی سٹیج میں اور وان کی سٹیج میں بھی آرمینی تعداد میں فوقیت رکھتے تھے (تقریباً دو گنا)۔

روسی اور ترکی آرمینیہ کی مجموعی آبادی مندرجہ بالا اندازوں کے مطابق تقریباً چھبیس لاکھ بیالیس ہزار تھی، جس میں چودہ لاکھ روسی تھے۔ روسی آرمینیہ میں قفقازی لوگ تعداد میں زیادہ تھے، بحالیکہ ترکی آرمینیہ میں ترک، کرد اور دوسرے قومی عناصر (یونانی یہودی، غجری (Gypsies)، چرکسی، نستوری عیسائی)۔ جھیل وان کے جنوب مشرق میں خانہ بدوش تاتاری قبائل کی اکثریت تھی۔

ایرانی آرمینیہ میں ۱۸۹۱ء میں بیالیس ہزار آرمین آباد تھے، جن میں سے صرف نصف آذربجان میں پائے جاتے تھے (دیکھیے اوپر، اصفہان کے ضمن میں)۔ یہ تھا Streck کا اندازہ ۱۹۰۴ء سے ما قبل دور میں آرمینی آبادی کے بارے میں، جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، طبع اول، میں درج کیا گیا ہے۔ اس نے یہ انکشاف کیا کہ قتل عام اور ترک وطن کے نتیجے میں ترکی علاقے کے آرمینوں کی تعداد برابر کم ہوتی جا رہی تھی۔ باہر کے ملکوں میں جا کر ان لوگوں کا آباد ہونا اور تمام دنیا میں ان کا پھیل جانا جاری رہا، اگرچہ یکساں طور پر نہیں (دیکھیے اوپر)؛ بوزنطی علاقے اور پھر تمام مصر میں جا کر آباد ہونے کے بارے میں، قتب اس موضوع پر *Reise nach R. Wagner: ۹۱۱-۵۹۴: ۱۰, Erdkunde: Ritter dem Ararat*، ص ۲۳۹-۲۵۰۔ پرانی دنیا میں رہنے والے آرمینوں کی تعداد دو اور ڈھائی ملین کے درمیان تھی،

Histoire de l' Arménie: Pasdermadjian، (پیرس ۱۹۴۹ء ص ۴۴۴) کے مطابق دنیا میں آرمینوں کی کل تعداد ۱۹۱۴ء میں تقریباً اکتالیس لاکھ تھی، جن میں سے اکیس لاکھ ترکی سلطنت میں رہتے تھے، سترہ لاکھ روسی سلطنت میں، ایک لاکھ ایران میں اور دو لاکھ باقی دنیا میں۔ روسی آرمینیہ خاص میں ان کی تعداد تیرہ لاکھ تھی (بشمولیت قارص، چچوان، قرہ باغ، آخل خلکی) اور ترکی آرمینیہ میں (مع کبلیکیا) چودہ لاکھ۔ روسی آرمینیہ میں وہ آبادی کا بیشتر جزو تھے، یعنی اکیس لاکھ میں سے تیرہ لاکھ۔

اس کے برعکس *Die Sowjetunion, Natur*; W. Leimbach، *Volk und Wirtschaft*، شٹٹگارٹ (Stuttgart) ۱۹۵۰ء، کے بیان کے مطابق ۱۹۲۶ء اور ۱۹۳۹ء میں دنیا میں اور سوویت یونین میں آرمینی آبادی کے اعداد و شمار حسب ذیل تھے: ۱۹۲۶ء میں آرمینوں کی دنیا میں کل تعداد بائیس

(ارزروم) تک ہوتی تھی۔ ایران میں آرمینی تاجروں کے لیے سب سے زیادہ اہم تجارتی منڈی رے کا شہر تھا (دیکھیے ابن الفقیہ، طبع دخویہ (de Geoe)، ص ۲۷۰)۔ وہ بغداد سے بھی براہ راست تجارتی تعلقات رکھتے تھے (دیکھیے السعقوبی: بلدان، ص ۲۳۷)۔

تجارتی پیداوار اور صنعت: آرمینیہ کو اسلامی خلافت کے زرخیز ترین صوبوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ یہاں غلہ اس قدر افراط سے پیدا ہوتا تھا کہ اس کا کچھ حصہ باہر، مثلاً بغداد بھیجا جاتا تھا (دیکھیے الطبری، ص ۲۷۲-۲۷۵)۔ اس کی مچھلیاں اور دریا بھی، جن میں مچھلیاں بکثرت تھیں، تجارت برآمد میں مدد دیتے تھے۔ مچھلی وان سے ایک قسم کی ہیرنگ مچھلی (herring; عربی: طرّنج) کثیر مقدار میں دستیاب ہوتی تھی، جو قرون وسطیٰ سے نمک لگا کر جزائر شرق الہند (East Indies) تک بھیجی جاتی تھی (بقول القزوينی، طبع ڈیٹنفلڈ (Wüstenfeld)، ص ۳۵۲:۲)، اس نمکین مچھلی کی آج کل بھی پورے آرمینیہ، آذربائیجان، قفقاز اور ایشیائے کوچک میں بہت مانگ ہے۔

سب سے بڑھ کر آرمینیہ معدنیات میں دولت مند ہے۔ چاندی، سیسہ، لوہا، سکنیہ، پھنگری، پارہ اور گندھک یہاں خاص طور پر دستیاب ہوتی ہے؛ سونا بھی مفقود نہیں ہے۔ اس بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں کہ عربوں نے ان پیداواروں سے کس حد تک فائدہ اٹھایا۔ صرف ابن الفقیہ ایک ایسا مصنف ہے جس نے ہمیں آرمینیہ کی قدرتی پیداوار کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔ آرمینی مصنف Leontius کے بیان کے مطابق چاندی کی کانیں آٹھویں صدی عیسوی کے اختتام پر دریافت ہوئی تھیں۔ بلاشبہ یہ چاندی (اور سیسہ) کی ان کانوں سے مطابقت رکھتی ہیں جن سے گوموش خانہ (اب گوموش خانہ = چاندی گھر) میں کام لیا جاتا ہے، جو طرابزون اور ارزروم کے درمیان نصف فاصلے پر واقع ہے (اس موضوع پر دیکھیے Ritter: Erdkunde، ص ۲۷۲:۱ اور Wagner: Reise nach Persien، ص ۱۷۲:۱؛ نیز قبّ مادّہ گوموش خانہ۔ بیبرٹ Bayburt [بایبورڈ] اور اَرزغَنہ [رنگ بانہا] میں بھی اہم کانیں موجود تھیں۔ کڈابک (Kedabeg) = ایلیز اوپٹول۔ گنچہ اور گوک چای کی مچھلی کے درمیان) کی قدیم اور بہت بڑی تانبے کی کان اور کلاکنت (Kalakent) میں واقع اسی کی ایک شاخ ۱۹۱۴ء سے بھی پہلے بہت ترقی پا چکی تھی (دیکھیے Lehmann-Haupt: Arménien einst und jetzt، ص ۱۲۲:۱)۔ آج کل آلہ وردی (Alaverdy)، زرخیز و (Zangezour) اور اریوان میں تانبے کی اہم مچھلیاں ہیں۔ تاہم گزشتہ زمانے میں آرمینیہ کی سب سے زیادہ زرخیز کانیں نمک کی کانیں تھیں، جن کی پیداوار شام اور مصر بھیجی جاتی تھی۔ قرون وسطیٰ کے مصنفین نے جن نمک کی کانوں کا ذکر کیا ہے وہ غالباً مچھلی وان کے شمال مشرق میں واقع تھیں۔ نمک کا ایک وسیع طبقہ بالائی آراکس (Araxes) کے جنوب اور کزغمان (Keghizman) کا غذا مان (کے مشرق کی طرف کُلپ (Kulp) میں تھا) (دیکھیے

chropology of the Caucasus، کیمبرج (میا چیوسٹس [امریکہ])، ص ۱۹۵۳ء ص ۵) سوویت آرمینیہ کی آبادی تیرہ لاکھ تھی، جس میں سے دو لاکھ دارالسلطنت اریوان سے متعلق تھی۔ آج کل (دیکھیے P. Rondot: Les Chrétiens d'Orient، پیرس ۱۹۵۵ء، ص ۱۹۱ و ۱۹۶) آرمینیہ کے باشندوں کی مجموعی تعداد پندرہ لاکھ کے لگ بھگ ہے اور تقریباً اتنے ہی آرمینی باشندے سوویت یونین کے باقی حصوں میں ہیں۔ اریوان کے باشندوں کی تعداد تین لاکھ ہے اور اس نے چار لاکھ پچاس ہزار [کی آبادی] کے لیے منصوبے تیار کر لیے ہیں۔ چار لاکھ سے لے کر پانچ لاکھ تک آرمینی مشرق قریب میں پائے جاتے ہیں، ایک لاکھ ان ملکوں میں جہاں جمہوری حکومت کا دور دورہ ہے، دو لاکھ سے تین لاکھ تک شمالی امریکہ میں، بیس ہزار فرانس اور جنوبی امریکہ، ہندوستان، فلسطین اور یونان کی اہم مرکزی آبادیوں میں۔

آرمینی مسئلے کو ایک معین شکل دے دی گئی تھی۔ مختلف آرمینی گروہوں نے، جو برازیل، ریاست ہائے متحدہ امریکہ وغیرہ میں ہیں، مجلس اقوام متحدہ (U. N. O) کے سامنے کچھ مطالبات پیش کیے ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ آرمینوں کو سابق ترکی آرمینیہ صدر ولسن (Wilson) کی معین کردہ حدود کے ساتھ دوبارہ دے دیا جائے۔ آرمینی مسئلہ سوویت یونین اور ترکی کے مابین تعلقات کی استواری میں حسب معمول ایک رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

تجارت: پونٹوس (Pontus) اور میسوپوٹیمیا کے درمیان ایک عبوری سرزمین کے طور پر اور بوزنطین اور اسلامی سلطنت کے درمیان ایک سرحدی علاقے کی حیثیت سے آرمینیہ نے قرون وسطیٰ میں ایک اہم اقتصادی کردار ادا کیا ہے۔ کثیر تعداد میں جو تجارت اور کاروان اسے عبور کرتے تھے وہ مقامی صنعت کے فروغ میں معاون ہوئے، جسے تجارت کی طرح قدرتی پیداوار کے اعتبار سے ملک کی دولت مندی کی تائید حاصل تھی۔ آرمینیہ کی تجارتی اہمیت کا باعث بہت سے عبوری راستوں کی موجودگی بھی تھی، جو اس سرزمین کو قطع کرتے تھے اور جن میں سے اہم ترین کی کیفیت عرب جغرافیہ نویسوں نے بیان کی ہے۔ ان راستوں سے عربوں کے حربی مفاد کو تقویت حاصل ہوتی تھی، جسے وہ ان کے تجارتی فوائد کے مقابلے میں زیادہ وقعت دیتے تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے دبیل کے بڑے راستوں کو، جو عرب اقتدار کا پشت پناہ تھا، ایک دوسرے سے ملا دیا تھا۔ راستوں کی درستی اور ان کی حفاظت مسلم والی کے فرائض میں داخل تھی، یہاں تک کہ آج کل بھی ارزروم، جو سب سے بڑے راستوں کا نقطہ اتصال ہے، حربی اعتبار سے نہایت اہم جگہ ہے، گویا کہ ایشیائے کوچک کی کلید ہے۔

آرمینیہ کا بوزنطین سے طرابزون (طرابزندہ) کے ذریعے رسل و رسائل کا سلسلہ قائم تھا، جو بوزنطی تجارتی مال (بالخصوص قیمتی سامان) کے لیے بڑا مرکزی مقام تھا۔ میلون میں، جو وہاں ہر سال بڑے پیمانے پر کئی بار لگتے تھے، تمام اسلامی دنیا کے تاجر شرکت کرتے تھے۔ آمدورفت عام طور پر طرابزون سے دبیل اور قلیقلا

Ritter: کتاب مذکور، ۱۰: ۷۰، ۲ بعد اور Radde: *Vier Vorträge über den Kaukasus* (ص ۷، ۴)۔ آج کل اریوان ایک صنعتی شہر ہے، جہاں مشینیں بنانے کے کارخانے اور اچار مرے، تمباکو اور مصنوعی ربڑ وغیرہ کے کارخانے بھی ہیں۔ قرون وسطیٰ میں ارمینیہ کپڑا بننے، رنگنے اور کاڑھنے کی صنعتوں کے لیے سب سے زیادہ مشہور تھا۔ ذیل اس صنعتی سرگرمی کا مرکز تھا۔ وہاں شان دار اونی کپڑے تیار ہوتے تھے اور ان کے علاوہ قالین اور بیل بوٹوں سے آراستہ رنگ برنگ کے ریشم کے بھاری کپڑے (عربی: بُزُون) بھی، جو باہر کے ملکوں میں بھی فروخت ہوتے تھے۔ قزمرز، ایک قسم کا کپڑا جس میں سے اودارنگ نکلتا تھا، رنگنے کے کام آتا تھا۔ ایک طویل عرصے تک ارمینی قالین بہترین صنعت کے نمونے سمجھے جاتے تھے۔ ذیل سے چند کیلومیٹر کے فاصلے پر آرتاشات (Artaxata) اپنے رنگ سازی کے کارخانوں کے لیے اتنا مشہور تھا کہ الہا ڈری اسے ”قزمرز کا قصبہ“ (قریۃ القزمرز) کہتا ہے (طبع دخویہ De Geoje، ص ۲۰۰؛ قتب Zeitschr. für arm. Philol. ۲: ۶۷، ۲۱۷)۔ قرون وسطیٰ میں ارمینیہ کی تجارت اور صنعت کے بارے میں دیکھیے بالخصوص Thopdschian، در Mitt. des Sem. ۱۹۰۴، ۲: ۱۲۲-۱۵۳۔ قالینوں کے متعلق دیکھیے *Les tapis à dragons et leur origine arménienne*، در Syria، ج ۹ (۱۹۲۸ء) اور اسی مصنف کا مقالہ *Les tapis arméniens*، در *Revue des Ét. arm.*، ج ۱ (۱۹۲۸ء)؛ دیکھیے R. B. Serjeant، *Material for a History of Islamic Textiles up to the Mongol Conquest*، در *Ars Islamica*، ۱۰ (۱۹۲۳ء)؛ ص ۹۱ بعد۔

مآخذ: (الف) عام تصانیف: (۱) *Géogr. des quatre parties du monde*، ارمینی زبان میں، از L. Indjidjean، حصہ ۱، ویس ۱۸۰۶ء؛ (۲) *Comparative Geogr. of West Asia*: J. Rennel، لندن ۱۸۳۱ء؛ (۳) *Erdkunde*: K. Ritter، ۹: ۷۹، ۷۸۲-۷۸۸، ۹۷۲-۱۰۰۹، ۱۰: ۲۸۵-۸۲۵؛ (۴) *Eranische Altertumskunde*: Spiegel، ۱۰ (لاپنبرگ ۱۸۷۱ء)؛ ۷: ۱۸۸-۱۸۸، ۳۶۲-۳۶۸؛ (۵) *Armenia and the Armenians*: Issaverdenz، ۱۸۷۲-۱۸۷۵ء؛ (۶) *Vivien de Saint-Martin*: *Dict. de géogr. univ.*، ۱: ۲۱۳-۲۱۷ (۱۸۷۹ء)؛ (۷) *Nouv. Géogr. Univ.*: Reclus، ۹ (۱۸۸۴ء)؛ ۳۱: ۳۷۷-۳۷۸؛ ترکی ارمینیہ: (۸) *La turquie d'Asie*، ج ۱، پیرس ۱۸۹۰-۱۸۹۱ء؛ (۹) *Asie*، ج ۱، پیرس ۱۸۹۰-۱۸۹۱ء؛ (۱۰) *Realencycl. der protest. theologie*، از Herzog-Hauck، ۲: ۶۳-۹۲، جو خاص طور پر کلیسا کی تاریخ سے بحث کرتی ہے؛ (۱۱) *Indogerm. Forschungen*: F. Lehmann-Haupt، برلن ۱۹۱۰ء؛

(۱۱) *L'Asie occidentale*: R. Blanchard، *Géogr. univ.*، ج ۸، مصنفہ Vidal de la Blache و Gallois (۱۹۲۹ء)۔ (ب) تاریخ اور تاریخی جغرافیہ: (۱۲) *Camčean: Hist. de l'Arménie*؛ (۱۳) *depuis l'origine du monde jusqu'à l'année 1784*، ویس ۱۷۸۳-۱۷۸۶ء؛ طبع انگریزی (Chamich)، از I. Ardal، کلکتہ ۱۸۲۷ء؛ (۱۴) *Mémoire. hist. et. géogr. sur l'Arménie*: Saint-Martin، پیرس ۱۸۱۸ء؛ (۱۵) *Issaverdenz: Hist. de l'Arménie*، ویس ۱۸۸۷ء۔ ارمینیہ کی قدیم تاریخ پر دیکھیے: (۱۶) *Materialien zur älteren Geschichte Armeniens und Mesopotamiens*: C. F. Lehmann، برلن ۱۹۰۷ء؛ (۱۷) *ZDMG*، ۶۲: ۷۵۵-۷۷۴، اور اسی مصنف کا مقالہ: *Das Gebiet der heutigen Landschaft Armenien, Kurdistan und West-Persien nach den babyl. assyr. Keilenschriften*، در *ZA*، ج ۱۳، ۱۳، ۱۵، ۱۷؛ (۱۸) *H. Berberian: Déco-ouvertes archéologiques en Arménie de 1924 to 1927*، در *Verkehr*: K. von Hahn، (۱۹) *Rev. des Ét. arm.*، ج ۷ (۱۹۲۷ء)؛ (۲۰) *und Handel im Alten Kaukasus*، در *Peterm. Mitt.*، ج ۶۹، ۱۹۲۳ء؛ نیز دیکھیے (۲۱) *alt. Oriens*، میونخ ۱۹۰۴ء، ص ۳۷-۴۰؛ (۲۲) *L. Alishan: Hayastan....*؛ (۲۳) *L'Arménie avant qu'elle fut l'Arménie*، ویس ۱۹۰۴ء؛ (۲۴) *Lehrbuch der alt. Géogr.*: H. Kiepert، برلن ۱۸۷۸ء، ص ۷۳-۸۳، ۹۴-۹۵؛ (۲۵) *Pauly Wissowa: Realencycl. der klass. Altertumwiss.*، ۲: ۱۱۸۱-۱۱۸۲؛ (۲۶) *Über die älteste landes- und Volksgesch. von Armenien*، در *Monatsschr. der Berl. Ak d. Wiss.*، ۱۸۶۹ء؛ (۲۷) *Cyprius*، طبع Gelzer، لاپنبرگ ۱۸۹۰ء، طبع Honigmann، مع *Synekd. Beitr.*: Kiepert و Strecker، (۲۸) *emos de Hiéroclès*، برسلز ۱۹۳۹ء؛ (۲۹) *zur Erklärung des Rückzuges der 10,000*، برلن ۱۸۷۰ء؛ (۳۰) *Armenia in the 5th century*، (در روسی)، طبع ثالث، نچوان ۱۸۹۷ء؛ (۳۱) *Der marsch der 10,000 Römisch-Armenien im 4.-6.*: K. Güterbock، (۳۲) *Schirmer Festschrift*، کورنگز برگ (Königsberg) ۱۹۰۰ء؛ (۳۳) *Ērānšahr*: J. Markwart، برلن ۱۹۰۱ء، ص ۱۱۱-۱۱۲، ۱۱۳، ۱۶۹-۱۷۰؛ (۳۴) *Ararat and Masis*: F. Murad، (۳۵) *Die Altarm. Ortsnamen*: K. Hübschmann، در *Indogerm. Forschungen*، ج ۱۶، سٹراسبورگ ۱۹۰۴ء، ص ۱۹۷-۲۱۰؛ (۳۶) *erm. Forschungen*

Ani, Hist. de la ville d'après les sources: N. Marr (۵۱)
:Pasdermajian (۵۲) et les fouilles, لینن گراڈ ۱۹۳۲ء (در روسی)؛ (۵۲) Histoire de l'Arménie, پیرس ۱۹۴۹ء۔
قدیم مقامی آرمنی مآخذ سے ایک عمدہ تصنیف میں کام لیا گیا ہے: (۵۳) Descr. de la vieille Arménie, از Indjidjean, وینس ۱۸۳۲ء (در آرمینی)؛ دیکھیے
نیز: (۵۴) Topogr. von Gross-Arm.: L. Alishan, وینس ۱۸۵۵ء و Geogr. der provinz Shirakh (وینس ۱۸۷۹ء) و Sisakan (وینس ۱۸۸۵ء) و Ararat (وینس ۱۸۹۰ء) و Sisakan (وینس ۱۸۹۳ء)، سب آرمنی میں؛
(۵۵) Die Landschaftsgrenzen des Südl. Armeniens nach einheim. Quellen Monatsber. der Berl. Ak. d. Wiss. Die inneren: Thopdschian (۵۶)؛ (۵۷) Zuznāde Armeniens unter Aschot I Mittel. d. Seminars, در (۵۸) für orient. Sprachen in Berlin Polit. und Kirchengesch. Arméniens unter: مصنف مذکور؛ (۵۹) Sebeos (۵۸)؛ (۶۰) Aschot I und Smbat I (مجلہ مذکور، ص ۹۸-۲۱۸)؛ (۶۱) Leontius (زمانہ: ۵۳۲-۷۹۰ء)؛ (۶۲) H. Hübschmann نے آرمنیہ کے متعلق ان ابواب کا جو Sebeos میں ہیں (۶۳) Kriege der Araber, لاہنبرگ ۱۸۷۵ء، میں ترجمہ کر دیا ہے؛ دیکھیے نیز (۶۴) Hist. de l'Arménie des origines à 925: Jean Catholicos مترجمہ، پیرس ۱۸۴۱ء؛ (۶۵) V. de Saint-Martin, Hist. des guerres et des Conquêtes des Arabes en Arménie مترجمہ، پیرس ۱۸۵۶ء (قہ)؛ (۶۶) A. Jeffery, Taron's Text of the corresp. between Umer II and Leo III در Harvard Theol. Review, ج ۳۷، ص ۱۹۴۴ء؛ (۶۷) Asoghik of (۶۸) Hist. d'Arménie des origines à 1004: Taron (جرمن ترجمہ از A. Bruckhardt و H. Gelzer, لاہنبرگ ۱۹۰۷ء؛ فرانسیسی ترجمہ، حصہ اول، از Dulaurier, پیرس ۱۸۸۳ء و حصہ دوم، از Macler, پیرس ۱۹۱۷ء)؛ (۶۹) Thomas Ardrouni (نویں-دسویں صدی)؛ (۷۰) Brosset, Collection d'Historiens, در (۷۱) arméniens, ج ۱، سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۷۴ء، (۷۲) ۹۰۷ء تک کے واقعات، ۱۲۲۶ء تک جاری رکھا گیا ہے)؛ (۷۳) Chronique Matthew of Eddessa (۷۴)؛ (۷۵) Bible. Hist. arm., در (۷۶) ۹۵۲-۱۱۳۶ء، فرانسیسی ترجمہ از Dulaurier, (دو جلد) ۱۸۵۸ء؛ دیگر ترجمے، در (۷۷) Collection...: Brosset, سینٹ پیٹرز برگ (دو جلد) ۱۸۷۴-۱۸۷۶ء و (۷۸) Deux historiens arméniens, سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۷۰-۱۸۷۴

Untersuch. zur Gesch. von Erān: Markwart, ج ۲، لاہنبرگ ۱۹۰۵ء؛ ص ۲۱۸-۲۱۹؛ (۳۳) Die Landsch-afien: K. Montzka, Grossarmeniens bei griech. und röm. Schriftstellern (۳۴) Armenija v epoxu Justinjana: N. Adontz, (۳۵) Hist. d'Arménie: سینٹ پیٹرز برگ ۱۹۰۸ء و (۳۶) Les origines (du Xe au VIe siècle av. J. C.) Bilan des relations arméno-iraniennes au Ve siècle après J. C. (۳۷) P. G. Mecerian, S. J., Bulletin arméno-iranien au Ve siècle après J. C. (۳۸) P. G. Mecerian, logique, دفتر (cahier) ثانی، MFOB, ج ۳۰، بیروت ۱۹۵۳ء؛ (۳۹) P. G. Mecerian, Byzance avant l'Islam, ج ۱، (۴۰) P. G. Mecerian, (sous les successeurs de Justinien. L'empereur Maurice) پیرس ۱۹۵۱ء۔

مندرجہ ذیل تصانیف قدیم اور وسطی عہدوں سے متعلق ہیں: (۴۱) Tomas, Sasūm und das Quellgebiet des Tigris: chek, در (۴۲) Hist. Topogr. وی آنا، ج ۱۳۳، شمارہ ۴، ۱۸۹۵ء اور (۴۳) اسی مصنف کا مقالہ: Kiepert-Festschrift, در (۴۴) aphisches vom oberen Euphrates Südarmenien und die Tigris: J. Markwart (۴۵)؛ (۴۶) uellen nach griechischen und arabischen Geographen Notes on two articles on: اسی مصنف کا مقالہ: (۴۷) Die Entstehung der armenischen Bistümer tiana Die Ostgrenze: E. Honigmann (۴۸)؛ (۴۹) ۱۹۳۲ء، JRAS, در (۵۰) Mayyafāriqīn, وی آنا ۱۹۳۰ء؛ (۵۱) اسی مصنف کا مقالہ: Die Entstehung der armenischen Bistümer tiana Die Ostgrenze: E. Honigmann (۵۲)؛ (۵۳) ۱۹۳۲ء، JRAS, در (۵۴) byz., شمارہ ۳، برسز ۱۹۳۵ء؛ (۵۵) R. Grousset, Arménie des origines à 1071: V. Minorsky (۵۶)؛ (۵۷) ۱۹۴۷ء، Cambridge Oriental Series, Studies in Caucasian History, شمارہ ۶، لنڈن ۱۹۵۲ء۔

دیکھیے علاوہ ازیں: (۵۸) Hist. Pol. et relig. de l'Arménie, ج ۱ (باقی جلدیں شائع نہیں ہوئیں)، پیرس ۱۹۰۱-۱۹۱۰ء؛ (۵۹) Arménie: اسی مصنف کا مقالہ: Dict. d'hist. et de géogr. eccl., ج ۴، پیرس ۱۹۰۴ء؛ (۶۰) J. de Morgan, Hist. du peuple arm. depuis les temps les plus recules... jusqu' à nos jours, پیرس ۱۹۱۹ء؛ (۶۱) Kevork Aslan, Études hist. sur le peuple arm., پیرس ۱۹۰۹ء و (۶۲) History of Armenia: Vahan (۶۳)؛ (۶۴) ج ۱، بوٹسٹن ۱۹۳۶ء؛

۶۹: دیکھیے نیز (۸۲) J. Laurent: *L'Arménie entre Byzance et l'Islam depuis la conquête arabe jusqu'en 886* پیرس ۱۹۱۹ء؛ دسویں صدی اور بوزنطیوں کی دوبارہ فتح کے لیے Grousset اور Honigmann کی سابق الذکر تصانیف کے علاوہ دیکھیے: (۸۳) S. Runciman: *Romanus Lecapenus*، کیمبرج ۱۹۲۹ء، ص ۱۵۱ بعد؛ (۸۴) M. Canard: *Hist. de la dynastie des Hamdanides*، ۴۶۲: ۱، ۱۸۲۵ء، سلسلہ چہارم، ج ۹ و ۱۰؛ نیز وہ تصانیف جو تاریخ اسلام و خلفا سے متعلق ہیں، خصوصاً (۸۵) Defréremery پر ساجدوں کا مقالہ (Mémorir) (JA، ۱۸۲۸ء، سلسلہ چہارم، ج ۹ و ۱۰)؛ آرمینی نسل کے ان لوگوں کے بارے میں جو عربوں کی تاریخ اور ادب میں مذکور ہوئے ہیں (۸۶) I. Kračkovsky نے *Encyclopaedia of Soviet Armenia* (اریونان) میں اَبْکَا رِیُوس، ابوصالح الآرمینی اور بدرالجمالی پر مقالات لکھے ہیں (بہرام کے لیے دیکھیے اوپر)۔

سلبجوتی عہد کے لیے بڑا ماخذ (۸۷) Aristakès کے (Arisdaguès of Lasdiverd) کی تاریخ ہے، طبع آرمینی، وینس ۱۸۴۵ء، فرانسسی ترجمہ، ۱۸۶۴ء؛ (۸۸) Ganazak کے Kirakos (Guiragos) (تیرھویں صدی) نے ۱۱۶۵ء سے ۱۲۶۵ء تک کے واقعات کا ہم عصر بیان لکھا ہے، طبع آرمینی، ماسکو ۱۸۵۸ء و وینس ۱۸۶۵ء، فرانسسی ترجمہ از Brosset، ۱۸۷۰-۱۸۷۱ء؛ دیکھیے نیز (۸۹) J. Laurent: *Byzance et les Turcs seldjoudides dans l'Asie occidentale jusque en 1081* پیرس ۱۹۱۳-۱۹۱۴ء اور وہ آخذ جو وہاں مذکور ہیں؛ (۹۰) C. Cahen: *La campagne de Mantzikert d'après les sources musulmanes*، ۹، Byzantion، ۱۹۳۴ء؛ (۹۱) مصنف مذکور: *La première pénétration turque en Asie Mineure*، ج ۱۸، ۱۹۳۸ء، مفصل تر فہرست آخذ کے لیے دیکھیے مادہ (آل) سلجوق۔

(۹۲) راہب Malak'ia نے مغل حملے کی ایک تاریخ لکھی: آرمینی طبع، سینٹ پیٹرزبرگ ۱۸۷۰ء، روسی ترجمہ از Patkanean، سینٹ پیٹرزبرگ ۱۸۷۱ء، فرانسسی ترجمہ از Brosset، ۱۸۷۱ء؛ (۹۳) Medsoph کے Thomas نے پندرھویں صدی میں تیمور اور اس کے جانشینوں کی ایک تاریخ لکھی: آرمینی طبع از Chahnazarian، پیرس ۱۸۶۱ء۔

شاہ عباس اول کے عہد میں آرمینی مصائب کے بارے میں بڑا ماخذ (۹۴) تبریز کا Arak'el ہے، جس کی *Histoire* ۱۶۰۲ء سے ۱۶۶۱ء تک جاتی ہے، آرمینی طبع، ایکسٹرڈم ۱۶۶۹ء، فرانسسی ترجمہ از Brosset۔

گزشتہ صدی کی جنگوں پر دیکھیے: (۹۵) V. Uschakoff: *Gesch. der Feldzüge des Generals Paskewitsch in der asiat. Türkei während der Jahre 1828-1829*، (طبع جرمن، لاپیزرگ ۱۸۳۸ء؛ دیکھیے *Der Erdkunde*: Ritter، ۱۰، ۴۱۳-۴۲۳)؛ اور (۹۶) W. Potto: *Die Entstehung der arm. Fürstentümer*

۱۸۷۱ء؛ نیز اسی واقع نوٹس کا ترجمہ از Orbelian: *Hist. de la Siounie*؛ سینٹ پیٹرزبرگ ۱۸۶۴ء؛ (۹۵) Langlois: *Collection des historiens anciens et moderns de l'Arménie*، پیرس (دو جلد) ۱۸۶۷-۱۸۶۹ء؛ (۹۶) J. Muylendermans: *La domination arabe en Arménie*؛ ماخوذ از Vardan: *Hist. universelle*، لووین-پیرس ۱۹۲۷ء۔

عرب حملوں اور عرب تسلط کے بارے میں دیکھیے: (۹۷) البلاذری: فتوح البلدان، ص ۱۹۳-۲۱۲ (ترجمہ از Hitti و Murgotten، دو جلد، نیویارک ۱۹۱۶-۱۹۲۴ء)؛ (۹۸) الطبری (حوالہ جات جو متن مادہ میں مذکور ہیں)؛ (۹۹) البیعقوبی، ص ۱۹۰-۱۹۱ (آرمینی سے متعلق جو بیانات البلاذری اور البیعقوبی نے دیے ہیں ان کا روسی ترجمہ P. Zuze نے کر دیا ہے، باکو ۱۹۲۷ء، در *Materials for the History of Azerbaydjan*، کراسہ (Fascicule) ۳ و ۴؛ اسی مصنف نے ابن الأثیر کے ان بیانات کا بھی ترجمہ کر دیا ہے جو قفقاز سے متعلق ہیں، باکو ۱۹۴۰ء)؛ (۱۰۰) نام نہاد واقدی: *Gesch. der Eroberung von Mesopotamien und Armenien...*، ہامبورگ ۱۸۴۷ء؛ (۱۰۱) B. Khalateantz: *arm. Philol.*، ج ۲، ماربورگ ۱۹۰۴ء، *arabes relatifs à l'Arménie*، وی آنا ۱۹۱۹ء؛ پہلے عرب حملوں کے لیے (۱۰۲) H. Manadean: *Les invasions arabes en arménie*؛ ج ۱، ۱۸۴۶-۱۹۳۸ء؛ نیز (۱۰۳) H. Manadean کے ایک رسالے کا فرانسسی ترجمہ از H. Berberian، جو اریوان میں ۱۹۳۲ء میں *Manr Hetazotut' Yunner* (مختصر مطالعات) کے نام سے شائع ہوا تھا؛ (۱۰۴) M. Ghazarian: *Arménien unter der arab. Herrschaft bis zur Entstehung des Bagratiden-reiches*، در *Zeitschr. für arm. Philol.*، ج ۲، ماربورگ ۱۹۰۴ء، ص ۱۲۹-۲۲۵؛ (۱۰۵) H. Thop-: *Armenien vor und während der Araberzeit*؛ مجلہ مذکور، ۲: ۵۰-۷۰؛ (۱۰۶) Vasmer: *Choronology of the Gove-rnors of Arménia under the early Abbasids*، در *Zap. Kol.*، (۱۰۷) F. W. Vos: *Byzantines and Arabs in the time of the Early Abbasids*؛ ج ۱، ۱۹۲۵ء؛ ص ۳۸۱ بعد؛ (جرمن ترجمہ، وی آنا ۱۹۳۱ء)؛ (۱۰۸) Brooks: *Byzantines and Arabs in the time of the Early Abbasids*، در *Engl. Hist. Rev.*، ۱۹۰۰ء و ۱۹۰۱ء؛ (۱۰۹) Die Gründung des Bagratidenreiches unter Aschot Bagratuni: A. Green (۱۱۰) *Aschot Bagratuni des Bagratides en Arménie*، (روسی میں، در *Russian Minist. of I. P.*، سینٹ پیٹرزبرگ ۱۸۹۳ء، ۲۹۰-۵۱: ۱۳۹)؛ (۱۱۱) J. Markwart: *Osteur. und ostas. Streifzüge*، لاپیزرگ ۱۹۰۳ء، ص ۱۱۷-۱۱۸، ۳۹۱-۳۶۵؛ (۱۱۲) R. Khalateantz (Chalatianz)؛ (۱۱۳) *Die Entstehung der arm. Fürstentümer*، WZKM، ۱۷: ۶۰-۶۱۔

؛ ۱۷۱-۱۶۳: ۳۶، ۱۸۹۳، Z. f. Theol. در. tand der arm. Kirche SB. de در. Die Anfänge der arm. Kirche (۱۱۸) مصنف مذکور: Die: S. Weber (۱۱۹): ۱۷۴-۱۰۹، ص ۱۸۹۵، sächs Ges. d. Wiss. Frieberg im B.، kathol. Kirche in Armenien، ۱۹۰۳ء۔

(ج) جغرافیہ، علم الانسان، نقشہ نویسی:

:D. Sestini (۱۲۱): ۱۷۴۸، Voy. en Turquie: Otter (۱۲۰) پیرس ۱۷۴۸ء؛ Voyage de Constantinople à Bassora en 1781 پیرس، سال ہفتم Handzit کے علاقے پر): (۱۲۲) J. Morier (۱۲۲) A journey through: J. C. Hobhouse (۱۲۳): ۱۸۱۲، persia, Armenia, etc. لٹرن، journey through Albania and other prov. of Turkey Geogr. Memoir of the Persian: J. M. Kinneir (۱۲۴): ۱۸۱۳ A second journey: J. Morier (۱۲۵): ۱۸۱۳، empire Voyage: Dupré (۱۲۶): ۱۸۱۸، through Persia, Armenia, etc. Travels in various: W. Ouseley (۱۲۷): ۱۸۱۹، en Perse پیرس ۱۸۱۹ء؛ countries of the East لٹرن، ۱۸۱۹-۱۸۲۳، ج ۳: R. Walpole (۱۲۸): ۱۸۲۰، Travels in various countries of the East لٹرن، ۱۸۲۰ء؛ Voyage en Arménie et en Perse: A. Jaubert پیرس ۱۸۲۱ء؛ Travels in Georgia, Persia, Armenia: Ker Porter (۱۳۰) لٹرن، ۱۸۲۱-۱۸۲۲ء؛ Relation du voyage de Monteith (۱۳۱): ۱۸۳۳، JRGs لٹرن، ۱۸۳۳ء؛ Researches in Koordistan, Arménia, etc. لٹرن، ۱۸۳۴ء؛ Journey through a part of Armenia: J. Brant (۱۳۳) لٹرن، ۱۸۳۶ء؛ Narrative of a: C. J. Rich (۱۳۴): ۱۸۳۶، residence in. Koordistan در مجلہ مذکور، لٹرن، ۱۸۳۶ء؛ Travels in Russia and Trukey: Armstrong لٹرن، ۱۸۳۸ء؛ Travels in transcaucasia, etc.: Wilbraham لٹرن، ۱۸۳۹ء؛ Travels in Koordistan, Mesopotamia,: J. B. Fraser (۱۳۷) لٹرن، ۱۸۴۰ء؛ Narrative of a tour: H. Southgate (۱۳۸): ۱۸۴۰، through Armenia, Koordistan لٹرن، ۱۸۴۰ء؛ Notes of a journey through a part of Koordistan در، JRGs لٹرن، ۱۸۴۰-۱۸۴۱ء؛ Notes of a journey from Erzerum: H. Suter (۱۴۰): ۱۸۴۱، to Trebisond (وی مجلہ): (۱۴۱) G. Fowler (۱۴۱): ۱۸۴۲، Aix-la-Chapelle، (۱۴۲) W. F. Ains- (۱۴۲): ۱۸۴۲، Travels and Research in Asia Minor, Mesopot-: worth

1826 - 1828، persische Krieg 1826 - 1828، (سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۸۷ء بعد)۔

The Russian: Greene (۹۷) ۱۸۷۸-۱۸۷۸ء کی جنگ پر دیکھیے: Turkey و army and its campaigns in 1877 - 1878 لٹرن، Von Plewna bis Adrianopel: v. Jagwitz (۹۸) ۱۸۸۰ء؛ Kritische Rückblicke auf den: Kuropatkin (۹۹) اور، ۱۸۸۰ء؛ russich-türkischen krieg (در جرمن، از Kramer، برلن ۱۸۸۵-۱۸۸۷ء)۔ آرمینیہ میں انیسویں صدی کے آخری دس سالوں میں فتنہ و فساد کے لیے دیکھیے: The Armenian crisis and the rule of: F. D. Greene (۱۰۰) La rébellion: R. de Coursons (۱۰۱) ۱۸۹۵ء؛ arménienne پیرس ۱۸۹۵ء؛ Les souffrances de: G. Godet (۱۰۳) ۱۸۹۶ء؛ Europa، برلن ۱۸۹۶ء؛ l' Arménie Neufchâtel، ۱۸۹۶-۱۹۱۵ء کے بعد سے آرمینوں کے قتل عام، جلا وطنی اور نقل مکان پر دیکھیے آرمینیہ کی جدید تاریخ، جو اوپر مذکور ہیں (یعنی از J. de Tchob- (۱۰۴): Paserdjian، Kevork Aslan، Morgan، Le peuple arménien l' Arménie saus le joug turc: anian پیرس ۱۹۱۳ء؛ L' Arménie et le Proche-Orient: F. Nansen (۱۰۵) پیرس ۱۹۲۸ء؛ Hist. mod. des Arméniens: Basmadjian (۱۰۶) پیرس ۱۹۲۲ء؛ Aperçu de l' hist. mod. de: Paserdjian (۱۰۷) ۱۹۲۸-۱۹۲۹ء سے ۱۹۲۰ء تک، در l' Arménie (خصوصاً ۱۸۲۸ء)؛ J. Missakian (۱۰۸) ۱۹۳۹-۱۹۴۸ء، hist. et de civil. arm.، A searchlight on the Armenian question, 1878-1950 بوسٹن ۱۹۵۰ء؛ A. Nazarian (۱۰۹) ۱۹۵۳ء؛ Die Sowjetunion: W. Leimbach (۱۱۰) پیرس ۱۹۵۳ء؛ شٹٹ گارٹ ۱۹۵۰ء (بیانات متعلقہ روسی آرمینیہ): (۱۱۱) P. Rondot، Chrétien d' Orient Cahiers de l' Afrique et l' Asie، ج ۴)؛ A. J. Toynbee (۱۱۲) ۱۹۹-۱۷۱-۱۹۹۹ء؛ دیگر تصانیف میں دیکھیے نیز: The treatment (۱۱۳) پیرس ۱۹۱۶ء؛ Les Massacres arméniens، British Blue Book، of Armenians in the Ottoman empire لٹرن، ۱۹۱۶ء؛ The Memoirs of Naim bey: A. Andonian (۱۱۴) ۱۹۲۰ء؛ اور، cres of Armenians لٹرن، ۱۹۲۰ء؛ Turk. off. doc. relative to the deportations and massa- Essai: J. de Morgan (۱۱۵) اور، ۱۹۲۰ء؛ sur les nationalités (les Armenians) پیرس ۱۹۱۷ء۔

آرمینی کلیسا کی تاریخ پر دیکھیے (۱۱۶) A. Ter Mikelian، Die arm.: Kirche und ihre Beziehungen zur byzant. vom 4-13. Der gegenwärtige Zus-: H. Gelzer (۱۱۷) ۱۸۹۱ء؛

Lynch-Oswald نقشہ (۱۶۱) بہترین نقشہ ottoman، ۳۰۰۰۰۰۰:۱، برلن ۱۸۹۲ء؛ (۱۶۱) بہترین نقشہ Lynch-Oswald؛ *Map of Armenia and Adjacent countries* ہے، لنڈن ۱۹۰۱ء؛ دیکھیے نیز (۱۶۲) نقشہ تیار کردہ Cuinet: *La Turquie d'Asie*، ۱۸۹۱-۱۸۹۲ء، و (۱۶۳) Murray: *Handy Classical Maps, Asia Minor*؛ وہ نقشے جو سیاحوں کے لیے تیار کردہ ہدایت ناموں پر پائے جاتے ہیں، مثلاً (۱۶۴) Baedeker، *Guide Bleu*، (۱۶۵) ترکی کے راستوں کا نقشہ (ٹرکیہ بول خر بیطہ سی، ۱: ۲۵۰۰۰۰۰)؛ (۱۶۶) وہ نقشہ (پیمانہ، ۱: ۸۰۰۰۰۰۰) جو ٹورکیہ، ۱۹۳۶ء، میں ہیں (صفحات بابت مملکتیہ، سیواس، ارزروم، موصل)؛ (۱۶۷) نقشہ تیار کردہ National Geogr. Institute، پیرس، ۱: ۱۰۰۰۰۰۰، ۱۹۳۴ء (صفحہ برائے ارزروم)۔

(M. CANARD)

* اُرمیہ: ایران کے صوبہ آذربائیجان کا ایک ضلع اور شہر۔ نام: اسے شامی ”اُرمیا“ لکھتے ہیں، اُرمَن ”اُرم“ (Ormi)، عرب ”اُرمیہ“، ایرانی ”اُرمی“ اور ترک ”اُرمیہ“ یا ”اُرمیہ“ (روم) ”بوزنطی ترکی“ سے خیالی اشتقاق کی بنا پر)۔ بہر حال یہ نام کسی غیر متعین غیر ایرانی اصل کا ہے۔ آشوری ماخذ میں سرزمین من (Mann) میں جمیل اُرمیہ کے قریب ایک جگہ کا نام اُرمیہ (Urmeiate) لکھا ہے (قَب Streck، در ZA، ۱۴: ۱۴۰؛ *Verhandl. d. Berl. Gesell. f. Anthrop.*، ۱۸۹۴ء، اور *Münchener Mittheilungen*، ۱۸۹۴ء، اور *Zap*، ۲۴ [۱۹۱۷ء: ۱۷۰]۔ دوسری طرف کلاسیکی جغرافیہ نویس اس نام سے واقف نہیں تھے اور اسی طرح اوستا (*Avesta*) اور پہلوی ماخذ بھی (قَب Jackson: کتاب مذکور، ص ۸۷)۔ ساتویں صدی عیسوی کے اُرمی جغرافیہ دان بھی یہ نام نہیں جانتے تھے (قَب Marquart: *Erānšahr*)، اس کے باوجود کہ مؤخر زرتشتی روایت میں، جس کا عربوں نے شروع زمانے میں ذکر کیا ہے (قَب البلاذری، ص ۳۳۱؛ ابن خردادبہ، ص ۱۱۹)، زرتشت کی جاے پیدائش اُرمیہ بتائی گئی ہے۔ جغرافیہ: ضلع اُرمیہ کی حد بندی یوں ہے کہ مشرق میں بحیرہ اُرمیہ ہے اور مغرب میں وہ سلسلہ کوہ جو شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ایران کو ترکی سے جدا کرتا ہے۔ شمال میں اس کی حد ”شاہ بازید- اوغان داغی“ نامی سلسلہ کوہ ہے، جو مشرق سے مغرب کو چلا گیا ہے اور صوبے کو سلماس (Salmas) [رک بان] سے جدا کرتا ہے۔ جنوب کی طرف اُرمیہ کی حد دریاے غادر کی وادی ہے، جس کا بالائی حصہ اُشنو (Ushnu) [رک بان] میں شامل ہے اور زیریں حصہ سلدوز (Sulduz) [رک بان] کی وادیوں کو سیراب کرتا ہے۔ شمالاً جنوباً اُرمیہ کا طول تقریباً اسی میل اور شرقاً غرباً اس کا عرض پینتیس میل ہے۔ ضلع اُرمیہ میں کچھ حصہ میدانی ہے اور کچھ پہاڑی۔ اس علاقے کو جو

W. J. (۱۴۳)؛ لنڈن ۱۸۴۲ء؛ *amia, Chaldaea and Armenia, Research in Asia Minor, Pontus, and Armenia*: Hamilton؛ لنڈن ۱۸۴۲ء، جرمن طبع از A. Schonburgk، مع اضافہ از H. Kiepert؛ *A journey from London to: I. Ussher* (۱۴۴)؛ (۱۸۴۳ء)؛ *Persepolis, old World, a tour in Russia, the Caucasus Persia, etc.*؛ لنڈن ۱۸۶۵ء؛ (۱۴۵)؛ *Transcaucasia and Ararat*: J. Bryce (۱۴۶)؛ (۱۸۶۷ء)؛ *Armenians, Koords and*: Creagh (۱۴۷)؛ (۱۸۷۰ء)؛ *Turkish Armenia and*: H. Tozer (۱۴۸)؛ *East Asia Minor Voyage en*: Fréde (۱۴۹)؛ (۱۸۸۱ء)؛ *Arméniet en Perse I.*: W. Peterson (۱۵۰)؛ (۱۸۸۵ء)؛ *Transkaukasien und Arménien*؛ لاپزگ ۱۸۸۵ء؛ نیز (۱۵۱)؛ *Vtoraja zapiska Abû Dulafa v geogra-: Kračkovskij, ficeskom slovaré lakuta (Azerbajdzan, Armenija, Iran), Izbrannye Sočinenija*، ماسکو-لینن گراڈ ۱۹۵۵ء، ص ۲۸۰-۲۹۲ (ابو ذلف کے بارے میں دوسری اطلاع دریا قوت: مجمع البلدان (آذربائیجان، ارمینیہ، ایران)، منتخب تصانیف)؛ (۱۵۲)؛ *N. D. Mikluxo-Maklaj Geografičeskoje: N. D. Mikluxo-Maklaj sočineje XIII v. na peridskom jazyke (novyj istočnik po istoričeskoj geografii Azerbadzjana i Arménii)*؛ (۱۵۳)؛ *Učenyje Zapiski Instituta Vostokovjed- enija*، ۱۹۵۴ء، ج ۹، (فارسی میں تیرہویں صدی کے جغرافیہ کی ایک کتاب ہے اور آذربائیجان و ارمینیہ کے تاریخی جغرافیہ کا ایک نیا ماخذ۔ ”ادارہ مستشرقین کے عالمانہ مشاہدات“، جہاں تک ۱۹۱۴ء سے پہلے کے زمانے کی آبادی کے اعداد و شمار کا تعلق ہے، دیکھیے (۱۵۴)؛ *Die Verb- reitung: N. v. Seidlitz و G. L. Selenoy*؛ *der Arménier in der asiat. Türkei und in Trans-Kaukas*؛ *Peterm. Mitt.*، ۱۸۹۶ء، اور زیادہ جدید اعداد و شمار کے لیے وہ تصانیف جو اس مادہ زیر نظر میں اس موضوع پر مذکور ہیں؛ دیکھیے نیز (۱۵۵)؛ *R. Khernian Les: R. Khernian Arméniens, introd. à l'anthropologie du Caucase*، ۱۹۴۳ء۔ نقشوں کے لیے دیکھیے (۱۵۶)؛ *Map of Asia Minor: Glascott*؛ *and Armenia (تقریباً ۱۸۵۰ء)*؛ (۱۵۷)؛ *H. Kiepert Karte von: H. Kiepert*؛ *Georgien, Arménien und Kurdistan*، برلن ۱۸۵۴ء؛ (۱۵۸)؛ *وی مصتف: H. Kiepert Spec-: H. Kiepert*؛ (۱۵۹)؛ *berlén ۱۸۵۸ء*؛ (۱۶۰)؛ *وی مصتف: ialkarte des türk. Arm. Carte générale des prov. europ et asiat. de l'empire*

پرورش کے لیے بہت سازگار ہیں۔

آثار قدیمہ: شہر کے قُرب وجوار میں متعدد ٹیلوں (مثلاً گورک تپہ، دگلہ، ترمینی، احمد، سرلن، دیزہ تپہ) سے بہت ہی قدیم زمانے کی چیزیں دستیاب ہو چکی ہیں (قُب Fundstücke aus Grabhügeln bei Virchow: Urmia در Zeitschr. f. Ethnologie، ج ۳۲، ۱۹۰۰ء: ص ۶۰۹-۶۱۲؛ Jackson: کتاب مذکور، ص ۹۰-۹۸؛ Lehmann-Haupt: Arme- nien، ۱۹۰۷ء: ۲۷۱؛ چنانچہ ۱۸۸۸ء میں گورک تپہ کی کھدائی میں پچیس فٹ کی گہرائی پر ایک محرابی چھت کا تہ خانہ نکلا اور اس میں سے اسطوانی شکل کی ایک مہر برآمد ہوئی، جس پر بابلی دیوتاؤں کی شکلیں تھیں۔ وارڈ (W. H. Ward) نے امریکی رسالہ Amer. Journ. of Archaeol.، ۱۸۹۰ء، ج ۶، ۲۸۶-۲۹۱ء میں اور Lehmann-Haupt نے Materialien z. älter. Gesch. Armeniens، ۱۹۰۷ء، ص ۸-۱۲، میں اس کی تاریخ نواح دوہزرا قبل مسیح متعین کی ہے۔ اگر اُرمیہ قدیم اُرمیت (Urmeiate) ہی ہے تو یقیناً وہ منائیوں (Mannaeans) (یرمیاہ، ۵۲: ۲۷، کے ”متی“) کی سرزمین میں شامل ہوگا اور یہ آشوریوں کے حملے کی آماج گاہ اور سلطنت وان (Urartu) کے زیر اثر رہا ہوگا (قُب بزرگی اور قلعة السعلیل خان کے سنگین حجرے، جو وانی (Vannic) وضع کے بنے ہوئے ہیں: قُب منورسکی (Minoršky)، در Zap.، ۱۸۸۰-۱۹۱۰ء)۔ [بظاہر برادوست میں کوہ کوئل پر ایک تیسرا حجرہ بھی ہے]۔

ان دونوں ناموں کی صوتی مشابہت کی بنا پر (d'Anville) کو یہ خیال آیا کہ اُرمیہ کو θηβαρμαίς سمجھا جائے، جہاں ایک بہت بڑا آتش کدہ تھا، جسے ہرقل (Heraclius) نے ۶۲۳ء میں جلا دیا تھا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جس راہ پر خسرو پرویز نے دسٹ گرد کی طرف سفر کیا تھا اسی پر تھرمیس (تھیبر مائس Thebarmaïs) بھی واقع تھا (قُب Erdkunde: Ritter، ۱۸۴۲ء: ۹۰)۔ شیوفان (Theophanes) کے اس متن کی رُو سے جسے دبور (De Boor) نے ازسرنو درست کیا، ۱: ۳۰۸، ۱۹۰: ۴، ۱۹۰، ۶۱۹، اگر جنزہ (Gazaka) کے محل وقوع [کو پیش نظر رکھیں تو تھرمیس (Thebarmaïs) مشرق کی طرف واقع تھا εν τῆ Ἰωνίᾳ - Ἀνατολῆ - رالینسن (Rawlinson) کے بعد سے مؤخر الذکر جگہ تخت سلیمان [قُب شیز] میں بتائی جاتی ہے؛ اس لیے دبور نے تھرمیس کا تعلق تھرمیس (Bithirmais)، تھرمیس (Berthemaïs) اور برمیس (Bermaïs) سے بتایا ہے۔ یہ وہ نام ہیں جن کا ذکر متعدد قدیم مصنفوں نے کیا ہے۔

مسلم دور: اُرمیہ کی فتح کا سہرا صدقہ بن علی کے سر ہے، جو بنو اُرد کے مولیٰ تھے۔ انھوں نے یہاں متعدد قلعے بنائے (البلادری، ص ۳۳۱-۳۳۲)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اسے عقبہ بن فزق نے اس وقت فتح کیا جب [حضرت] عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ۲۰ھ/۶۴۰ء میں موصل کا علاقہ فتح کرنے کی غرض سے بھیجا تھا۔ نویں صدی عیسوی کے جغرافیہ نگار (الإصطخری، ص ۱۸۱؛ ابن حوقل، ص

در یا سیراب کرتے ہیں اور جن کا بہاؤ مغرب سے مشرق کی طرف ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) براغڈوز: ضلع مرجفار (Märgävär) کے ندی نالوں کو ملاتا ہوا نرگی (Nergi) گھاٹی میں سے گزر کر میدان میں چلا جاتا ہے اور اس کے جنوبی حصے کے گرد بہتا ہے۔ دائیں، یعنی جنوبی کنارے کی طرف براندوز میں دریائے قاسم اُو بھی شامل ہو جاتا ہے، جو دشتبیل الصغیر میں بہتا ہے۔ ماہ کے پہاڑ مشرقی دشتبیل اور ڈل (Dol) کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔ یہ مؤخر الذکر ضلع گھوڑے کے نعل کی شکل کا ہے اور جھیل کے جنوب مغربی کنارے پر (سُلدوز کے شمال میں) واقع ہے۔

(۲) یزدہ سُور (گردی زبان میں: ”سنگ سُرخ“): یہ دریا پیند کار کی گھاٹی میں سے ہو کر، جو ترکی مملکت میں ہے، دشت کے پہاڑی علاقے میں بہتا ہے، جو اُرمیہ ہی کا علاقہ ہے۔ یہاں سے یہ درہ بند میں ہوتا ہوا میدانی علاقے میں اتر کر شہر اُرمیہ کے اندر سے گزرتا ہے اور اسی لیے اس کا دوسرا نام شہر چای (یعنی شہر کا دریا) ہے۔

(۳) رُو ز (روضہ) چای، یہ دریا ضلع تر جفار کے پہاڑی علاقے کا پانی لے جاتا ہے اور جھیل تک پہنچنے سے پہلے اس میں سے زراعتی نہریں نکالی گئی ہیں۔

(۴) نازی چای: متعدد ندیوں کو ملنے سے بنا ہے۔ ان میں سے جنوبی ندی ترکی کے ایک ضلع دیری (Deiri) سے نکلتی ہے (یہیں مارپیشو کی خانقاہ ہے)، پھر موضع اُزین کے نیچے سے تر جفار کے شمالی حصے میں چلی جاتی ہے (یہاں اس کے دائیں کنارے پر دریائے مؤانہ اس میں شامل ہو جاتا ہے)؛ درمیانی ندی بازرگہ (ترکی) کی گھاٹی میں سے نکل کر، موضع سیرو کو قریب ایرانی ضلع برادوست میں داخل ہو جاتی ہے؛ شمالی ندی سلماس کے ضلع صومانی [رٹ بان] میں سے آتی ہے۔ ان تینوں ندیوں کا پانی کوہ منخل سر (گردی زبان میں: ”سر پر بانڈی“) کے نیچے آ کر مل جاتا ہے اور وہ دریا جوان تینوں کے ملنے سے بنتا ہے وہ قلعة السعلیل خان شگاک [رٹ بان] کے پاس میدان کے شمالی حصے میں بہنے لگتا ہے۔ اسی کے بائیں کنارے کے شمال میں اوغان طانغی (داغی) کی ڈھلان پر ضلع اُنزل واقع ہے۔

اُرمیہ کی جھیل سطح سمندر سے چار ہزار دو سو پینتالیس فٹ کی بلندی پر ہے اور خود شہر اُرمیہ چار ہزار تین سو نوے فٹ کی بلندی پر۔ بیرونی حصے کی چوٹیوں کی بلندی چار ہزار سات سو اسی، سات ہزار تین سو تیس، آٹھ ہزار تین سو پچانوے اور سرحدی سلسلے کی بلندی گیارہ ہزار دو سو تیس، گیارہ ہزار پانسو یا لیس اور گیارہ ہزار آٹھ سو تیس فٹ ہے۔

پانی کی فراوانی کی وجہ سے اُرمیہ کا میدانی علاقہ، جہاں دریاؤں کی مٹی آتی رہتی ہے، بے حد زرخیز و شاداب ہے۔ دیہات میں ہریاول ہی ہریاول نظر آتی ہے۔ پہاڑی اضلاع کی زراعت کا انحصار بارش پر ہے اور طبعی حالات بھیڑوں کی

عُزوں کی جس تیس ہزار فوج نے اس کے علاقے میں سے گزرنا چاہا تھا اس نے ایک ٹیل کے نزدیک اس کے پیچیس ہزار آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے (۲۳۳ھ) (قبّ ابن الأشیر، ۹: ۲۷۱)۔

محرم ۴۵۵ھ [جنوری] ۱۰۶۳ء میں سلطان [ار] طغرل اُرمیہ کے علاقے میں سے گزرا (الْبُنْداری، ص ۲۵)۔ جب سلطان مسعود نے بغداد سے آذربایجان کی طرف مراجعت کی (۵۲۶ھ؟) تو اس وقت اُرمیہ میں امیر حاجب تاتار قلعه بند ہو کر بیٹھ گیا، لیکن بعد میں اس نے سلطان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے (وہی کتاب، ص ۱۶۵)۔ ۵۴۴ھ / ۱۱۴۹ء میں اُرمیہ پر سلطان مسعود بن سلطان محمود بن سلطان ملک شاہ کے بھتیجے اور داماد ملک محمد بن محمود بن محمد کی حکمرانی تھی (راحة الصدور، GMS، ص ۲۴۴)۔

جب آخری سلجوقی سلطان طغرل نے اپنے چچا الدیکیزی قزل آرسلان کے خلاف بغاوت کی تو امیر حسن بن قفجاق اس کی مدد پر تھا اور اس کے ساتھ مل کر اس نے ۵۸۵ھ میں اُرمیہ کا محاصرہ کیا، شہر پر ہلہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور اُسے تاخت و تاراج کر ڈالا (الْبُنْداری، ص ۳۰۲)۔ اسی سلجوقی دور میں سمجھنا چاہیے کہ یہ گنبد ان کی تعمیر ہوئی، جس پر خانیکوف (Khanykov) نے ابو منصور بن مویلی کا نام اور ۵۸۰ھ / ۱۱۸۴ء کی تاریخ پڑھی ہے۔

۶۰۲ھ میں تبریز کے اتابک ابوبکر نے اُشٹو (کنداجاے اُشٹو) [قاموس الاعلام: اُشٹو؛ جغرافیای مفضل ایران: اُشٹو، اُرمیہ سے ۵۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر؛ اُشٹو امضافات نیشاپور میں سے ہے] اور اُرمیہ کو مراغہ [رتک بان] کے اتابک علاؤ الدین کے حوالے کر دیا، تاکہ اس کے ہاتھ سے جو مراغہ کا شہر نکل چکا تھا اس کی تلافی ہو سکے (ابن الأشیر، ۷: ۱۵۷)۔ ۶۱۷ھ میں یاقوت نے اُرمیہ کی سیاحت کی۔ اس نے اسے غیر محفوظ بتایا ہے، کیونکہ اس کا الدیکیزی حکمران اوزبک بن پہلوان ایک کمزور حاکم تھا۔

جس زمانے میں آذربایجان پر جلال الدین خوارزم شاہ کی حکومت تھی تو اُرمیہ، سلماں اور خوی کے اضلاع اُس سلجوقی شہزادی کی ذاتی جاگیر میں شامل تھے جسے جلال الدین خوارزم شاہ اس کے پہلے خاوند الدیکیزی ازبک کے ہاں سے لے آیا تھا۔ ۶۲۳ھ میں ایوانی ترکمانوں نے اُرمیہ پر قبضہ کر کے اس پر خراج عائد کر دیا۔ جلال الدین خوارزم شاہ نے اپنی ملکہ، یعنی مذکورہ بالا شہزادی، کی شکایت پر اپنی فوجیں بھیج دیں، جنھوں نے ترکمانوں کو شکست دی (ابن الأشیر، ۱۲: ۳۰۱)۔ پھر بعد میں اُرمیہ سابق الدیکیزی ازبک کے ایک غلام بوغدی نامی کو دے دیا گیا (قبّ النسوی، طبع Houdas، ص ۱۱۸، ۱۵۳، ۱۶۵)۔

اس کے برعکس الجوبینی (۱۸۴، ۱۶۰: ۲) کے قول کے مطابق جنگ گزنی کے موقع پر گر جستان کے دو سپہ سالار شلٹو اور ایوان گرفتار ہو گئے تھے اور شروع میں جلال الدین نے انھیں عزت کے ساتھ رکھا اور کچھ عرصے کے لیے مرند، سلماں، اُرمیہ اور اُشٹو کی حکومت بھی ان کے سپرد کر دی۔ ۶۲۸ھ / ۱۲۳۰-۱۲۳۱ء میں جب

۲۳۹) اُرمیہ کو آذربایجان کا تیسرا بڑا شہر قرار دیتے ہیں (یعنی آزدبیل اور مراغہ کے بعد) اور بالخصوص اس کے پانی، سرسبز چراگاہوں اور پھلوں کی فراوانی کا ذکر کرتے ہیں۔ المفرد سی (ص ۵۱) نے اُرمیہ کو اُرمینیہ میں بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ شہر دین کی حکومت کے ماتحت ہے۔ اس زمانے میں اُرمیہ اسی شاہ راہ پر واقع تھا جو آزدبیل - مراغہ - اُرمیہ - بزرگرمی ہوتی ہوئی خلیج وان کے شمال مشرق سے آمد تک جاتی تھی (المفرد سی، ص ۳۰۲)؛ چونکہ اس وقت تک تبریز [رتک بان] کو کچھ اہمیت حاصل نہیں ہوئی تھی، اس لیے یہ شاہ راہ اس سے کٹتی ہوئی جنوب کے اہم شہروں کی طرف گھوم جاتی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شمالی آذربایجان میں ایسے عناصر کی موجودگی کی وجہ سے جنھیں اب تک زیر نہ کیا جاسکا تھا، یہ سڑک جنوب کی طرف گھوم جاتی ہو (قبّ النسوی، الشراة اور تاریخ بابک)۔

اُرمیہ کے ضلع میں گردوں اور عیسائیوں کی آبادی ہے، اس لیے اس علاقے نے تاریخ اسلامی میں کبھی کوئی نمایاں حیثیت حاصل نہیں کی۔ یہ ایک دور افتادہ جاگیر تھی، جہاں ان خاندانوں کی شاخیں الگ تھلگ رہتی تھیں جو آذربایجان پر حکومت کرتے تھے۔

جب آذربایجان پر دہلیوں کی حکومت تھی تو اُرمیہ میں ایک شخص جنتان بن شرمزمن تھا۔ اس قائد نے اپنے دورِ عمل کا آغاز ۳۴۲ھ / ۹۵۳ء میں گرد حاکم دینم کے ایک مخلص ساتھی کی حیثیت سے کیا (قبّ گرد)، لیکن بعد میں دہلیوں نے اُسے اپنے ساتھ ملا لیا اور مرزبان کی ماتحتی میں اسے اُرمینیہ کا حاکم بنا دیا گیا۔ مرزبان کی موت پر جب ۳۴۶ھ میں اس کا بیٹا جنتان اس کا جانشین ہوا تو جنتان بن شرمزمن نے اس کی سیادت تسلیم نہیں کی۔ پہلے تو وہ اُرمیہ چھوڑ کر ابراہیم بن مرزبان کی حمایت کے لیے چلا گیا اور اس کے نام پر مراغہ فتح کر لیا، لیکن بعد میں وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر اُرمیہ واپس آ گیا اور شہر کے گرد فصیلیں تعمیر کر لیں۔

اس کے بعد اُس نے مدعی خلافت اُمستخیر باللہ کی ملازمت اختیار کر لی اور اُسے قحطانی گردوں کی تائید و حمایت حاصل ہو گئی، لیکن مرزبان کے دونوں بیٹوں (جنتان اور ابراہیم) نے اسے ہڈ بانی گردوں کی مدد سے شکست دی۔ اس کے بعد ۳۴۹ھ میں مرزبان کے بھائی و ہنسودان کی انگینت پر اس نے ابراہیم بن مرزبان کو ہزیمت دی، اس کی بقیہ فوج کو گرفتار کر لیا اور مراغہ کا الحاق اُرمیہ سے کر لیا۔ ۳۵۵ھ میں بوہبی سلطان رکن الدولہ کے کہنے پر جنتان نے دوبارہ ابراہیم بن مرزبان کی سیادت تسلیم کر لی (ابن مسکوویہ: تجارب الامم، طبع ایمڈروز (Amedroz)، ۲: ۱۵۰، ۱۶۷، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۹، ۲۱۹، ۲۲۹؛ ابن الأشیر، ۳۹۵: ۸)۔

جب عُزوں نے آذربایجان پر حملہ کیا (۴۲۰-۴۳۲ھ) تو اس وقت اُرمیہ کی حکومت ایک شخص ابوالہجاء [کذا، ابوالہجاء] بن ربیب الدولہ کے ہاتھ میں تھی، جو ہڈ بانی گردوں کا رئیس تھا اور اس کی والدہ تبریز کے حاکم و ہنسودان الرّوادی کی بہن تھی (قبّ ماڈہ ہائے تبریز و مراغہ)۔ ربیب الدولہ کا یہ بیٹا فخر کیا کرتا تھا کہ

بہت واضح بیان (۲۷۱:۴-۳۱۸) موجود ہے۔ یہ شخص وان سے اُرمیہ اس لیے گیا تھا کہ خان اُرمیہ (جس کا نام مذکور نہیں) اور بیس دوسرے خوانین گروں کے ایک قبیلے پینا پینش کی بھیڑوں کے جو گلے ہکا لے گئے تھے انھیں واپس لائے۔ بد قسمتی سے وہ جن مقامات سے گزرا ان کے ناموں اور اس کے پورے بیان میں بہت کچھ التباس و ابہام پایا جاتا ہے۔

اس کا بیان ہے کہ قلعے کی بنا ۶۹۴ھ/۱۲۹۵ء میں غازان [خان] نے رکھی تھی اور ۹۳ھ/۱۵۲۴ء میں شاہ طہماسپ نے اس کی توسیع کی۔ جب ترکوں نے اُرمیہ کو سلطان سلیمان کے عہد میں فتح کر لیا تو سلیمان پاشا اور جعفر پاشا نے اس کی قلعہ بندی کو مستحکم کرایا۔ قلعے کا عام نام طوپراق قلعہ ہے، لیکن ایرانی (?) مؤرخین اسے سُرغلائی غازان لکھتے ہیں۔ قلعے کی دیواریں گچ کی تھیں، اس لیے یہ قلعہ ”ایک سفید بنس“ کی طرح نظر آتا تھا۔ اس کا محیط دس ہزار قدم تھا، دیواریں ستر ہاتھ (ذراع) اونچی اور تیس ہاتھ چوڑی تھیں، خندق اسی ہاتھ چوڑی تھی اور اس کا محیط پندرہ ہزار قدم تھا۔ رات کے وقت دیواروں پر مشعلیں روشن رہتی تھیں۔ قلعے میں چار ہزار فوج تھی اور تین سو دس (?) توپیں۔ خان کی ملازمت میں پندرہ ہزار سپاہی اور بیس ہزار نوکر تھے۔

قلعے اور شہر کے درمیان بندوق کی ایک مار کا فاصلہ تھا۔ شہر میں ساٹھ محلے، چھ ہزار گھر اور آٹھ جامع مسجدیں تھیں۔ ان میں سے ایک مسجد اڈؤن حسن کی بنوائی ہوئی ہے، جسے اس کے فرزند سلطان یعقوب نے مکمل کیا۔ اُرمیہ کے میدانی علاقے (اور لگا) میں ڈیڑھ سو گاؤں تھے، جن میں تین لاکھ مزارع آباد تھے۔

اڈلیا چھلی کا کہنا ہے کہ شہر نہایت خوش حال تھا۔ اس نے یہاں کی خانقاہوں (حضرت کوچغہ سلطان)، مدرسوں، مکتبوں اور قہوہ خانوں کی بھی تفصیل دی ہے اور بیان کیا ہے کہ یہاں ایشیا کی قیمتیں مقرر تھیں (”برخ شیخ صفی“).

افشار: اٹھارہویں صدی عیسوی میں اُرمیہ کی قسمت بہت قریبی طور پر افشاریوں کی قسمت سے وابستہ رہی، جو یہاں کے میدانی علاقے میں رہتے تھے (قبّ اوپر)۔ ان کے سردار کا منصب بگلر بیگی کا تھا۔ ان میں سے جو لوگ زیادہ مشہور ہیں وہ (بقول Nikitine) حسب ذیل ہیں:-

خداداد بیگ قاسم لو: ۱۱۱۹-۱۱۳۴ھ/۱۷۰۷-۱۷۲۲ء؛

فتح علی خاں اَرشَلُو: ۱۱۵۷-۱۱۷۲ھ/۱۷۴۴-۱۷۵۸ء؛

رضاقلی خان: ۱۱۸۲-۱۱۸۵ھ/۱۷۶۸-۱۷۷۱ء؛

امام قلی خان: ۱۱۸۶-۱۱۹۷ھ/۱۷۷۲-۱۷۸۳ء؛

محمد قلی خان: ۱۱۹۸-۱۲۱۱ھ/۱۷۸۳-۱۷۹۶ء؛

حسین قلی خان قاسم لو: ۱۲۱۱-۱۲۳۶ھ/۱۷۹۶-۱۸۲۱ء؛

نجف قلی خان: ۱۲۳۶-۱۲۸۲ھ/۱۸۲۰-۱۸۶۵ء (قبّ Fraser،

۵۶:۱)۔

یہ امر اپنے پڑوسیوں سے برابر جنگ کرتے رہتے تھے (شمال میں خوی

اس پر مغلوں کا دباؤ بڑھ رہا تھا تو خوارزم شاہ نے اُرمیہ و اَشْنُو کے علاقے میں موسم سرما بسر کیا (قبّ ابوالفرج، طبع Pococke، ص ۴۷۰؛ رشید الدین، طبع Blochet، ص ۳۲)۔ اس کے اس قیام ہی سے اس روایت کی توجیہ بھی ہو جاتی ہے کہ خوارزم شاہ نے سہ گنبدان (قبّ اوپر) تعمیر کیا تھا نیز یہ کہ وہ اُرمیہ ہی میں دفن ہوا (قبّ Bittner، ص ۷۵: Hörmle، ص ۴۸۸)۔

خانیکوف (Khanykow) کا قول ہے کہ اُرمیہ کی مسجد جامع پر ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء کی تاریخ کندہ ہے [ایلٹان اباغا [ابا قاتا] کا دور حکومت]۔

تیور: مقامی تاریخ نویس نکیتین (Nikitine) نے لکھا ہے کہ تیور نے اُرمیہ افشار قبیلے کے ایک شخص گرگین بیگ کو بطور جاگیر دے دیا تھا، جس نے اپنا مستقر قلعہ طوپراق میں بنا لیا تھا، جو اُرمیہ سے ایک چوتھائی فرسخ کے فاصلے پر ہے، لیکن ظفر نامہ ۱: ۲۲۴، میں مذکور ہے کہ اُرمیہ کا حاکم ایک شخص شیوک (?) تھا اور اس کے حقوق کی توثیق تیور نے ۷۸۹ھ/۱۳۸۷ء میں کی تھی۔

بَرادوست: [تاریخ] عالم آراء (ص ۵۵۹) میں مذکور ہے کہ شاہ طہماسپ [صفوی] کے زمانے میں اُرمیہ پر بعض بڑے امرا حکمرانی کرتے تھے اور برادوست قبیلے کے گرد قہر تاج کو، جسے شاہ سوون کا لقب حاصل تھا، تر جفار (Targavär)

اور مر جفار (Märgävär) کے ضلع دے دیے گئے تھے۔ ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء میں شاہ عباس [صفوی] نے اُرمیہ اور اَشْنُو کا علاقہ امیر خان برادوست کو اس کی وفاداری کے صلے میں دے دیا تھا، کیونکہ اس نے عثمانی ترکوں کی اطاعت قبول نہیں کی تھی، لیکن امیر خان نے یہ بہانہ کر کے کہ اُرمیہ کا قلعہ شکستہ ہے اپنا مرکز

دیمدیم میں قائم کر لیا (یہ جگہ اُرمیہ کے جنوب میں دریائے قاسم لو کے دہانے پر براندوز میں ہے)؛ اسی وجہ سے اس پر بیگ کی نگاہ پڑنے لگی؛ چنانچہ ۱۰۱۹ھ/

۱۶۱۰ء میں دیمدیم پر قبضہ کر لیا گیا اور اُرمیہ کا ضلع (اور لگا Ölgä)، قبان خان بجدلی (Bagdäli) کو دے دیا گیا، لیکن برادوست نے ایک فوجی چال چل کر

پھر دیمدیم پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد قبان خان کی جگہ (تبریز کے) بوداق خان پورنک کو مقرر کیا گیا اور پھر اس کے بعد آقاخان مقدّم المرائی کو؛ لیکن اسی کتاب (ص ۷۶۲) میں سلطنت کے ارکان و عمائد کی فہرست میں اُرمیہ کا حاکم کلب علی سلطان ابن قاسم خان کو بتایا گیا ہے، جو افشار قبیلے کی شاخ ایمان لی سے تعلق رکھتا تھا۔

صفویوں کے زمانے میں اُرمیہ میں شیعہ مذہب (قبّ اوپر) کی تبلیغ و اشاعت ایک محدود پیمانے ہی پر ہوئی؛ چنانچہ اُرمیہ کے علاقے میں گرد اور بعض دیہات (بالو Balow) کے باشندے اب تک سُنی ہیں۔ اہل السنّت میں نقشبندی مشائخ کے اثر کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۶۲۹ء میں سلطان مراد نے دیار

بکر میں اُرمیہ کے جن شیخ محمود کو قتل کرایا تھا ان کے مرید تیس چالیس ہزار کے قریب تھے۔ شیخ کے آبا و اجداد بھی اُرمیہ کے مشائخ میں سے تھے (قبّ ہامر

(v. Hammer)، در GOR، طبع دوم، ۱۸۷۳؛ جہان نیا، ص ۳۸۵)۔

اڈلیا چھلی: ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۵ء کے بارے میں ہمارے پاس اولیا چھلی کا

(قَب: Gangeblov: کتاب مذکور).

عُبید اللہ: ۱۸۸۰ء میں شیخ عبید اللہ القمہدینان [رٹ بان] نے آذربایجان پر حملہ کر دیا۔ کردوں نے اُرمیہ کا محاصرہ کر لیا اور قریب تھا کہ شہر ہتھیار ڈال دے کہ خان ماناؤ [رٹ بان] کی فوجیں آگئیں اور شہر بچ گیا۔

ترکوں کا قبضہ: اگست ۱۹۰۶ء میں مشرق بعید میں [جاپانیوں کے ہاتھوں] روسیوں کو جو ہزیمتیں ہوئیں ان کے بعد ترکوں نے اس بہانے سے کہ ترکی۔ ایرانی سرحد کا کبھی تصفیہ نہیں ہوا اُرمیہ کے ضلع پر قبضہ کر لیا، ماسوا خاص شہر کے، جو درمیان میں محصور رہا (قَب: Nicolas: کتاب مذکور)۔ جنگ بلقان شروع ہوئی تو ترکی فوجوں کو واپس بلا لیا گیا۔ دسمبر ۱۹۱۱ء میں تبریز [رٹ بان] کے ہنگاموں کے بعد اُرمیہ پر روسی فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ پہلی جنگ عظیم میں اُرمیہ پر کئی بار کبھی ایک حکومت کا قبضہ ہوا کبھی دوسری کا۔ ۹-۱۱۲ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو پہلی دفعہ اس پر کردوں اور ترکوں نے حملہ کیا۔ ۲ جنوری ۱۹۱۵ء کو روسیوں نے شہر خالی کر دیا۔ ۴ جنوری سے ۲۰ مئی تک اس پر ترک قابض رہے، پھر ۲۴ مئی کو روسیوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔

۱۹۱۷ء میں روسی فوجوں کے انتشار کے بعد شہر کی اصل حکومت آشوری عیسائیوں (مٹوئی) کی ایک مجلس کے ہاتھ میں چلی گئی۔ پھر چند نہایت ہولناک اور خون ریز واقعات رونما ہوئے (۲۲ فروری ۱۹۱۸ء کو عیسائیوں کے ہاتھوں اُرمیہ کے مسلمانوں کا قتل عام: ۲۵ فروری کو ایک گروہ سردار ستمگو کے ساتھیوں کے ہاتھوں بطریق مارشمنوں کا قتل؛ بیس ہزار ارمن مہاجرین کی وَا ن سے آمد؛ آشوریوں اور ترکوں کے درمیان لڑائیاں)۔ ان واقعات کے بعد تمام آشوری آبادی، اُرمیہ کے میدان میں جمع ہو گئی۔ پچاس سے ستر ہزار کی تعداد میں یہ لوگ جنوب کی طرف روانہ ہوئے تاکہ برطانیہ کی حمایت میں چلے جائیں (یہ واقعہ آخر جولائی اور شروع اگست کا ہے)۔ اس نقل مکانی میں عورتیں، بچے اور مویشی بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ صابین قلعہ اور ہمدان کی راہ سے چلے تھے اور بیچ بیچ میں ترکی فوجوں اور کردوں کے ساتھ بھی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ ان پناہ گزینوں کو بغداد کے شمال میں بعقوبہ کے مقام پر آباد کیا گیا (قَب: Wigram، Caujole، Rockwell، Shklowski: کتب مذکور)۔ آشوریوں کے نکل جانے کے بعد یکم اگست ۱۹۱۸ء کو کیتھولک اُسقف (Mgr. Sontag) اور اصطباغی (Baptist) فرقے کے مبلغ H. Pflaumer کو اُرمیہ میں قتل کر دیا گیا۔

امن بحال ہونے تک اُرمیہ برباد اور اجاڑ ہو چکا تھا اور مرکزی حکومت بتدریج ہی اس قابل ہو سکی کہ بحیرہ اُرمیہ کے مغرب میں اپنا اقتدار دوبارہ قائم کر لے۔ آبادی: ہم شروع میں وہ اعداد و شمار لکھ چکے ہیں جو (۱۶۵۵ء میں) اِذ لیا، چلی نے دیے ہیں اور جو غالباً مبالغہ آمیز ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں اُرمیہ میں چھ سات ہزار گھرانے تھے۔ ان میں سے سو گھرانے عیسائی تھے، تین سو یہودی اور باقی شیعہ مسلمان (قَب: ایرانی یادداشت، شائع کردہ: Bittner)۔ بقول فریزر (Fraser) (۱۸۲۱ء) اُرمیہ میں بیس ہزار لوگ آباد تھے؛ Hörnle

کے ذمہ داری اور جنوب میں زرزا اور مگر کی گرد) اور ہرج مرج کے زمانے میں (جیسا کہ اٹھارہویں صدی میں اکثر رہتا تھا) یہ لوگ بحیرہ اُرمیہ کے مشرقی علاقوں میں بھی تگ و تاڑ کرتے رہتے تھے۔

۱۷۲۴ء کی مہم میں عثمانی ترکوں نے ہٹاری کردوں سے یہ کام لیا کہ افشاریوں کی جانب سے فوجی سامان رسد کو جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا اس کا سدباب کریں۔ جب ۱۷۲۵ء میں ترکوں نے ملک کا نظم و نسق درست کیا تو اُرمیہ کی خانی قاسم لو (افشار؟) کے گھرانے میں موروثی حیثیت تسلیم کر لی گئی۔ ۱۷۲۹ء میں نادر [شاہ افشار] نے ترکوں سے مراغہ، ساؤج بولاق اور ویدیم دوبارہ چھین لیے (قَب: Histoire de Nadir، مترجمہ: جونز (Jones) جس ۱۰۴)؛ لیکن ۱۷۳۱ء میں حکیم اولوغ خانان کے دو امیروں علی پاشا اور رستم پاشا نے ایک مہینے کے سخت مقابلے کے بعد اُرمیہ کو دوبارہ لے لیا اور ہٹاری امیر بنائش کے حوالے کر دیا (قَب: Hammer، v. ۴، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۷۹)۔ اس کے بعد آذربایجان سے ترکوں کی بے دخلی ۱۷۳۶ء کے معاہدے کے بعد ہی ممکن ہو سکی۔

آزادخان: ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں نادی امیر ابراہیم شاہ کے بعد اس کا جہز آزادخان، جو ایک افغان امیر کی اولاد میں سے تھا، اول تو شہر زور کی طرف چلا گیا اور پھر اس نے افشاریوں کے اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُرمیہ پر قبضہ کر لیا، جہاں فتح علی خان نے اس کا ہمدردی سے استقبال کیا؛ چنانچہ اُرمیہ آزاد خان کی قلیل المدت ریاست کا صدر مقام قرار پایا۔ اُرمیہ کے شمال میں اوغان دائمی پہاڑ کا نام بظاہر اسی افغان حکومت کی یادگار ہے۔

قاچار: ۱۱۷۸ھ میں محمد حسن خان قاچار نے آزاد کوگیلان میں شکست دے کر اُرمیہ پر قبضہ کر لیا۔ فتح علی خان افشار محمد حسن سے مل گیا۔ محمد حسن کے مرنے کے بعد فتح علی خان پھر ابھرا اور اُس نے اُرمیہ میں متمکن ہو کر مراغہ اور تبریز پر قبضہ کر لیا۔ ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء کے موسم سرما میں کریم خان زند نے مؤخر الذکر کو تبریز میں محصور کر لیا۔ پھر اگلے سال میانہ کے قریب قرہ چمن کا معرکہ ہوا، جس کے بعد آذربایجان پر کریم خان کا قبضہ ہو گیا۔ سات ماہ کے محاصرے کے بعد اُرمیہ پر بھی قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد فتح علی کو کریم خان کے اصطلبلوں میں نظر بند کر دیا گیا (ان سالوں کے متعلق قَب: صادق نامی: تاریخ گیتی کشا)۔ زند خانان کے خاتمے کے بعد اُرمیہ کے افشار، سراب کے شقاق [رٹ بان] اور خوی کے ذمہ داری سب کے سب قاچاروں کے خلاف متحد ہو گئے، لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ فتح علی شاہ نے محمد قلی خان کو قتل کر دیا، لیکن حسین قلی خان افشار کی بہن سے شادی کر لی (Fraser، ۱: ۵۵)۔ اسی [حسین قلی خان] کے بیٹے، اُرمیہ کے پہلے ایسے حاکم تھے جنھیں تہران کی مرکزی حکومت کی طرف سے مقرر کیا گیا۔

۱۸۲۸ء میں جب روس اور ایران کے مابین جنگ ہو رہی تھی تو کوئی مہینے تک روسی فوجوں نے اُرمیہ پر قبضہ نہ کھایا۔ حاکم شہر، یعنی شہزادہ ملک قاسم میرزا، کی عدم موجودگی میں شہر کا انتظام بیگلر بیگی نجف قلی خان افشار کے سپرد رہا

مآخذ: (۱) متن میں موجود ہیں؛ نیز قتب (۱) حدود العالم، طبع بارٹولڈ (Barthold)، ۱۹۳۰ء، ورق ۳۲، اُرمیہ = اُرمیہ، ایک بڑا، خوش حال اور دل پسند شہر ہے؛ (۲) قزوینی، ص ۱۹۴؛ (۳) یاقوت، ۲۱۹:۱، ۵۱۳؛ (۴) حمد اللہ المستوفی، GMS، ص ۸۰، ۸۵، ۲۴۱؛ (۵) حاجی خلیفہ: جہان نیا، ص ۳۸۵ اور بحیرے کے اردگرد کا نقشہ؛ نسخہ خانوار و آسامی و لایٹ اُرمی (ایک قلمی نسخہ، جس میں اُرمیہ کے مواضع کی فہرست ہے) کے بارے میں دیکھیے: (۶) Die Sammlung: Dorn (۶) ... welche die kaiserl. Akademie im Jahre 1814 von Herrn v. Chanykow erworben hat، ص ۳۲، ۱۱۳؛ (۷) M. Bittner (۷) Stadt Urûmije، Phil.-hist. Classe، Sitzungs b. Akad. Wien، در ۱۸۹۶ء، ص ۱-۹۷ (ایک ایرانی یادداشت کا متن اور ترجمہ ہے، جس کی تکمیل تاریخی و جغرافیائی تعلیقات کے ساتھ انیسویں صدی کی ابتدا میں ہوئی؛ (۸) صنّیع الدؤلہ: مزاة البلدان، ج ۱، ۱۲۹۴ھ، بذیل ماڈہ اُرمیہ؛ (۹) نکیتین (Nikitine) (اُرمیہ کا سابق روی توصل): Les Afşars d' Urumiyeh، در JA، جنوری-مارچ ۱۹۲۹ء، ص ۶۷-۱۲۳، ایک ایرانی یادداشت کا خلاصہ، جو ۱۹۱۷ء میں تیار کیا گیا [غالباً! یہ تاریخ اُرمیہ ہی کا خلاصہ ہے، جس کا ایک قلمی نسخہ اُرمیہ کے ایک ممتاز فرد مجتہد السلطنت کے پاس ۱۹۱۰ء میں موجود تھا]؛ (۱۰) M. Kinneir: A geo- graphical memoir، لنڈن ۱۸۱۳ء، ص ۱۵۲-۱۵۵؛ (۱۱) Drouville: Perse Voyage en، (۱۸۱۲ء)، سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۱۹-۱۸۲۱ء، ۲۳۳:۲؛ (۱۲) Ker Porter: Travels، (۱۸۱۹ء)، لنڈن ۱۸۲۱-۱۸۲۲ء، ۵۷۱:۲-۵۷۶؛ (۱۳) Fraser: Narrative of a journey into Khorasan، (۱۸۲۱ء)، لنڈن ۱۸۲۵ء، ص ۳۲۲؛ (۱۴) A. S. Gangeblov: Vospominaniya، ماسکو ۱۸۸۸ء، ص ۱۳۸-۱۶۶ (یہ ۱۸۲۸ء میں روسیوں کے اقتدار کا تذکرہ ہے)؛ (۱۵) Monteith: Journal of a tour، در JRGs، ۱۸۳۳ء، ص ۵۲-۵۶؛ (۱۶) A. G. O. Dwight و E. Smith: Missionary researches، including ... a visit to... Oormiah، (۱۷) G. Hörnle و E. Schneider: Auszug aus d. Tagebuche... über ihre Reise nach Urmia neueste Geschichte d. evengelischen Missions- und Bib- Travels، Wilbraham، (۱۸) ۵۱۰-۴۸۱؛ (۱۹) Fraser: Travels in Koordistan، (۱۸۳۲ء)، لنڈن ۱۸۴۰ء، ۵۱:۱-۵۸؛ (۲۰) Southgate: Narrative of a tour through: Armenia، (۲۱) E. Boré: Corresp- (اُرمیہ)، ۳۱۲؛ (۲۲) Dölmän - (خوی)؛ (۲۳) Erdkunde: Ritter، (۲۴) ۸۲ و ۵؛ (۲۵) A residence of 8 years in Persia، (۱۸۳۳-۱۸۴۱ء)،

(۱۸۳۵ء) نے سات آٹھ ہزار خاندان بتائے ہیں، جن میں سے اکثر سستی (?) تھے، تین سو یہودی اور نو سطوری عیسائی۔ ۱۸۷۲ء میں ارسنس (Arsanis) نے آٹھ ہزار گھر بتائے ہیں، جن میں چالیس ہزار آدمی رہتے تھے۔ ۱۹۰۰ء میں میکسی مووک (Maximovic) نے پورے صوبے کی آبادی تین لاکھ بتائی ہے؛ اس میں سے پینتالیس فی صد عیسائی تھے، جن میں چالیس ہزار سطوری، تیس ہزار آرتھوڈوکس، تین ہزار کیتھولک، تین ہزار پروٹسٹنٹ اور پچاس ہزار (?) اُرمی تھے۔ شہر میں تین ہزار پانسو گھر تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران میں ڈاکٹر کاژول (Dr. Caujole) نے اُرمیہ کے باشندے تیس ہزار شمار کیے۔ ان میں ایک چوتھائی آشوری تھے اور ایک ہزار یہودی، جو ایک خاص محلے میں رہتے تھے۔ نکیتین (Nikitine): Ethnographie، ۱۹۲۶ء، ص ۲۵) نے اُرمیہ کے میدانی علاقے میں سینتیس ایسے دیہات بتائے ہیں جن میں صرف عیسائی رہتے تھے اور باقی انٹھ مواضع میں مخلوط آبادی تھی۔

ہمیں یہ معلوم نہیں کہ آرمی عیسائی ("Syrians" = "شامی")، جو جنگ عظیم کے بعد اپنے آپ کو آشوری (Assyrians) کہنے لگے ہیں، کس زمانے میں اُرمیہ آئے۔ مشرقی پاپائی اسقفی اضلاع (dioceses) کی قدیم ترین فہرستوں میں اس شہر کا کوئی ذکر نہیں (قتب) Guidi، در ZDMG، ۱۸۸۹ء و Chabot: Assemani - (Synodicon Orientale) (۴۵۳، ۴۴۹:۲) اور ۱۲۸۹ء میں اُرمیہ میں سطوری اسقفوں کا ذکر کرتا ہے۔ اسی مصنف کا قول ہے کہ ۱۵۸۲ء میں سطوری بطریق نے اُرمیہ میں سکونت اختیار کی (کتاب مذکور، ۱۳: ۶۲۱-۱۶۵۳ء کی ایک دستاویز میں ایک کلدانی (Uniate) بطریق سامن نے (خمنر و، واقع سلما، سے روم خط لکھتے ہوئے) سلما، اُرمیہ، اُرمیہ، سقستان (?)، تر جفار، اُرمیہ، اُنژول (اُرمیہ کا شمال مشرقی ضلع)، سلڈوز اور اُنژونخ (اُنژون) میں اپنی جماعتوں کی فہرست دی ہے؛ قتب وہی کتاب، ۱/۳: ۶۲۲ و Perkins: Residence، ص ۹؛ نورلیدیکہ (Nöldeke): Grammatik d. neus-yrischen Sprache am Urmia-See und in Kurdistan لائپزگ ۱۸۶۸ء، ص xxiii و Hoffmann: Auszüge، ص ۲۰۴)۔

۱۸۳۵ء میں "سطوری تبلیغی مشن" کے پہلے امریکی مبلغ (پرکنز) Perkins)، گرانٹ (A. Grant) اُرمیہ میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ ان کے بعد لازاری فرقی (Lazarists) کے لوگ بھی ۱۸۴۰ء میں آگئے اور ایک کیتھولک اسقف اُرمیہ میں متعین کر دیا گیا۔ ۱۸۵۹ء میں امریکنوں نے اُرمیہ میں "انجیلیہ" (Evangelists) کی ایک جماعت قائم کی۔ اس صدی کے آخری دنوں میں کیئر بری (Canterbury) کے اسقف اعظم (Archbishop) نے انگلستانی کلیسا کے مبلغ اُرمیہ بھیجے۔ ۱۹۰۰ء میں ایک اہم روسی آرتھوڈوکس مشن نے عیسائیوں کے اندر کام کرنا شروع کر دیا، لیکن ایران اور سوویت روس کے درمیان ۲۸ فروری ۱۹۲۱ء کو جو معاہدہ طے ہوا اس کی رو سے یہ مشن توڑ دیا گیا۔

(قَبِ اوپر)۔ ساتویں صدی عیسوی کے ایک ارمینی جغرافیے میں اس کا نام Kaputan دیا گیا ہے (قَبِ Marquart: *Erānšahr*، ص ۱۳۷: ۱۳۸: ابن حوقل، ص ۲۳۷: کبُو دَان)۔

الْاَضْطْرْمِي (ص ۱۸۱) اس جھیل کو بَحْرَةُ الشَّرَاةِ لکھتا ہے، یعنی ”خارجیوں کی جھیل“، لیکن زیادہ تر یہ ان شہروں کے ناموں سے موسوم کی جاتی ہے جو اس کے قریب ہیں، یعنی اُرمیہ، شاہی، طَبُوج [رَتْ بَان]۔

شاہی کا نام اگرچہ مؤخر زمانے میں پایا جاتا ہے تاہم اس کا تعلق اس قدیم قلعے سے ہے جو جھیل کے شمال مشرق میں واقع جزیرہ نما میں تھا۔ قلعہ شاہی سے طبری واقف تھا؛ چنانچہ ۱۱۷۱: ۱۱۷۱: ۱۳ پر اس نے اس کا تذکرہ ۲۰۰ھ/۸۱۵ء کے تحت کیا ہے۔ خوارزم شاہ جلال الدین کے عہد میں بھی یہ نام ملتا ہے (النسوی، ص ۱۵۷)۔ اسی شاہی میں پہلے مغل ایلیخان ہلاکو خان اور اباقا خان بھی مدفون ہیں (قَبِ رشید الدین، طبع قاتر میسر (Quatremère)، ص ۴۱۶: ۴۱۷: حافظ ابرو، منقول درلی سٹریٹج (Le Strange): کتاب مذکور، ص ۱۶۱: *Hist. d' Ohsson*، *des Mongols*، ۴: ۳۴۰)۔ ابوالفداء نے اس جھیل کو بَحْرَةُ الشَّرَاةِ کہا ہے۔ یہ صاف نہیں ہوتا کہ تلا سے مراد شاہی ہے یا کچھ اور۔ الْاَضْطْرْمِي کے فارسی ترجمے میں (قَبِ دغویہ (de Goeje)، درابن حوقل، ص ۲۴۷: حاشیہ m) ان دونوں ناموں میں فرق کیا گیا ہے، اور النسوی، ص ۱۵۳-۱۵۴ نے جس حصہ تلا کا ذکر کیا ہے اس کا تعلق مغربی کنارے سے سمجھنا زیادہ بہتر ہوگا (قَبِ یا قوت، ص ۴۳: ۵۴۱، جس نے اسے فارسی لفظ قرار دیا ہے)۔ اس صورت میں اسے قلعہ گورچن میں تلاش کرنا چاہیے، جو پہاڑ کی اس چوٹی پر ہے جو سلماس کی طرف جھیل پر سایہ فگن ہے (قَبِ *Travels: Ker Porter*، ۲: ۵۹۳؛ خانیوف (Khanykov)، *Poyezdka, Vestnik Geogr. Obshch.*، ۱۸۵۲ء، ج ۶ (خانیوف نے قلعہ گورچن میں کسی شخص ابوناصر (ابوالنصر) حسین بہادر خان کا کتبہ دیکھا ہے [کیا یہ حسی نامی شخص اوزون حسن ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس کی کنیت ابوالنصر ہی تھی]) و *Armenien: Lehmann-Haupt*، ۱: ۳۰۶-۳۱۴۔

دوسری طرف یہ دیکھنا باقی ہے کہ قلعہ گورچن وہی بِلْدَر (بَلْدَر) کا قلعہ تو نہیں جس کا ذکر الطبری نے شاہی کے ساتھ کیا ہے اور جو ممکن ہے کہ وہ بکیر کی مناسبت سے ہو، جسے بَلْدَر پڑھا جا سکتا ہے (قَبِ بُنْدَهَش، ۱۲: ۲۰ اور ۱۲: ۲۰)، جہاں افراسیاب (فُون رَسِيَان) نے پناہ لی تھی۔ اَوَسْتَا، بُنْدَهَش، ۵: ۴۹: ۱۸: ۹، میں ہے کہ خسرو نے افراسیاب کو ”بحیرہ چچسٹ کے پیچھے“ قتل کیا تھا، جس سے بظاہر جھیل کے مغرب کا علاقہ مراد ہے [بعد کی روایت میں افراسیاب کا قتل، اَرَان میں بتایا گیا ہے (قَبِ شاہنامہ اور بالخصوص النسوی: *Sīr-e Jālal al-Dīn*، ص ۲۲۵؛ ترجمہ، ص ۳۷۵)۔

عرب جغرافیہ نگاروں کو علم تھا کہ اس بحیرے کے نمکین پانی میں حیوانی زندگی ممکن نہیں؛ چنانچہ الطبری، ۳: ۱۳۸۰، کا قول ہے کہ اس جھیل میں مچھلی یا اُور کوئی

اشوریوں کے قدیم نوشتوں میں جس ”بالائی مشرقی جھیل“ کا ذکر ہے وہ بظاہر یہی اُرمیہ کی جھیل ہوگی۔ سٹریک (Streck) (ZA، ۱۵: ۲۶۳) نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اشوریوں نے مزموہ کے قریب جس ”سمندر“ کا ذکر کیا ہے وہ بھی یہی جھیل اُرمیہ ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ ”سمندر“ بحیرہ زربار ہو۔ سَرْگُون (Sargon) کی آٹھویں مہم کے بیان (۱۳ق-م: طبع Thureau-Dangin، پیرس ۱۹۱۲ء) میں اس بحیرے کا نام مذکور نہیں ہے۔

سٹرابو (Strabo) نے، ج ۱۱، باب ۱۳، میں اس جھیل کو Σπατῦτα کہا ہے (جسے مارٹن (St. Martin) نے اصلاح کر کے Καπαῦτα = Karpōt، یعنی ”نیلا“، پڑھا ہے)، اور ج ۱۱، باب ۱۲ میں Μαντιανῆ-Μαντιανῆ (Ptolemy)، ج ۶، باب ۲ میں اسے Μαργιανῆ (?Μαντιανῆ) کہا ہے (قَبِ مراغہ)۔ عام طور پر Mantiane کا نام مینتیونئی قوم (Matienei) سے منسوب سمجھا جاتا ہے، جن کے علاقے میں ہی وڈوس (Herodotos) (۱۸۹: ۱) دریاے اَرَس (Araxes) اور دیالا (Gyndes) کا منبع بتاتا ہے۔ Marquart (Südarmanien، ۱۹۳۰ء، ص ۴۳۱) کا خیال ہے کہ یہ مینتیونئی (Matienei) یا مینتیونئی (Mantiano) ہی مثنائی (Mannai، Mana، Mannaean) تھے۔ شاید مناسب یہ ہو کہ مینتیا (Mantiana) کا تعلق ماندا (Manda) سے سمجھا جائے، جو نام قدیم ترین زمانے سے ”انڈو-یورپین“ لوگوں کے لیے مستعمل تھا؛ قَبِ Reinach: *Les Matiènes*، در *Revue des études grecques*، ج ۷، ۱۸۹۴ء، ص ۳۱۸-۳۱۳: Forrer، *Die Inschriften d. Hatti Reiches*، *ZDMG*، ۱۹۲۲ء، ص ۱۷۴-۱۷۹ اور *Gesch. d. Alter- tums*، ۱/۲، طبع، ثانی، ص ۳۵، حاشیہ ۳۔

اَوَسْتَا (Avesta) میں اس جھیل کو چاچسٹا (Čaēčasta) کے نام سے یاد کیا گیا ہے، یعنی ”گہری جھیل، جس کا پانی نمکین ہے“۔ *Bartholomae: Altir Wört*، عمود ۵۵۷ نے اس نام کے معنی ”سفید چمکدار“ (-weisschi) لیے ہیں۔ اس بحیرے کے کنارے پرگے خسرو (Kawi Hao) نے تورانی افراسیاب (فَرَنْ رَسِيَان) کو قتل کیا تھا (بُنْدَهَش، ۱۸: ۹، وغیرہ)۔ بُنْدَهَش (۱۷: ۷، ترجمہ و بُسٹ) کے مطابق اسی کَنخَسْرَو نے وہ بت خانہ (ہیکل) بھی توڑا تھا جو بحیرہ چچسٹ کے قریب تھا (قَبِ شاہنامہ، طبع و لُز (Vullers)، ۲: ۴۴۱، جہاں ”خُجَسْت“ کے بجائے ”چچسٹ“ پڑھنا چاہیے)۔ جھیل کے جنوب میں جو خانقاہ ہے اور جسے رالینسن (Rawlinson) نے تحت سلیمان سمجھا ہے، اس کا عربی نام شینز (= غَزَنہ، غَزْرہ) ضرور اسی چچسٹ سے نکلا ہوگا [جیسا کہ Hoffmann (*Auszüge*)، ص ۲۵۲] نے بیان کیا ہے۔ شینز کا محل وقوع لیمان کو قرار دینا غالباً بہتر ہے]۔

ایک اور پرانا نام، جو اس جھیل کے لیے مستعمل تھا، کَبُو تَان، بمعنی نیلا، ہے

تقریباً ۲۲ میل (۳۵ کیلومیٹر) کے فاصلے پر ہے۔ ارنیٹ (Arnedo) آئی بیرین (Ibrian، یعنی قدیم ہسپانوی) اصل کا ایک مقامی نام ہے جو برغش (Burgos)، البسیٹ (Albacete) اور ”لوغرونیو“ کے صوبوں میں ملتا ہے اور جو مؤخر الذکر صوبے میں اسم تصغیر (Arnedillo) کی شکل میں بھی موجود ہے۔ چھٹی بارہویں صدی میں بقول الادریسی اسلامی اندلس کا ملک چھبیس اقلیموں (خطوں) میں منقسم تھا، جن میں ارنیٹ بھی شامل تھا اور اس کے مشہور شہر قلعۃ اللوب (Calatayud)، دروقہ، سُر قسط، و شقہ (Huesca) اور تطیلہ (Tudela) تھے۔ عربی ماخذ میں سے صرف رُوْض المِعْطَار میں اس کا ذکر آتا ہے۔ اس کا مصنف لکھتا ہے کہ ”یہ الاندلس کا ایک قدیم شہر ہے، جو تطیلہ سے اکتیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور اس کے ارد گرد زرخیز اور شاداب مزرعہ میدان ہیں۔ یہ بڑا مستحکم ہے اور سب سے زیادہ اہم مقامات میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے قلعے پر سے عیسائی علاقہ نظر آتا ہے۔“ ارنیٹ، تطیلہ اور اونیٹ (Oñate) کے شہر بنوفیسی کی ریاست (seigniori) کے بڑے شہر تھے۔ عبدالرحمن ثالث نے مویز (Muez) کی مشہور مہم میں، جونبرہ (Navarre) کے خلاف تھی، قلمبرہ (Calahorra) پر قبضہ کر لیا، جسے صرف دو سال پہلے سانچو غرسہ (Sancho Gareés) نے فتح کیا تھا اور اسے اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ ارنیٹ میں جا کر پناہ لے۔ سانچو ارنیٹ سے اس وقت چلا گیا جب عبدالرحمن نے بنبلونہ (Pampeluna) کا رخ کیا، جہاں اس نے بڑے اور لیون (Leon) کی متحدہ فوج کو Valdejunquera کی خون ریز جنگ میں شکست فاش دی۔

ماخذ: (۱) الادریسی، عربی متن: ۱۷۶، ترجمہ: ص ۲۱۱؛ (۲) لیوی پرووانسال (E. Levi-Provençal): *La Péninsule ibérique*: عربی متن: ص ۱۴، ترجمہ: ص ۲۰؛ (۳) ابن حزم: *جمہورۃ الانساب*، ص ۸۶، سطر ۱۷-۱۸؛ (۴) *Dic. geog.*: ص ۵۸۲؛ (۵) J. M. Lacarra: *Exp. musul. contra Sancho Garcés*، در *Revista del Principe de Viana*، ۱۹۴۰ء، ص ۷۰-۷۱۔

(میرانڈا (A. HUICI MIRANDA)

اُرُور: (Aror)، جسے اُرُور بھی لکھا جاتا ہے، سندھ کا ایک قدیم شہر۔ * خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شہر بادشاہ موسیقانوس (Musicanus) [یونانی] کا صدر مقام تھا، جسے سکندر اعظم نے شکست دی تھی اور یہ کہ ساتویں صدی عیسوی کے چینی سیاح ایونگ-تسانگ (Hiung-tsang) نے بھی اپنے سفر نامے میں اس شہر کا ذکر کیا ہے۔ [آٹھویں صدی میں اس شہر پر والی سندھ راجد اہر بن چنچ کی حکومت تھی۔ اسے شکست دے کر مشہور فاتح] محمد بن قاسم نے ۹۵ھ/۱۴ء سے پہلے اس پر قبضہ کر لیا تھا (البلاذری: فتوح البلدان، ص ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۵؛ الاضطری، ص ۱۷۲، ۱۷۵؛ البیرونی: ہند، طبع زخاؤ (Sachau)؛ ص ۱۰۰، ۱۳۰)۔ البیرونی کے بیان کے مطابق یہ شہر ملتان سے جنوب مغرب کی جانب تیس فرسخ

قیمتی چیزیں پائی جاتی۔ صرف الاضطری (ص ۱۸۹) اور الغرناطی (در [تاریخ] القزوینی، ص ۱۹۴) ہی نے اس کے خلاف لکھا ہے؛ چنانچہ مقدم الذکر نے ایک ”مچھلی کی قسم کے جانور“ یعنی ”دریائی کتے“ کا ذکر کیا ہے؛ الغرناطی کو قسم قسم کے عجیب قصوں کا شوق ہے، جنہیں بعد کے زمانے میں اولیا چلبی نے بھی دہرایا ہے۔ ماخذ: خاص طور پر جھیل اور اس کے طبقات ارضی کے بارے میں: (۱) قاتر میز (Quatremère) اپنی طبع رشید الدین، ص ۳۱۶-۳۲۰، میں: (۲) Abich: *Vergleichende chem. Untersuchung d. Wässer d. Casp. Mém. Acad. de St. Meeres, Urimia-und Wan-Sees*، در *Pétersbourg Notices physiques et géographiques sur (Khanikov)* Bull. de la classe phys.-mathem. de l'Acad. de Russie، ج ۱۶، ص ۳۳-۳۵۲ (پانی کا کیمیائی تجزیہ، جزیروں کا نقشہ اور پانی کی مختلف گہرائیاں)؛ (۳) Pohlig: *Verhandl. Nat. Vereins*، در *eschichte des Urmiasees*، ص ۱۴؛ (۴) Rodler: *Der Urmia-See und d. nordwestl.*؛ (۵) Persien *Schriften d. Vereins z. Verbreit. naturwiss.*، ج ۲، ص ۱۸۸۶-۱۸۸۷؛ (۶) *Kenntnisse*، وی انا، ج ۲، ص ۱۸۸۷-۱۸۸۸؛ (۷) *Der Jura am Ostufer des Urmiasees*: Halle، ۱۸۹۱ء؛ (۸) *Contrib. to the geogr. of Lake Urmia*: Günther (۷)؛ (۹) *On the waters of the Salt of Lake*: Manley و Günther؛ (۱۰) *Proc. Royal Soc.*، ص ۳۱۸-۳۱۹؛ (۱۱) *Le lac d'Ourmiah*، در *Ann. Géogr.*، ص ۱۹۰۸-۱۹۰۹؛ (۱۲) *Eine Reise durch Vorderasien (1904)*: E. Zugmayer، برلن، ۱۹۰۵ء (مراغہ-جزائر بحیرہ ارمیہ-خوی)؛ (۱۳) *Pet. Mitt. in Persien*، ص ۶۲-۶۳؛ (۱۴) *Beitr. z. phys. Geographie des Urmia-Beckens*: Kaehne، در *Zeit. d. Gesell. f. Erdkunde*، برلن، ۱۹۲۳ء، ص ۱۰۴-۱۱۱ (نہایت عمدہ بحث، جو روسی نقشے پر مبنی ہے، جس کا پیمانہ ہے دو ورست (Versts) = ایک انچ [ایک ورست = $\frac{2}{3}$ میل])۔

(مِنُورسکی (V. MINORSKY)

* اُرنیٹ: ہسپانوی آرنیڈو (Arnedo)، صوبہ ”لوغرونیو“ (Logroño) کا ایک چھوٹا سا قصبہ اور ایک قضا (partido judicial) کا صدر مقام۔ اس کی آبادی کوئی دس ہزار ہے اور دریائے سیکاڈوس (Cicados) کے بائیں کنارے پر آباد ہے۔ یہ ندی دریائے ابرہ (Ebro) کی معاون ہے، جو صدر مقام سے

ترکوں نے اریوان کو، جو شروع میں صفوی خاندان کے زیر نگیں تھا، لڑکر جیت لیا اور اسے مستحکم کر دیا۔ [یہ کامیابی زیادہ تر فرہاد پاشا کی سعی سے حاصل ہوئی، جس نے شہر کے استحکام اور اس کی زیب و آرائش پر بہت روپیہ صرف کیا۔] ۱۶۰۴ء میں شاہ عباس اول نے اسے دوبارہ حاصل کر لیا۔ کئی مسلسل جنگوں کے بعد، جن کا نتیجہ کبھی ایک اور کبھی دوسرے فریق کے حق میں نکلتا رہا، آخر کار مراد چہارم نے اس پر قبضہ کر لیا، لیکن اس کے بعد جلد ہی وہ دوبارہ ایرانیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اس شہر کی تاریخ کا مختصر سا حال مادہ ارمینیہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ۱۸۲۷ء میں اس شہر پر روسی جنرل پلسکوویچ (Paskewitch) نے قبضہ کر لیا، جسے اس فتح کے اعزاز میں اریوانسکی (یعنی امیر اریوان) کا لقب [اور دس لاکھ روپے انعام] دیا گیا۔ ۱۸۲۸ء کے صلح نامے کے بعد سے اریوان روس کے پاس رہا ہے۔ ۱۹۱۸ء میں جب جنوبی قفقاز میں آذربائیجان، گرجستان اور ارمینیہ کی جمہوریتیں بن گئیں تو اریوان ارمینیہ میں شامل کر دیا گیا اور اب اس جمہوریہ کا صدر مقام ہے۔ [یہاں مسجدیں، جو اپنی کاشی کاری کے لیے مشہور ہیں اور دیگر اہم عمارتیں آٹھویں صدی ہجری اور اس کے بعد کی ہیں] جن میں گوک مسجد، سردار مسجد کا ایک حصہ اور زنگی صو کا ایک تاریخی پل شامل ہیں۔ یہاں کے مشہور لوگوں میں حسین بے آشفتمند اور صاحب دیوان شاعر مطلع نیز میرزا سلیم اریوانی کے بیٹے وزیر اعظم میرزا عباس فخری کا ذکر کیا جاسکتا ہے، جو خود ایک اچھا شاعر تھا (۱۸۴۹ء)۔

مآخذ: (۱) حاجی خلیفہ: جہان نامہ (قسط پنجمیہ ۱۱۴۵ء)، ص ۳۹۱؛ (۲) اولیا افندی: *Travels* (ترجمہ وان ہامر (von Hammer)، ۱۵۰۲ء بجز: (۳) Binder: *Au Kurdistan*، ص ۲۵ بجز: (۴) Müller-Simonis: *Au Golfe persique*، ص ۵۶-۶۵؛ (۵) A. V. Williams Jackson: *Persia, Past and Present*، (نیویارک ۱۹۰۶ء)، ص ۱۹-۱۷؛ (۶) Sarre: *Denkmäler persischer Baukunst*، ص ۵۲ بجز: (۷) (۸)؛ (۹) ت، بزیر مادہ اور وہ مآخذ جو وہاں مذکور ہیں]۔

(R. HARTMANN)

اُزُر: (Urihuela): مشرقی ہسپانیہ (Levante) کا ایک شہر، جو * مرسیہ (Murcia) سے ۱۵ میل شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہ ایک انتظامی ضلع (Partido) نیز اسقفی حلقے کا صدر مقام ہے۔ نواحی علاقوں سمیت، جن کی آبادی بہت گنجان ہے، اس کے باشندوں کی کل تعداد ۳۵۰۰۰ نفوس ہے۔ اس شہر پر مسلمانوں کے قبضے کا وہی زمانہ ہے جو کورہ ٹنڈ میز (رٹ بآن) کے دوسرے شہروں کی فتح کا ہے۔ مرسیہ سے پہلے طویل مدت تک یہ اس کورے کا صدر مقام رہا ہے۔ جب تک یہ مسلمانوں کے زیر نگیں رہا اس کی تاریخ مرسیہ کی تاریخ سے وابستہ رہی، تاہم چھٹی صدی ہجری کے وسط بارہویں صدی عیسوی کے درمیانی حصے میں یہ شہر بہت تھوڑی مدت کے لیے ایک چھوٹی سی خود مختار ریاست کا صدر

[موجودہ ۲۴۰ میل] اور المنصورہ سے دریائے سندھ کے بہاؤ کے خلاف بیس فرسخ [یعنی ۱۶۰ میل] کے فاصلے پر واقع تھا۔ دریائے سندھ پہلے اس شہر کے قریب سے بہتا تھا، بعد میں اس نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا، جس سے شہر کی رونق اور خوش حالی جاتی رہی؛ اس تبدیلی کی تاریخ غیر یقینی ہے۔ سترھویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے مقامی مؤرخین (قبت Elliot-Dowson: *History of India*، ۲۵۶: ۲۵۸) اس سلسلے میں ایک قصہ نقل کرتے ہیں۔ قدیم محل وقوع سے پانچ میل جنوب مغرب ایک چھوٹا سا قصبہ روہڑی نام واقع ہے، جو اسی نام کے تعلق کا صدر مقام ہے (*Imperial Gazetteer of India*)، اوکسفرڈ ۱۹۰۸ء، ص ۶: ۲۰ و ۳۰: ۳۰۸)۔ [صاحب چچ نامہ، طبع داؤد پوتا، ص ۱۴-۱۵] کے بموجب اُزُر ہندو سندھ کا دارالملک تھا اور اس میں طرح طرح کے محلات، باغ، نہریں، حوض اور چمن وغیرہ تھے۔ اس شہر کے آثار اور کھنڈرات بھی تک قصبہ روہڑی سے چھ سات میل کی مسافت پر موجود ہیں۔ داہر کے اس قلعے کی دیواروں کے آثار بھی ہنوز باقی ہیں، جسے محمد بن قاسم اشقی نے سر کیا تھا۔ خانہ بدوش قوم کے ایک نام لُوئی۔ مشتق از زوری..... کا تعلق بھی اُزُر سے ہو سکتا ہے [دیکھیے مادہ لُوئی]۔

مآخذ: (۱) یاقت، ۲: ۸۳۳؛ (۲) H. Cousens: *The Antiquities of Sind*، کلکتہ ۱۹۲۹ء، ص ۷۶-۷۹؛ (۳) منورسکی (V. Minorsky)، در *JA*، ۱۹۳۱ء، ص ۲۸۵؛ (۴) اس مصنف کی طبع: حدود العالم، ص ۲۴۶؛ (۵) علی بن حامد الکوفی: فتح نامہ سندھ، معروف بہ، چچ نامہ، طبع داؤد پوتا، دہلی ۱۲۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء، اشاریہ: (۶) محمد معصوم بھکری: تاریخ معصومی، طبع داؤد پوتا، بمبئی ۱۹۳۸ء، اشاریہ: منورسکی (V. MINORSKY)

* اریوان: (Eriwan)، [قدیم] ارمینی ہرستین (Hrastan)، [موجودہ نام: یریوان (Yerevan)]، روسی ماوراء قفقاز میں ارمینی حکومت کا صدر مقام؛ جاسے وقوع: ۲۰ درجہ ۱۴ ثانیہ عرض البلد شمالی، ۴۴ درجہ ۳۸ ثانیہ طول البلد مشرقی (گرینچ)؛ سطح سمندر سے تقریباً تین ہزار فٹ بلند، دریائے زنگہ (Zanga) کے بائیں کنارے پر، جو دریائے اُزُر (Araxes) کا ایک معاون ہے؛ آبادی (۱۸۹۷ء) تقریباً تیس ہزار اور بعض اُور اسناد کے مطابق پندرہ ہزار۔ ارمن مآخذ کی رُو سے اس کی تاریخ بہت دور کے زمانے تک جاتی ہے (دیکھیے St. Martin: *Mémoires sur l'Arménie*، ۱: ۱۱۶)۔ ترکی دور حکومت ہی میں جا کر اس شہر نے، جسے سرکاری طور پر روان (Rewan) لکھا جاتا ہے، تاریخ اسلام میں ایک حد تک خاصی اہمیت حاصل کر لی۔ اولیائے جور و روایت نقل کی ہے اس کی رُو سے اس شہر کی تاسیس نویں یا پندرہویں صدی کے مؤخر زمانے میں ہوئی [یعنی امیر تیمور کے تباہی سے ایک شخص خواجہ خان لہجانی نے اس نام کا ایک گاؤں آباد کیا] اور اس کے قلعے کی بنیاد اس کے بھی سو سال بعد شاہ اسماعیل (اول) کے عہد میں [اس کے وزیر دیوان قلی خاں کے زیر اہتمام] رکھی گئی۔ مراد ثالث کے عہد میں

۱۹۳۶ء میں اوڈائل (O' Donell) کمیٹی کی سفارشات کے تحت چھ ضلعوں (بالاسور، کٹک، گنجم، راپت پوری، اور سنبھل پور) کا ایک علیحدہ صوبہ بنایا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اڑیسہ کی چوبیس چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو بھی اسی صوبے میں مدغم کر دیا گیا۔ اس کے بعد سر اے کلا اور کھر سوان کے علاقے صوبہ بہار میں منتقل کر دیے گئے۔ یکم اگست ۱۹۴۹ء کو تمام سابقہ ریاستوں کو پرانے اضلاع میں شامل کر دیا گیا؛ چنانچہ جدید اڑیسہ میں اب کل تیرہ اضلاع ہیں۔

مہاندی اور اس کے معاون شمال میں چھوٹے ناگپور کی پہاڑیوں اور جنوب میں مشرقی گھاٹ کو تقسیم کرتے ہیں۔ طبقات الارض کی تقسیم کے مطابق چھوٹے ناگپور کی پہاڑیاں اور مشرقی گھاٹ کے علاقے پالیوزوی (Palaeozoic) [Primary] عہد سے تعلق رکھتے ہیں، جو زیادہ تر گوندوانہ طریق تقسیم کے مطابق ہیں۔ ان علاقوں میں معدنیات کثرت سے ہیں۔ خاص خاص معدنیات یہ ہیں: کولہا، منگنیز (manganese) اور چونے کا پتھر؛ لیکن صنعت و حرفت کے اعتبار سے یہ علاقہ پس ماندہ ہے۔ ساحلی علاقے کے نصف سے زیادہ میدان مہاندی، برہمنی اور بیتارانی اور ان کے معاونوں کے مشترکہ ڈیلٹے کی وجہ سے معرض وجود میں آئے ہیں۔

ان دریاؤں کی زرخیز وادیوں میں اکثر سیلاب آجاتے ہیں، لیکن ان سے بچنے کے لیے اب ایک عمدہ منصوبہ تیار ہو رہا ہے۔ عام پیشہ زراعت ہے۔ سب سے زیادہ فصل چاول کی ہوتی ہے۔ دوسری فصلیں یہ ہیں: پٹ سن، گتا، تیل اور دالیں۔ اس صوبے میں ۱۳۰۰۰ مربع میل میں جنگل ہیں۔

آب و ہوا معتدل ہے۔ اوسط بارش ۵۵ انچ سالانہ کے قریب ہوجاتی ہے۔ علاقے کا صدر مقام کٹک ہے، جو ایک صنعتی مرکز اور اٹکل یونیورسٹی کی جگہ قیام ہے۔ ایک نیا صدر مقام بھوبنیشور (Bhubaneswar) کے تاریخی شہر کے قریب تعمیر ہو رہا ہے، جسے کٹک سے کئی پلوں کے ذریعے ملایا جائے گا۔ اس صوبے میں اچھوت قوموں کی اکثریت ہے۔ یہ ہندوؤں کا گڑھ ہے اور پوری کے مشہور جگن ناتھ مندر میں، جو سمندر کے کنارے واقع ہے، ہزاروں یا تری آتے جاتے رہتے ہیں۔

ماخذ: (۱) بی. جی. (R. D. Bannerjee): *History of Orissa*، ۲، جلد، کلکتہ ۱۹۳۰-۱۹۳۱ء؛ (۲) W. W. Hunter: *Orissa*، ۲، جلد، لندن ۱۸۷۲ء؛ (۳) Gobden Ramsay: *Feudatory States of Orissa*، کلکتہ ۱۹۱۰ء؛ (۴) *Report of the Orissa Comittee*، ۲، جلد، کلکتہ ۱۹۳۲ء؛ (۵) *Sketch of the History of Orissa from 1803 to 1828*: G. A. Toynbee، *Imperial Gazetteer of India* (۶)؛ ۱۸۷۳ء؛ (۷) *India and Pakistan Year Book* (۸)؛ ۱۹۵۴-۱۹۵۵ء؛ (۸) رپورٹ مردم شماری انڈیا، ۱۹۵۱ء۔

(ڈیویز C. COLLIN DAVIES [جہ اضافہ از قاضی سعید الدین احمد])

اَزَارِقَه: خوارج [رٹ بان] کے بڑے فرقوں میں سے ایک۔ یہ نام اس *

مقام رہا۔ اس ریاست کا حکمران قاضی احمد بن عبدالرحمن بن علی بن عاصم تھا۔
ماخذ: (۱) الادریسی، طبع ڈوزی (Dozy) و دخویہ (de Goeje)؛ متن: ص ۱۷۵ و ۱۹۵، ترجمہ: ص ۲۱۰ و ۲۳۴؛ (۲) یاقوت: معجم البلدان، طبع ڈسٹینفلٹ (Wüstenfeld)، ۱: ۴۰۳؛ (۳) ابوالفداء: تقویم البلدان، طبع deReinaud و Slane، متن: ص ۱۷۹ و ترجمہ: ص ۵۶؛ (۴) ابن عبدالنعم، الخیر: الروض المعطار، ہسپانیہ، بذیل ماڈہ؛ (۵) ابن الخطیب: اُخْلاص، ہسپانیہ، طبع لیوی پرووانسال (Levi-Provençal)، رابطہ-پیرس ۱۹۳۴ء، ص ۲۹۷-۲۹۸؛ (۶) Levante: E. Tormo، رابطہ-پیرس ۱۹۲۳ء، ص ۲۹۷-۳۰۶۔

(لیوی پرووانسال (LÉVI-PROVENÇAL))

* ⊗ اُڑیسہ: (Odra-deça) بھارت کا ایک صوبہ، جس کا کل رقبہ ۵۹,۸۳۹ مربع میل اور کل آبادی ۱,۴۶,۴۵,۹۴۶ ہے۔ یہ صوبہ مہاندی اور آس پاس کے دریاؤں کے ڈیلٹا کو گھیرے ہوئے ہے اور ایک طرف خلیج بنگال سے لے کر مدھیہ پردیش کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے اور دوسری طرف دریائے سُبْر نر پیکھا سے لے کر جمیل چلکا تک چلا جاتا ہے۔ گزشتہ زمانے میں یہ علاقہ قدرتی طور پر ناقابل گزر تھا، اس لیے ہر قسم کے حملوں سے محفوظ رہا؛ البتہ اس کے ساحلی علاقے بعض اوقات فتح ہوتے رہے، لیکن اندرون ملک کے پہاڑی علاقے میں نیم خود مختار یا باج گزار ریاستیں قائم رہیں۔ یہ علاقہ قدیم زمانے کی سلطنت کالنگا کا ایک حصہ تھا، جسے امن پسند قوم آچوکا (A-çoka) نے فتح کر لیا تھا اور یہی لوگ وہاں آباد تھے، لیکن مملکت موریا کے انتشار کے بعد یہ علاقہ دوبارہ کالنگا کی ریاست میں شامل کر لیا گیا۔ گیارہویں صدی کے آخر تک اس علاقے کی تاریخ میں بڑا الجھاؤ ہے، لہذا جو لوگ اس زمانے کی تاریخ کے معتموں کو حل کرنا چاہیں انھیں چاہیے کہ وہ بیہرجی کی تاریخ اڑیسہ کا مطالعہ کریں۔

موجودہ اُڑیسہ کے بعض حصوں کو سلطان محمد بن تغلق کی مملکت میں شامل کر لیا گیا تھا اور وہ جان نگر کے صوبے میں شمار ہوتے تھے۔ اُڑیسہ کا اصل فاتح اکبر کا مشہور سپہ سالار راجا مان سنگھ تھا، جس نے اس علاقے کو بنگال کے افغانوں سے بزورِ شمشیر چھین لیا، جو کسی طرح وہاں متمکن ہو گئے تھے۔ اکبر کے زمانے میں اُڑیسہ کو صوبہ بنگال کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا، تا آنکہ جہانگیر کے عہد میں اسے ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا گیا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال پذیر ہونے پر اُڑیسہ بھونسلامر ہٹوں [رٹ بان] کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۷۶۵ء کے انتقال اختیارات دیوانی کے معاہدے کے مطابق گو یہ علاقہ برائے نام انگریزوں کے ماتحت ہو گیا تھا تاہم ۱۸۰۳ء تک اسے باقاعدہ طور سے فتح نہیں کیا گیا۔

ضلع سنبھل پور کو چھوڑ کر وہ علاقہ جسے آج کل اُڑیسہ کہتے ہیں بشمول بنگال اکتوبر ۱۹۰۵ء تک ایک ہی نظام حکومت میں شامل رہا۔ اس کے بعد مارچ ۱۹۱۲ء تک اس کا الحاق مغربی بنگال سے رہا اور پھر بہار اور اُڑیسہ کے دو صوبے علیحدہ علیحدہ بنا دیے گئے۔

طرف پس پاہو گئے۔ عبید اللہ بن الماخوذ اس لڑائی میں مارا گیا اور [خارجی] لشکر کی سپہ سالاری اس کے بھائی زبیر کے ہاتھ میں آئی، جس نے تھوڑے ہی عرصے میں اپنے حامیوں کو نئے سرے سے منظم کیا اور پھر لڑنے کے لیے چل پڑا۔ عراق میں دوبارہ وارد ہو کر وہ مدائن تک بڑھتا چلا گیا۔ اس شہر کو اس نے تاراج اور باشندوں کا قتل عام کیا، لیکن جب کوفے سے آنے والی ایک فوج سے سامنا ہوا تو اس نے پلٹ کر اصفہان پر حملہ کر دیا، جس کا والی عتاب بن وراق تھا۔ شہر کے قریب مقابلے میں ازارقہ نے شکست کھائی اور زبیر بن الماخوذ کے مرنے پر وہ بالکل تتر بتر ہو کر فارس کی طرف فرار ہو گئے اور وہاں سے کرمان کے پہاڑوں میں چلے گئے (۶۸ھ/۶۸-۶۸۸ء)۔ لرستان کے ایک جنگجو سپاہی قطری بن الفجاء نے، جو بے انتہا مستعد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ خطیب اور شاعر ہونے کی غیر معمولی صلاحیتیں بھی رکھتا تھا، ازارقہ کے جوش کو ازسر نو ابھارنے اور ان کی پرانگندہ صفوں کو ازسر نو منظم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ کچھ وقت گزارنے کے بعد وہ سرگرم عمل ہوا اور الہواز پر قبضہ جمالیا۔ وہاں سے اس نے عراق کی سرزمین میں پھر داخل ہو کر بصرے کی طرف پیش قدمی کی۔ شہر کے نئے والی مضعب بن الزبیر کو چونکہ یقین تھا کہ صرف الہمٹب ہی ازارقہ کا مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، اس لیے اُس نے اُسے موصل سے، جہاں اسے والی بنا کر بھیج دیا گیا تھا، واپس بلا لیا اور ازارقہ کے خلاف مہم کی قیادت پر مامور کر دیا۔ الہمٹب نے اگرچہ ازارقہ کے اس جنگ جو سردار کے خلاف وسیع پیمانے پر جارحانہ اقدامات کیے، تاہم وہ الہمٹب کو بڑی مدت تک روک رکھنے میں کامیاب رہا، بلکہ اس نے اس وقت بھی جب کہ مُسکن کے مقام پر مضعب کے شکست کھانے کے بعد عراق عبد الملک [بن مروان] کے ہاتھ میں چلا گیا (۶۹۰ھ/۶۹۰ء) نہر دُجیل کے بائیں کنارے اپنے قدم جمائے رکھے۔ اس صورت حال میں اس وقت تک کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی جب تک کہ الحجاج بن یوسف نے مغربی عرب میں امن وامان قائم کرنے کے بعد عراق کی حکومت اپنے ہاتھ میں نہ لی (۶۹۳ھ/۶۹۳ء)۔ الحجاج نے ان جنگی اقدامات کی سپہ سالاری پر الہمٹب کو بحال رکھا اور حکم دیا کہ وہ ازارقہ پر فی الفور حملہ شروع کر دے۔ اس پر الہمٹب نے ازارقہ کے خلاف مہموں اور محروکیوں کا ایک زبردست سلسلہ شروع کر دیا، جس کے نتیجے میں ازارقہ ہٹتے ہٹتے سلطنت کے بیرونی سرحدی علاقوں تک پہنچ گئے، کیونکہ شدید مزاحمت کے باوجود وہ دُجیل کو چھوڑ کر کارزُون کی طرف پس پانے اور بالآخر فارس کو خالی کر کے کرمان تک ہٹ آنے پر مجبور ہو گئے۔ انھوں نے جبرفت کے قصبے میں اپنا صدر مقام قائم کیا اور کئی سال اپنے مورچے سنبھالے رہے، یہاں تک کہ ان کی فوج کے عربوں اور موالی کے باہمی اختلافات نے رفتہ رفتہ ان کی جمعیت کو پرانگندہ کر دیا۔ قطری کو عربوں کے ساتھ جبرفت چھوڑ کر طبرستان میں پناہ لینا پڑی اور موالی کا گروہ عبد ربہ الکبیر کی قیادت میں جبرفت میں جمارہا (اس عبد ربہ کے علاوہ ہمارے ماتخذ میں ایک اور عبد ربہ الصغیر کا ذکر آتا ہے، جس کی نسبت خیال ہے کہ

فرقے کے قائد نافع بن الازرق الحنفی الحنظلی کے نام سے بنا ہے، جس کے بارے میں الاشعری کا بیان ہے کہ اس نے خوارج کے مابین سب سے پہلے اس نظریے کی تائید کر کے اختلاف پیدا کیا کہ حملہ مخالفین کو ان کی عورتوں اور بچوں سمیت قتل کر دینا چاہیے (استغراض)۔ اس شخص کے ذاتی حالات یہ ہیں کہ وہ ایک یونانی الاصل آزاد شدہ لہار کا بیٹا تھا۔ ۶۴ھ/۶۸۳ء میں وہ عبید اللہ بن الزبیرؓ کی مدد کے لیے آیا، جب کہ شامی سپہ سالار حُسن بن نمیر الشکونی کے عسا کرنے مکے میں ان کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ جب یہ محاصرہ اٹھایا گیا تو نافع دیگر خارجی رہنماؤں کے ساتھ، جن میں خبندہ بن عامر اور عبید اللہ ابن اباض بھی شامل تھے، بصرے کو لوٹ آیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے فوراً ان فسادات سے فائدہ اٹھایا جو یزید بن معاویہؓ کی وفات کے اعلان پر ظہور میں آئے تھے، چنانچہ اسی کے زیر قیادت خوارج نے بصرے کے والی مسعود بن عامر الحنظلی کو قتل کیا، جسے عبید اللہ بن زیاد نے نامزد کیا تھا اور بعد ازاں عبید اللہ بن الزبیرؓ کے بھیجے ہوئے والی عمر بن عبید اللہ کو بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عمر بن عبید اللہ کو شہر کا قبضہ حاصل کرنے کے لیے طاقت استعمال کرنا پڑی۔ اس کام میں اسے اہل شہر کی امداد بھی حاصل تھی، جن کے لیے خوارج کی پیہم فرمائشیں برداشت کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ جب خوارج کو بصرے سے باہر نکال دیا گیا تو نافع نے شہر کے دروازوں کے باہر ڈیرے ڈال دیے اور مزید لشکر جمع کر کے سخت لڑائی کے بعد عمر بن عبید اللہ کو شکست دی اور شہر پر دوبارہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بصرے میں صورت حال کی اصلاح کے لیے ابن الزبیرؓ نے مسلم بن عُقبیس کی سالاری میں ایک لشکر روانہ کیا۔ غالباً اسی موقع پر بصرے میں خوارج کے انتہا پسند اور اعتدال پسند عناصر کے درمیان تفرقہ پیدا ہوا اور وہ دو فرقوں - ازارقہ اور اباضیہ - میں منقسم ہو گئے۔ ازروے روایت یہ اسی سال ۶۵ھ/۶۸۴-۶۸۵ء کا واقعہ ہے۔ اباضیہ نے، جو نسبتاً کم ہمت تھے، مسلم بن عُقبیس سے جنگ نہ کرنے کو ترجیح دی اور بصرے ہی میں مقیم رہے، لیکن ازارقہ نے آخر تک لڑنے کا تہیہ کر لیا اور شہر چھوڑ کر نافع کی سرکردگی میں خوزستان (الہواز) کی طرف چلے گئے۔ مسلم نے دُولاب کے مقام پر انھیں جا لیا اور یہاں جو گھمسان کا رن پڑا اُس میں نافع اور زبیری سپہ سالار [مسلم] دونوں مارے گئے (۶۵ھ/۶۸۵ء)؛ تاہم ازارقہ نے عبید اللہ بن الماخوذ کی سرکردگی میں خود کو ازسر نو منظم کر لیا اور جنگ جاری رکھی، یہاں تک کہ مد مقابل فوجیں تھک کر اور ہمت ہار کر بصرے کو لوٹ گئیں۔ کئی ماہ تک بصرے اور الہواز کا درمیانی علاقہ قتل و غارت اور آتش زدگی کی آماجگاہ بنا رہا، کیونکہ ازارقہ ان تمام لوگوں کا قتل عام کر دیتے تھے جو ان کے فرقے کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بصرے کے باشندوں نے خوف زدہ ہو کر الہمٹب بن ابی صُفرہ کو بلا بھیجا اور اس نے ازارقہ کے خلاف معرکے کی قیادت کرنے کی حامی بھری۔ الہمٹب نے پہلے انھیں دجلہ (کے علاقے) سے بے دخل کیا اور بعد ازاں دُجیل کے مشرق میں سلیمری کے نزدیک شکست فاش دی (۶۶ھ/۶۸۶ء)۔ اس شکست کے بعد ازارقہ فارس کی

دورہ رہا (قَبّ معاصرین کی شہادت: راحة الصدور، ص ۳۹۸، نیز فارسی ترجمہ عُثْمٰی [قَبّ مقدمہ، طبع تہران، ۱۲۷۴ھ، ص ۱۰]: قَبّ Defrémery: کتاب مذکور).

۶۰۰ھ میں (ابن الاثیر، ۱۲: ۱۲۸) ابو بکر نے آی توغمش کو اس غرض سے بھیجا کہ کوچہ کو ٹھکانے لگا دے، جس نے اس عرصے میں رتے، ہمدان اور جبک (Media) پر قبضہ کر لیا تھا۔ کوچہ مارا گیا اور ازبک وہاں کا ملک بن گیا۔ آی توغمش اس کا مشیر اور محافظ تھا۔ ۶۰۲ھ میں آی توغمش ابوبکر کی مدد کو پہنچا اور اسے مراغہ [رتک بان] پر قبضہ کر لینے میں مدد دی، لیکن آخر کار اسے صرف آذربجان اور ازان پر تصرف رکھنے کی اجازت دی (وہی کتاب، ص ۱۸۶، ۱۹۳)۔

ازبک بطور اتابک: غالباً ازبک شمال کی طرف ہٹ گیا تھا اور یہیں ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں وہ ابوبکر کا جانشین بھی ہوا (ابن الاثیر نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا)۔

۶۰۸ھ میں ایک اور غلام مُنْغَلِی نے آی توغمش کی جگہ لے لی جسے ۶۱۰ھ میں بالآخر قتل کر دیا گیا تھا (وہی کتاب، ص ۱۹۳، ۱۹۶، ۱۹۷)۔ مُنْغَلِی نے اپنے آقا ازبک کے ساتھ خود سرانہ رویہ اختیار کیا، خلیفہ وقت نے ازبک کی حمایت کی اور اربل کے اتابک کو اس کے حق میں مداخلت کا فرمان بھیجا۔ مُنْغَلِی کی تمام املاک تقسیم کر دی گئیں اور ازبک نے اپنا حصہ اپنے ایک غلام اُغْمَش کو دے دیا (۶۱۲ھ، وہی کتاب، ص ۲۰۱)؛ اگرچہ یہ یاد رہے کہ اُغْمَش خطبے میں خوارزم شاہ کا نام لیتا تھا اور مؤخر الذکر اسے اپنا نائب سمجھتا تھا (قَبّ النسوی، ص ۱۳)۔

۶۱۴ھ میں اسمعیلیوں نے اُغْمَش کو قتل کر دیا تو فارس کے اتابک سغد نے رتے پر قبضہ کر لیا اور ازبک نے اصفہان پر۔ یہ خبر سن کر خوارزم شاہ علاء الدین محمد نے جبک (Media) پر دھاوا بول دیا اور ان حلیفوں کو منتشر کر دیا۔ ازبک آذربجان کی طرف پس پا ہو گیا، مگر اس کے عمائد میں سے شہزادہ اہر نصرت الدین بیہقیس (جونسلا گرجی تھا) اور وزیر ربیب الدین گرفتار ہو گئے۔ خوارزم شاہ نے ازبک سے معاملہ کر کے آذربجان اور ازان کے علاقے اس کے پاس چھوڑ دیے، مگر ساتھ ہی اسے مجبور کیا کہ خطبوں میں اس کا نام پڑھا جائے اور سگے بھی اسی کے نام کے ڈھلیں (قَبّ ابن الاثیر، ۱۲: ۲۰۷؛ النسوی، ص ۱۷)۔

مغل: جب ۶۱۷ھ/۱۲۲۰ء میں تاتاری تبریز کی شہر پناہ تک پہنچ گئے تو ازبک نے، جو شب و روزے نوشی میں مشغول رہتا تھا، یہ بزدلانہ، مگر قرین مصلحت راستہ اختیار کیا کہ شہر کی طرف سے انھیں تاوان دینا منظور کر لیا (وہی کتاب، ص ۲۰۴)۔ گرجیوں کو جب پہلی بار تاتاریوں کے ہاتھوں شکست ہوئی تو انھوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ ازبک اور خانِ خلاط سے اتحاد کر لیا جائے، لیکن تاتاریوں کو اس فوج کی کمک پہنچ گئی جو خود ازبک کے ایک ترک غلام اُغْمَش (اُغْمَش؟) نے ان کی امداد کے لیے مہیا کی تھی اور انھوں نے یہ منصوبہ پورا نہ ہونے دیا، کیونکہ انھوں نے تَفْلَس [رتک بان] پر نئے سرے سے حملہ کر دیا اور

ہونے کے بعد وہ گرجیوں اور مغلوں کے حملوں کا نشانہ بنا رہا، یہاں تک کہ آخر میں خوارزم شاہ جلال الدین نے اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ مغرب میں اس کے پڑوسی اربل (اُزبیل) کا اتابک اور خلاط (اُغلاط) کے سلاطین اُیوبی تھے۔ قبل از تخت نشینی: ۵۹۲ھ/۱۱۹۶ء میں جب خوارزم شاہ نکلش [رتک بان] نے ایران پر حملہ کیا تو اس وقت اتابک ازبک اپنے بھائی ابوبکر اتابک آذربجان کے خوف سے بھاگ کر نکلش کے پاس آ گیا اور اس نے اسے ہمدان کا علاقہ بطور جاگیر عطا کر دیا۔ (جہان گشای، ۲: ۳۸)۔ بقول راحة الصدور، ص ۳۸۸، خود ابوبکر ہی نے اسے ہمدان بھیجا تھا اور اس کے ساتھ عزا الدین سَمُو کو بھی، لیکن جلد ہی بادشاہ ملک جمال الدین آی ایبہ؟ (جو ایک ذی رتبہ امیر اور قلعہ فرزین کا مالک تھا، قَبّ ماڈہ سلطان آباد، نیز تاریخ عُثْمٰی کے فارسی ترجمے کا مقدمہ — ریو (Reiu): Catalogue، ۱: ۱۵۸) ازبک کے ساتھ مل گیا اور اس کا اتابک بن کر اپنے دامادوں کو اپنا معاون بنا لیا۔ ۹ جمادی الآخرہ ۵۹۳ھ/۲۹ اپریل ۱۱۹۷ء کو ایک فوج بغداد سے روانہ ہوئی اور اس نے ہمدان فتح کر لیا۔ آی ایبہ فرار ہو گیا اور ازبک اب براہ راست خلیفہ کے ماتحت ہو گیا (قَبّ برائے تفصیلات ابن الاثیر، ۱۲: ۸۲)۔ بالآخر میاجق نے، جو خوارزم شاہ کا غلام اور وفادار ملازم تھا (اور قتلغ اینانچ کا قاتل)، صورت حال پر قابو پا لیا، لیکن رجب ۵۹۳ھ مئی۔ جون ۱۱۹۷ء میں ازبک نے ہمدان کی طرف مراجعت کی اور ابوبکر نے دوبارہ اقتدار اعلیٰ حاصل کر کے اس کے لیے نئے مشیر بھیج دیے۔ راحة الصدور میں ازبک کا لقب ملک بتایا گیا ہے۔ یہ زمانہ پُر آشوب تھا اور ۵۹۴ھ میں ازبک نے قزوین کا رخ کیا تاکہ میاجق سے نبرد آزمائی کرے، لیکن اسے زنجان کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ ادھر اس کے حریف نے خلیفہ وقت کی شہ پر ہمدان فتح کر لیا اور ۲۰ رجب ۵۹۴ھ/۲۸ مئی ۱۱۹۸ء کو خوارزم شاہ کی طرف سے بھی اس کی حکومت تسلیم کر لی گئی۔ میاجق کی خواہش تھی کہ وہ ”سلطان“ کا لقب بھی اختیار کر لے، لیکن آی ایبہ کی سرکردگی میں ابوبکر کی فوجوں نے اسے قہما (ضلع رتے) کے قریب شکست دے دی۔ تھوڑے عرصے کے لیے اتابک ابوبکر نے رتے پر قبضہ رکھا، مگر ایک غلط افواہ کی وجہ سے ایسی کھلبلی مچی کہ اسے وہاں سے بھاگتے ہی بنی۔ اب میاجق پھر رتے واپس آ گیا، لیکن اس کے ظلم و تعدی کی بنا پر اس کے خوارزمی مرثیٰ اس سے بدل ہو گئے اور بالآخر خوارزم میں اسے قتل کر دیا گیا۔ ازبک اور اس کے نائب کوچہ نے عراق میں خوارزمیوں کا قتل عام شروع کر دیا اور ابوبکر اس قابل ہو گیا کہ اصفہان پر قبضہ کر کے ملک تقسیم کر دے؛ چنانچہ ملک ازبک کے حصے میں ہمدان آیا اور کوچہ کورٹے کا علاقہ ملا۔ ان سب پر بلاذقی آی ایبہ کو حاصل تھی، جو اپنے داماد کوچہ کی بدعنوانیوں سے زائد از ضرورت چشم پوشی برتا تھا۔ ابوبکر اپنے سب اختیارات کھو کر (اس کی کمزوری کی بابت دیکھیے ابن الاثیر، ۱۲: ۱۲۰) ازبک کے پاس چلا گیا، لیکن آخر میں دوبارہ آذربجان کو واپس ہوا۔ اس دوران میں تمام عراق عجم میں فتنہ و فساد کا دور

جب جلال الدین گرجستان کی مہتموں میں مشغول تھا تو اس کی غیر حاضری میں تبریز کے اندر ازبک کو واپس لانے کی سازش کی گئی؛ اس سازش میں شمس الدین طغرانی جیسا بڑا شخص بھی شامل تھا، مگر جلال الدین اس کے سد باب کے لیے بروقت وہاں پہنچ گیا۔ خوارزم شاہ نے ازبک کو یہ زبردست زک پہنچائی کہ اس کی بیوی سے، جو طغرل ثانی کی بیٹی تھی، نکاح کر لیا۔ اگرچہ ازبک اور اس شہزادی کا نکاح فسخ ہو جانے کی قانونی جھڑپیں پیدا کر لی گئیں، لیکن فضیحت و بدنامی بہت ہوئی۔ بعد میں جلال الدین نے اس شہزادی سے بے اعتنائی برتی یہاں تک کہ وہ ملک اشرف ایوبی سے امداد کی التجا کرنے پر مجبور ہو گئی؛ چنانچہ ۶۲۴ھ میں ایک مہم آذربائیجان کو روانہ کی گئی اور شہزادی کو خلاط لے آیا گیا (ابن الاثیر، ص ۳۰۷؛ المنسوی، ص ۱۵۴)۔

ازبک کے ہاتھ سے گچہ بھی جاتا رہا اور اس نے اپنے آخری دن (۶۲۲ھ/ ۱۲۲۵ء) قلعہ الخجہ میں گزارے (قبّ منورسکی (Minorsky): Transcaucasia، در JA، ۱۹۳۰ء، شمارہ جولائی، ص ۹۳)۔ مصیبتوں اور زلزلوں نے اس کی کمر توڑ دی تھی (قبّ المنسوی، ص ۱۱۹؛ جوبینی، ۴: ۱۵۷) اور اسی پراتا بکوں کا وہ دور حکومت ختم ہو گیا جو الدیگر (انڈیگز) کے وقت سے شروع ہوا تھا۔

ازبک نے ایک بیٹا چھوڑا، جس کا نام معلوم ہوتا ہے کہ قزل آرسلان تھا (المنسوی، ص ۱۶۸)، لیکن اس کے برخلاف راحة الصدور (ص ۳۹۳) میں اس کا نام طغرل بتایا گیا ہے۔ عام طور پر اسے ”خاموش“ کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ بہرا اور گونگا تھا (قبّ المنسوی، ص ۱۲۹-۱۳۰؛ جہان گشای، ۲: ۲۴۸)۔

موزنخین نے ازبک پر سختی سے تکتہ چینی کی ہے، چنانچہ ابن الاثیر بھی اپنا معمولی منصفانہ سکون و وقار ترک کر کے جگہ جگہ اس پر طنز و تعریض کرتا ہے (۱۲: ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۸۱) اور اس پر یہ الزام عائد کرتا ہے کہ وہ شراب کارسیا، عیش و عشرت کا دل دادہ اور جو اھیلنے (القمار بالبدیض، انڈوں کا جو) کا شائق تھا۔ اتابک آرام طلبی کی زندگی بسر کرتا تھا اور مہینوں گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا (قبّ نیز یاقوت، بذیل ماڈہ ارمیہ، ۱: ۲۱۹)۔ بے کیف زندگی کی یہ تصویر ضرور ان امیدوں کے برعکس تھی جو اس زمانے کے مسلمانوں نے جلال الدین کی ذات سے وابستہ کر رکھی تھیں، حالانکہ اپنی نئی زندگی میں وہ بھی برائی سے پاک نہ تھا (المنسوی، ص ۱۸۶، ۲۴۳-۲۴۴)۔ جوانی میں ازبک نے بھی متعدد مہتموں میں حصہ لیا تھا، مگر اس کی فوجیں سنگین حملوں کے مقابلے کے لیے ناکافی تھیں (اس وقت گرجی لوگ اپنے عروج کی انتہا پر تھے؛ قبّ تفلّس) اور زبردست حریفوں، مثلاً مغل اور مجاہد اعظم جلال الدین سے نبرد آزمانی کے قابل نہ تھیں۔ ابن الاثیر (۱۲: ۲۸۱) نے ایک کوشک کا ذکر کیا ہے، جو ازبک نے زکیر کثیر صرف کر کے تبریز میں تعمیر کرایا تھا۔ خوش گزران و رنگین مزاج اتابک کا دربار شاعروں اور فن کاروں کے لیے باعث کشش تھا اور ازبک کا وزیر ربیب الدین علم و ادب کا بڑا مرہب تھا (المنسوی، ص ۱۶۲-۱۶۳؛ نیز اواخر مژبان نامہ)۔

پھر ۶۱۸ھ میں دوبارہ تبریز پر حملہ آور ہوئے۔ اس دفعہ بھی ازبک نے شہر کی طرف سے تاوان ادا کر دیا (وہی کتاب، ص ۲۴۶)۔ جب ان لوگوں نے تیسری بار تبریز پر حملہ کیا (وہی کتاب، ص ۲۵۰) تو ازبک خود، پنچوان چلا گیا اور اپنے اہل و عیال کو خوی بھیج دیا۔ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ”اس کے قبضے میں پورا آذربائیجان اور تمام اڑان تھا، پھر بھی وہ اپنے ملک کو دشمن سے محفوظ رکھنے میں بالکل بے بس ثابت ہوا“ (وہی کتاب، ص ۲۵۰)۔

۶۱۹ھ میں قنچاق نے اڑان میں شورش برپا کر دی۔ یہ لوگ در بند کے راستے ماوراء قفقاز میں داخل ہو گئے تھے اور اسی طرح بعد میں گرجیوں نے غالباً اس بات پر براہ فرودختہ ہو کر کہ انھوں نے اتحاد کے لیے جوئی پیش کش کی تھی وہ ناکام رہی بیلقان کو تاراج کر دیا (وہی کتاب، ص ۲۶۶)۔ اس سال کے اختتام پر (اکتوبر ۱۲۲۲ء) ہم ایک بار پھر ازبک کو تبریز میں بیکار بیٹھا پاتے ہیں، لیکن اسے کسی حد تک اثر و رسوخ ضرور حاصل تھا، کیونکہ موصل کے ایک امیر نے اپنے کو اس کے زیر حمایت کر لیا تھا (وہی کتاب، ص ۲۶۸)۔

مغلوں کے چلے جانے کے بعد جو اس و امان کا زمانہ گزرا اس کے دوران میں ۶۲۰ھ میں ایران خوارزم شاہ کے بیٹے غیاث الدین اور اس کے چچا غنّیّی کے مابین موجب نزاع ہو گیا۔ ازبک نے اپنے غلام ایک الشامی کی معیت میں غیاث الدین کے خلاف چڑھائی کر دی، مگر شکست کھائی (ابن الاثیر، ۱۲: ۲۷۰)۔ المنسوی (ص ۷۶) کے بیان کے مطابق جب غیاث الدین عراق میں متمکن ہو گیا تو اس نے آذربائیجان (مراغہ اور اوجان) پر دھاوے بولنا شروع کر دیے اور ازبک نے اپنی ہمیشہ شہزادی پنچوان کی شادی اس سے کر کے اسے رام کرنے کی کوشش کی، لیکن دوسری طرف غنّیّی دوسری بار آیا اور آذربائیجان کو تاراج کیا (قبّ ابن الاثیر، ۱۲: ۲۸۱)۔

۶۲۱ھ میں نئی تاری فوجوں نے ایران پر حملہ کیا اور تے میں خوارزم شاہ کو شکست دی۔ باقی ماندہ لوگوں نے ازبک کے پاس پناہ لی مگر تاتاریوں نے تبریز پہنچ کر ان لوگوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ازبک نے ان میں سے چند قبول کر کے باقیوں کو تاتاریوں کے حوالے کر دیا۔ ابن الاثیر کا بیان ہے کہ تاتاری صرف تین ہزار تھے۔ بحالیکہ جن خوارزمیوں کو تے پر شکست ہوئی ان کی تعداد چھ ہزار تھی اور ازبک کی فوج ان دونوں سے زیادہ تھی (وہی کتاب، ص ۲۷۳)۔

۶۲۲ھ/ ۱۲۲۵ء میں گرجی تفلّس سے آذربائیجان کی طرف بڑھے، لیکن ان کی فوج ایک تنگ پہاڑی دڑے میں تباہ کر دی گئی۔ گرجی لوگ اس ہزیمت کا بدلہ لینے کی تیاری کر رہے تھے کہ انھیں جلال الدین کے مرافعہ پہنچ جانے کی اطلاع ملی؛ لہذا انھوں نے دوبارہ کوشش کی کہ ازبک سے اتحاد ہو جائے۔

جلال الدین کی آمد: جلال الدین کے پہنچنے سے پہلے ہی ازبک گچہ کی طرف ہٹ گیا اور ایک خوارزمی سپہ سالار تبریز میں داخل ہو گیا۔ ۱۶ رجب ۶۲۲ھ/ ۲۴ جولائی ۱۲۲۵ء کو جلال الدین نے شہر پر قبضہ کر لیا۔

صدی عیسوی میں عربوں نے اسے اپنے زیر نگیں کر کے اسلام کی اشاعت کی اور بارہویں صدی میں خوارزم کے شاہان سلجوق نے اسے فتح کیا۔ تیرہویں صدی میں چنگیز خان نے اس پر اپنا جھنڈا لہرایا اور چودھویں صدی میں تیمور نے اپنی زبردست فتوحات حاصل کرنے کے لیے اسی علاقے کے مشہور شہر سمرقند کو اپنا صدر مقام بنایا، لیکن اس کے جانشینوں کے دور حکومت میں اس بڑی سلطنت کی وسعت کم ہونے لگی اور پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں اس کا شیرازہ منتشر ہونے لگا۔ ان سارے ہنگامہ خیز واقعات کے دوران میں سمرقند، بخارا اور تاشقند، جو چین، ہندوستان، ایران اور یورپ کی تجارتی شاہراہوں پر واقع تھے، خوش حالی، تہذیب و تمدن اور عیش و عشرت کے مرکز بنے رہے۔ سولہویں صدی کے اوائل میں ازبکوں نے شمال مغرب کی طرف سے اس علاقے پر حملے شروع کر دیے۔ یہ آلتون اُردو کی باقی ماندہ یادگار تھے اور ایک شخص ازبک (چودھویں صدی) کو اپنا مورث اعلیٰ بتاتے تھے، جس پر ان کا نام بھی ازبک ہو گیا تھا۔ سولہویں صدی کے اواخر میں ازبک سردار عبداللہ نے اپنی قلمرو کی حدود ایران، افغانستان اور چینی ترکستان تک وسیع کر لیں، لیکن کچھ ہی عرصے بعد یہ سلطنت متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی، جن میں سے خیو، خوقند اور بخارا کی ریاستیں خاص اہمیت کی حامل تھیں۔ ان ریاستوں کو ۱۸۶۵ء اور ۱۸۷۶ء کے دوران میں روسیوں نے فتح کر لیا اور خوقند کو براہ راست روسی سلطنت کا حصہ بنا لیا گیا، لیکن خیو اور بخارا کو مقامی امیروں کے تحت روس کی باج گزار حکومتوں کی حیثیت سے ۱۹۲۰ء تک برقرار رکھا گیا۔ ۱۹۲۴ء میں ازبک سوویت سوشلسٹ ریپبلک کی تشکیل عمل میں آئی اور تاجکستان کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا۔ ۱۹۲۹ء میں تاجکستان کو ایک علیحدہ جمہوریت بنا دیا گیا اور روسی حکومت کی صنعتی حکمت عملی اور ٹرانس کیپسین و ترکستان۔ سائبیریا ریلوے لائنوں کو باہم ملا دینے کی وجہ سے ازبکستان اب سوویت یونین کا ایک بیش بہا علاقہ بن گیا ہے۔

ازبکستان کا بیشتر حصہ صحراؤں اور ریگستانوں پر مشتمل ہے، جو زیادہ تر غیر آباد ہیں۔ یہاں کے دریا مختلف پہاڑی سلسلوں سے نکل کر الگ الگ سمتوں میں بہتے ہیں۔ ان دریاؤں کے ارد گرد وسیع نخلستان واقع ہیں، جو بہت زرخیز اور گنجان آباد ہیں۔ ان میں سے وادی فرغانہ کا نخلستان سب سے بڑا ہے، جسے سیردریا سیراب کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تاشقند، زرافشان، قشقد، دریا، سمرخان دریا اور خوارزم بھی قابل ذکر نخلستانی خطے ہیں، جو ایران اور لوق ووق صحراؤں، ریگستانوں اور پہاڑوں کے ذریعے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ہیں۔ صرف سڑکیں اور ریلیں انھیں ایک دوسرے سے ملاتی ہیں۔ اس ملک کی آب و ہوا خشک ہے، بارش کم ہوتی ہے، لیکن ملک میں نہروں کی کثرت ہے، جس کی وجہ سے ازبکستان میں آبپاشی بہت قاعدے سے ہو رہی ہے اور یہاں کی مزروعہ زمین سوویت یونین کے دوسرے تمام حصوں سے بڑھ گئی ہے، جہاں زیادہ تر کپاس پیدا کر کے روٹی حاصل کی جاتی ہے، جو اس علاقے کی خاص چیز ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے کیا

مآخذ: (۱) الزاؤفدی: راحة الصدور، GMS، قتب اشاریہ؛ (۲) ابن الأثیر، ج ۱۲، قتب اشاریہ؛ (۳) السنوی: سیرة جلال الذین، طبع Houdas، قتب اشاریہ؛ (۴) سلجوقیوں کی تاریخ اخبار الدولة السلجوقیة، Suppl. to: Rieu، the Catalogue of the Arabic Mss.، شمارہ ۵۵۰ (جس میں اتا بکوں کے متعلق کچھ تفصیلات موجود ہیں)، ابھی تک طبع نہیں ہوئی؛ قتب Süssheim: Prolegomena zu einer Ausgabe der "Chronik des Selds-Histoire des chugischen Reiches"، لاہنگ ۱۹۱۱ء؛ (۵) میرخواند: Sultans du Kharezm، طبع مع تعلیقات از Defrémery، پیرس ۱۸۴۲ء، ص ۱۰۸ بعد؛ (۶) خواند امیر: حبیب النبی، ج ۲-۴، تہران ۱۲۷۱ھ، ص ۲۰۱ (گواس کی کوئی خاص اہمیت نہیں)؛ (۷) منجم باشی: صحائف الاخبار، ۲: ۲۸۵ (مختصر حاشیہ)؛ (۸) Defrémery: Recherches sur quatre princes: d' Hamadan، در JA، ۱۸۴۷ء، ۹: ۱۳۸-۱۸۶ (مملوک کو کچھ، آی توغمش، مسلکی و غلغیش کی حکومت پر بہت عمدہ مقالہ)۔

(منو زسکی (V. MINORSKY))

⊗ اُزبکستان: ایک جمہوریہ، جو سوویت سنٹرل ایشیا کے عین وسط میں واقع [اور سمرقند کے ایک بڑے حصے، سیردریا کے جنوبی حصے، مغربی فرغانہ، بخارا کے مغربی میدانوں، قرہ قلیاق اے۔ اے۔ اے۔ اے۔ آری اور خوارزم کے ازبکی علاقوں پر مشتمل] ہے۔ شاید ہی کسی دوسرے ملک کی سرحدیں اتنی آڑی ترچھی ہوں جتنی کہ ازبکستان کی ہیں۔ اس کی سرحدیں [مغرب میں] ترکمانیہ، [شمال میں] قزاقستان، [مشرق میں] قرغیزیا اور تاجکستان کی سوویت سوشلسٹ جمہوریتوں سے ملتی ہیں اور جنوب میں وہ افغانستان کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا کل رقبہ ایک لاکھ اہتر ہزار آٹھ سو چھیاسٹھ مربع میل ہے۔ ۱۹۴۶ء میں اس کی آبادی باسٹھ لاکھ بیاسی ہزار [۱۹۶۳ء میں چورانوے لاکھ بانوے ہزار] تھی، جس میں تقریباً ۷۵ فی صد ازبک اور بقیہ ۲۵ فی صد میں تاجیک، روسی، قازق، قرغیز، ارمنی، یہودی وغیرہ شامل تھے، لیکن یہ آبادی متواتر بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ موجودہ ازبکستان ایک سوویت سوشلسٹ جمہوریہ ہے۔ یہاں جمہوریت کا اعلان دسمبر ۱۹۲۴ء میں ہوا تھا اور ۱۱ مئی ۱۹۲۵ء سے اس کا الحاق سوویت یونین سے ہو گیا۔ اب اس جمہوریہ کا دارالحکومت تاشقند ہے، جس کی آبادی پچھ لاکھ کے قریب ہے [اور دوسرے بڑے شہر سمرقند، اندجان اور نمنگان ہیں]۔

اُزبکستان دنیا کا ایک قدیم تمدن علاقہ ہے۔ بڑے پیمانے پر [پاک و ہند] کے مسلمانوں کا ازبکستان سے گہرا تعلق رہا ہے۔ ہندوستان میں تیموری سلطنت کا بانی ظہیر الدین محمد بابر ازبکستان ہی میں وادی فرغانہ میں پیدا ہوا تھا۔ تہذیبی طور پر زمانہ قدیم سے بڑے اور ازبکستان میں گہرے تعلقات قائم رہے ہیں۔ یہ علاقہ شروع سے اہم سیاسی اور فوجی انقلابات کی آماجگاہ رہا ہے۔ ۳۲۹ ق۔م میں سکندر اعظم نے ایرانیوں کو شکست دے کر اسے اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ آٹھویں

تھے۔ ہنیم (از صلب معن بن مالک بن فہم) نژوی میں بودو باش رکھتے تھے۔ العتیک دبی میں اور اللجران کے قریب ہی آباد تھے۔ حدان بحری قزاقوں کے ساحل (Pirate Coast) کی عقبی سرزمین میں رہتے تھے۔ ان کے درمیان کے علاقوں میں بعض غیر ازدی قبائل بالخصوص سامہ بن لوی رہتے تھے، جو بعد میں مجموعی حیثیت سے نزار کے نام سے معروف ہوئے۔ بنو جدید (قبیلہ اشاعر سے) اسلامی عہد میں مغرب کی جانب طفاً حضور موت تک بڑھ آئے تھے، جہاں انھوں نے مہرہ سے لڑ کر ریسوت کی بندرگاہ پر قبضہ جمالیہ۔ زمانہ قبل از اسلام میں بھی ازدی عمان کے بعض گروہ، مثلاً سلمہ بن مالک بن فہم، نقل مکان کر کے خلیج فارس کے جزایروں اور کرمان میں جا پہنچے تھے۔ یہاں وہ ماہی گیری، کشتی رانی اور تجارت کرتے تھے، مگر دوسرے عربوں میں ان کی شہرت اچھی نہ تھی۔ ”مرون“ کا نام، جس کا اطلاق بعض اوقات ان پر کیا جاتا ہے، بظاہر ان کا لقب تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ شمال کی طرف سے نقل مکان کر کے آئے اور ان غیر عرب باشندوں میں جو پہلے سے اس علاقے میں آباد تھے دخیل ہو گئے۔ وہ روایت جس کی رو سے کتبوں میں مذکور اسد (۲) [رتک بان] یہی لوگ تھے اور اس طرح وہ تئوخ کے حلیف تھے غلطی پر مبنی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں ازدسرات کا زیادہ حال معلوم نہیں، کیونکہ ان کے اشعار بہت کمیاب ہیں۔ [ان میں] صرف ایک مشہور شاعر حاجو بن عوف (از بنو سلیمان) ہوا ہے، جس کے اشعار میں خنعم اور کنانہ کے خلاف جنگوں اور آل غطریف کی طاقت و برادری کے خلاف (وادئ قنونی میں) بعض قبائل کی لڑائیوں کا ذکر آیا ہے، جو ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں واقع ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس خاندان کے افراد منات کے اس مندر کے نگران تھے جو قعدید میں تھا۔ مدینے کے انساب کی فہرست میں غطریف کا جو نام نظر آتا ہے ممکن ہے کہ وہ انھیں سے آیا ہو۔ ازدسرات کے دیوتاؤں میں حسب ذیل کا نام لیا جاتا ہے: ذوالشری، ذوالخصہ (اس بت کا مندر تبالہ میں تھا)، ذوالکفین اور عائم۔ ازدمان کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں معلومات اس سے بھی کم ہیں۔ ایرانیوں اور مہرہ کے خلاف افسانوی جنگوں کے علاوہ عبدالقنیس کے خلاف ایک جنگ کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے دیوتا کا نام بائزر/ناجز بتایا جاتا ہے۔

ازدسرات نے ۱۰ھ/۶۳۱ء میں اسلام قبول کیا۔ ردۃ کے دوران میں معمولی شورشیں رونما ہوئیں، جنھیں ۱۱ھ/۶۳۲ء میں عثمان بن العاص والی طائف نے جلد فرو کر دیا۔ ۱۳ھ/۶۳۴ء میں ازد کے کچھ لوگ اس دستہ فوج میں شامل تھے جو [حضرت] عمرؓ نے فرات کی طرف بھیجا تھا۔ بصرے اور کوفہ کی چھاؤنیوں میں جو لوگ پہلے پہل آباد ہوئے ان میں کچھ ازدسرات بھی تھے اور ان میں سے بعض مصر چلے گئے، مگر مجموعی طور پر انھوں نے بہت کم ترک وطن کیا۔ اس سے چند سال پہلے ہی اسلام عمان میں پہنچ چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عمان کے حکمران گروہ الحکیدی (از بنو معاویہ) جو صحار میں رہتے تھے (کے دو بھائیوں جنہر اور عبد العتیک اور

زیادہ مشرق میں سرات غامد میں عمر بن عثمان، الغطریف، زارہ، اشباب، لہب، ثمالہ، غامد، قرظ بن انجن اور دیگر قبائل تھے۔ ان کا علاقہ بالائی وادی قنوتا سے مشرق کی طرف پھیلا ہوا تھا۔ ان قبائل اور ان کے بھائی بند قبائل کے درمیان جو ازدی زیادہ مشرق کی طرف رہتے تھے [بنو] خنعم حائل تھے۔ خنعم کے مشرقی علاقے تڑبی میں النقوم (حوالہ بن الہنو کی اولاد) آباد تھے۔ بنو شکر (بنو الوان)، تبالہ کے شمال مشرق میں اور قرظ بن عبداللہ تبالہ کے جنوب میں رہتے تھے۔ مزید جنوب کی طرف اور سرات اللجر ہی کے علاقے میں اللجر بن الہنو کی متعدد شاخیں آباد تھیں (ان میں اہم ترین بنو شہر اور ان کے ساتھ بل اسمر تھے)۔ یہ قبائل شمال میں تو حلی کی علاقے کے گرد رہتے تھے اور آگے چل کر وادی تئومہ وادی بن اسمر کے جنوبی رقبوں میں موجود تھے۔ ان کے اہم مراکز حلی، النضراء، نماس اور تئومہ تھے۔ ان میں سے کچھ افراد مزید جنوب میں وادی اہل کی طرف عتزر کے جوار میں بھی رہتے تھے۔ قبیلہ بارق کے لوگ مغرب میں وادی بارق کے رقبوں میں آباد تھے اور جنوب کی طرف خنعم کے گھرے ہوئے علاقے کی حد بندی کرتے تھے۔ بارق بیش تر وادیوں میں رہتے تھے اور خنعم مرتفع علاقوں میں آباد تھے۔ ازد کے کچھ گروہ (اللمح، یزنی بن الہنو اور اللجر بن الہنو کا کچھ حصہ) ساحل بحر پر حلی کے گرد قبائل کنانہ کی ہمسائیگی میں آباد تھے۔ ابتداءً ازدسرات اور بھی زیادہ جنوبی اقطاع میں رہتے تھے اور نسبتاً قریب کے زمانے ہی میں خنعم سے مسلسل جنگ کر کے ان علاقوں میں جا گئے جہاں وہ بعد میں آباد ہوئے۔ عہد اسلام میں ان کے باقی ماندہ کچھ لوگ تغز کے جنوب مغرب میں بنو معاقر کے ماتحت اور دثینہ میں بنو اود کے ماتحت زندگی بسر کرتے رہے۔ شئویہ کی اصطلاح، جو بار بار آتی ہے، اس کا مطلب ابھی تک واضح نہیں ہوا۔ چونکہ یہ نام حاجو بن عوف شاعر کی ایک نظم میں جنگی نعرے [شعار] کے طور پر استعمال ہوا ہے، اس لیے خیال ہو سکتا ہے کہ یہ اصطلاح جغرافی نہیں بلکہ غالباً لہسی ہوگی۔ مروجہ تشریح (شئویہ = الحارث بن کعب بن عبداللہ بن مالک بن نصر بن الازد) صریح طور پر غلط ہے؛ اس بات کی اب تحقیق نہیں ہو سکی کہ کون کون سے انفرادی قبائل شئویہ سے تعلق رکھتے تھے۔

ازد عمان ان قبائل پر مشتمل تھے جو اپنا نسب مالک بن فہم کی نسل سے بتاتے تھے (یعنی ہنایہ، فراہید، بہا ضم، نوا، قراویس، جزامیر، عققانہ، قسامل، صلیمی، اشاعر)۔ بعض نصر بن زہران کے سلسلے سے تھے (یعنی ہنعم، حدان، معاویہ)۔ بعض قبیلہ وہ تھے جو عمران بن عمر و بنو یقیہ کی نسل سے تھے، یعنی العتیک اور اللجر بن عمران (گمان غالب یہ ہے کہ عمران سے [یہ] رشتہ، جس کی بنا پر انصار ان قبائل کے بھائی بند بن جاتے ہیں، آل مہلب کے اعزاز میں فرض کر لیا گیا تھا۔ صحیح رشتہ سلسلہ نسب العتیک بن الاسد بن عمران میں محفوظ رہا)۔ یہ منفرد قبائل کس کس علاقے میں رہتے تھے، اس کے متعلق معلومات کم ہیں۔ معاویہ صحار اور اس کے گرد و نواح میں رہتے تھے؛ ہنعم اور ہنایہ پڑوس کے ساحلی خطوں میں آباد

کیا، اگرچہ بنو تمیم اور شامی لشکر سے شکست کھائی۔ تقریباً اسی زمانے میں اباضیہ [رکب بآن] عقائد، جو بصرے سے آئے تھے، عمان میں مقبول ہونا شروع ہوئے۔ ۱۳۲ھ/۷۴۹ء میں قدیم حکمران خاندان بنو الحِمْیَر کے ایک رکن الحِمْیَر بن مسعود کو [اباضیہ فرقے کا] پہلا امام منتخب کیا گیا۔ وہ ۱۳۴ھ/۷۵۱ء میں ابو العباس کے ایک سپہ سالار خازم بن حُوْنِیمہ سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ بعد کے سال اس علاقے میں بہت بدامنی میں گزرے۔ یہ علاقہ برائے نام تو عبّاسی والی کے ماتحت تھا، لیکن اس میں بالعموم بنو الحِمْیَر اور اباضیہ کے درمیان برابر جنگ و جدال ہوتی رہی، کیونکہ بنو الحِمْیَر اپنے سابق اقتدار کو از سر نو قائم کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ آخر ۷۷ھ/۹۳ء میں جا کر اباضیہ کو غلبہ حاصل ہوا اور انھوں نے ایک نیا امام ”برحق“ منتخب کر لیا۔ اس کے بعد اباضی ائمہ کا صدر مقام نَزْدُوی بن گیا۔ یہ اباضی امام بلا استثنا پیغمبر قبیلے کے تھے۔ ۲۳۰ھ/۸۴۴ء کے بعد پھر فساد پیدا ہوا۔ بنو الحِمْیَر کی سرگرمیوں کے علاوہ ازد اور نزار کے درمیان قبائلی جنگ چھڑ گئی۔ ۲۷۷ھ/۸۹۰ء میں بنو سامہ بن لُؤس نے خلیفہ المعتضد سے رجوع کیا کہ اباضیہ کے خلاف ان کی مدد کی جائے۔ اباضیہ کا آخری آزاد امام عَزَّان ابن تمیم ۲۸۰ھ/۸۹۳ء میں بحرین کے عبّاسی والی محمد بن نور کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا۔ ۲۸۲ھ/۸۷۵ء [۸۹۵ء؟] کے بعد نَزْدُوی میں پھر اباضی امام رونما ہونے لگے، لیکن ان کا اقتدار محدود رہا۔

مآخذ: (۱) ”اخبار اهل عمان من اول اسلامهم الى اختلاف كلمتهم“، ایک گننام عرب کی تاریخ کشف الغمّة کا باب ۳۳، طبع H. Klein، ہیمبرگ، ۱۹۳۸ء؛ (۲) ابن الکلبی: الجمهرة في النسب، مخطوطہ اسکوریا (Escorial)، شمارہ ۱۶۹۸، ص ۲۳۷، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹،

میرا خیال ہے کہ یہ ممدوح ابوعلی حسن بن مولیٰ بن [بہنو بن] سلجوق ہے، جس کے حصے میں ۲۳۱ھ/۱۰۳۹ء میں ہرات، بوشنج، بھجستان اور غور کی حکومت آئی تھی (اخبار الدولة السلجوقیہ، ص ۱۷) [مگر قبّہ راحة الصدور، ص ۱۰۴، جس کی رو سے ان علاقوں کا مالک حسن نہیں بلکہ اس کا باپ مولیٰ تھا] اور آخری شعر میں ”جگر گوشہ مخالف“ سے مراد مسعود غزنوی کا بیٹا مودود ہوگا، جس سے بعد میں ان تراکمہ کی جنگیں ہوئی تھیں۔

۲۳۱ھ/۱۰۳۹ء کی تقسیم کے بعد طغرل بیگ جیسے طاقتور شخص کو کہیں ۲۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں جا کر مفتوحہ علاقوں کی طرف سے اطمینان ہوا تھا (سلجوق نامہ، ص ۱۸؛ راحة الصدور، ص ۱۰۵، حاشیہ)۔ قاوڑ جب کرمان پہنچا تو وہاں ابو کالیجار بن سلطان الدولہ کا نائب بہرام بن لشکرستان تھا (ابن الاثیر، بذیل ۲۴۰ھ)۔ اس نے اپنی کمزوری کی بنا پر قاوڑ کو کرمان کی ولایت پیش کر دی اور اس کی بیٹی سے قاوڑ کی شادی بھی ہو گئی (تاریخ افضل، ص ۴)۔ ۲۴۲ھ سے قاوڑ نے کرمان اور اس کے اطراف کی بھی تسخیر شروع کی۔ جبال القفص اور عمان کی فتح کے بعد در بند بھجستان کی فتح پر ازرقی نے امیران شاہ بن قاوڑ کی مدد میں چونٹھ اشعار کا ایک قصیدہ لکھا، جو یوں شروع ہوتا ہے:

ہمایون، جشن عید و ماہِ آذر
خجستہ باد بر شاہ مظفر

یہ فتح چونکہ چھ ماہ کی جنگ کے بعد حاصل ہوئی تھی (شعر ۴ و ۵) اس لیے ماہِ آذر (شعر ۱ و ۶) کے باوجود وہ اسے ”جشن عید“ (شعر ۱) سے تعبیر کرتا ہے۔ ازرقی نے متعدد قصیدے امیران شاہ بن قاوڑ کی مدد میں لکھے ہیں، جن میں سے دو اس طرح شروع ہوتے ہیں:

آسمان گون قرطہ پوشیدہ آن چہ ماہِ آسمان
سہر چہر آمد بنزد بندہ روزِ مہرگان

(دیوان ازرقی، آصفیہ)

عید مبارک آمد و بر بست روزہ بار
زان گوہ بست بار کہ پیرار بست [و] پار

(دیوان ازرقی، آصفیہ)

ایک مرتبہ امیران شاہ سیتان کے مقام فراہ میں تھا، اس وقت ازرقی نے

لکھا تھا:

چو آفتاب شد از اوج خود بخانہ ماہ
بخیش خانہ رہ برگ بید و بادہ بخواہ...
مرا شمال ہری بی ہری چہ آید خوش
چو شہریار خداوند من بود بہ فراہ
ہمام دولت عالی، قوام ملت حق
جمال مملکت شہ امیر میران شاہ
خدا یگانہ، شاہنشمہ، خداوندی
کہ بندہ بست مر او را زمانہ برہ اکراہ

ہے (چہار مقالہ، ص ۱۷۴)۔ نظامی عروضی: چہار مقالہ (ص ۴۳) میں مذکور ہے کہ [جب سلطان محمود غزنوی ہرات آیا تو اس کے خوف سے فردوسی چھ ماہ تک ازرقی کے والد اسماعیل الوڑاق کے ہاں چھپا رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ازرقی کے والد اور فردوسی ہم عصر اور دوست تھے۔ سلطان محمود کے بیٹے مسعود (م ۲۳۲ھ/۱۰۴۱ء) کے زمانے میں سرخس اور مرو کے درمیان دنداقان کے مقام پر طغرل بیگ بن میکائیل بن سلجوق اور اس کے بھائی چغری بیگ نے مل کر مسعود کو ۸ رمضان ۲۳۱ھ/۲۳ مئی ۱۰۳۹ء کو ایک جنگ میں (جس میں خود بہتھی موجود تھا، تاریخ بیہقی، طبع تہران، ص ۵۴۲ بعد) شکست دی، پھر ان کے چچا مولیٰ بہنو بن سلجوق اور یونس بن سلجوق وغیرہ نے متحد ہونے کا قول و قرار کیا اور مفتوحہ علاقوں کو آپس میں تقسیم کر لیا (سلجوق نامہ، ص ۱۷)۔ ازرقی کے ہاں یونس بن سلجوق کی مدد میں ایک قصیدہ ملتا ہے، جو غالباً اس کا سب سے قدیم کلام ہے۔ یہ قصیدہ یوں شروع ہوتا ہے:

مگر کہ زہرہ و ماہ است نعت آن دلخواہ
کہ باسعادت زہرہ است و باطراوت ماہ
اس قصیدے کا ایک شعر ہے:

سیاہ رو بہ بگردد شہماز ہیبت تو
سیاہ شیر علامات شان میان سیاہ

(دیوان ازرقی، آصفیہ، ۹۴۳)

اس میں دشمن کے علم کا نشان ”سیاہ شیر“ بتایا گیا ہے۔ غزنویوں کے ہاں سیاہ علم اور شیر کے نشان کے استعمال کا ثبوت تو ملتا ہے (تاریخ بہرام شاہ (انگریزی)، از غلام مصطفیٰ خان، لاہور ۱۹۵۵ء، ص ۲۸-۳۱)، لیکن نشان ”سیاہ شیر“ کا کوئی واضح ثبوت مہیا نہیں ہو سکا، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ جب علاقوں کی مذکورہ بالا تقسیم کے بعد قاوڑ و بن چغری بیگ بن میکائیل کرمان اور طہین (راحة الصدور، ص ۱۰۴) کا مالک ہوا تو غالباً بعد میں اس کی اور یونس بن سلجوق کی کوئی جنگ ہوئی تھی، کیونکہ قاوڑ (بمعنی گرگ) کے طغرے پر ”قرہ ارسلان بیگ بن چغری [ی] بیگ“ نقش تھا (تاریخ افضل، ص ۳) [قرہ ارسلان = شیر سیاہ]۔ اس کے بیٹے امیران شاہ کی مدد میں بھی اس شاعر نے علم کی علامت یہی بتائی ہے:

وزان کہ شیر سیاہ است نقشِ رایتِ او
دلیر تر بود اندر نبرد شیر سیاہ

(دیوان ازرقی، وہی نسخہ)

شاعر کا ایک قدیم ممدوح حسن بھی ہے، جس کا غور و بھجستان سے تعلق ہے:

شجاع دولت پایندہ سعد ملک حسن
امین شاہ عجم، میر غور و غرجستان

(دیوان ازرقی، وہی نسخہ)

ز بہر زخم جگر گوشہ مخالف او
بزخم تیر کند اژدہا بُن دندان

(مونس الاحرار، ص ۶۲۳)

[چہار مقالہ، تہران ۱۳۳۱ شمسی، ص ۷۰ اور دولت شاہ، ص ۷۳: سہ
 (بجائے دو) اور دوسرا شعر دولت شاہ نے اور طرح دیا ہے]۔ اس حکایت کے
 ساتھ طغان شاہ کے ایک ندیم ابو منصور با یوسف کا ذکر ہے، جس سے ۵۰۹ھ میں
 خود نظامی عروضی نے ہرات میں اس واقعے کی ذیل میں بادشاہوں کی داد و دہش کا
 حال سنا تھا۔ اسی کے ساتھ روایت بھی ہے کہ ”بادشاہ بود و کودک بود“
 اور چونکہ طغان شاہ کے والد آلپ ارسلان کی پیدائش کی سب سے پہلی تاریخ
 ۴۲۱ھ ہے (راحة الصدور، ص ۱۱۷ ح)، اس لیے یہ صحیح ہوگا کہ ۴۵۲ھ کے
 بعد ہی ازرقی نے طغان شاہ کی ”کودکی“ کا زمانہ پایا، بلکہ تاریخ میں تو ۴۵۵ھ
 سے پہلے طغان شاہ کا ہرات میں ہونا ثابت نہیں، اس لیے کہ معین الزجی الاسفزاری
 کی کتاب روضة الجنات فی اوصاف مدینة ہرات (پنجاب یونیورسٹی لائبریری،
 ص ۹۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ آلپ ارسلان محمد (۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء-۴۶۵ھ/۱۰۷۳ء)
 نے ہرات میں اپنے بیٹے شمس الدولہ طغان شاہ کو والی بنایا تھا، یعنی
 ۴۵۵ھ کے قریب۔ اسی کتاب میں (ص ۹۳) ہے کہ بعد میں ظہیر الملک ابو منصور
 سعید بن محمد المؤمنی نیشاپوری کو والی ہرات بنایا گیا تھا، جو آلپ ارسلان کی حیات
 تک رہا؛ پھر ملک شاہ بن آلپ ارسلان کی حکومت (۴۶۵ھ/۱۰۷۳ء-۴۸۵ھ/۱۰۹۳ء)
 شروع ہوئی تو ایک بار پھر طغان شاہ اس عہدے پر فائز کیا گیا، لیکن کچھ
 عرصے کے بعد اس سے بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے تو اسے قلعہ اصفہان میں
 محبوس کر دیا اور اس کی جگہ نظام الملک طوسی کے بیٹے مؤید الملک ابو بکر عبد اللہ کو والی
 ہرات بنایا گیا، جو اپنے والد کی شہادت (۴۸۵ھ/۱۰۹۳ء) تک وہاں رہا۔ اس
 شہادت کے دو ماہ بعد جب ملک شاہ کی وفات ہوئی تو ہرات میں افراتفری پھیل
 گئی۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ ۵۰۹ھ میں طغان شاہ کے ندیم ابو منصور با یوسف
 سے نظامی عروضی کی ملاقات ہرات میں ہوئی تھی، یعنی اس مناسبت کا زمانہ زیادہ
 سے زیادہ اگر ۴۰-۵۰ سال قبل بھی فرض کر لیا جائے تو بھی وہ ۴۶۰ھ کے لگ
 بھگ ہوگا۔ بہر حال اسی زمانے میں ازرقی نے طغان شاہ کی مدح سرائی کی ہوگی:

در سپہر حضرت آمد کامجوی و کامران
 از شکار خسروی آن آفتاب خسروان
 آسمان داد و ہمت، آفتاب تاج و تخت
 نور جان میر خجری شمع شاہ الپ ارسلان
 مفخر سلجوقیان، سیف امیر المؤمنین
 شمس دولت، زین بملت، گہف امت شہ طغان

(دیوان ازرقی، آصفیہ)

آخری شعر میں ”سیف امیر المؤمنین“ بھی خطاب ہے، جو ممکن ہے کہ
 ممدوح کے اسلاف کی طرح اُسے بھی خلیفہ بغداد سے حاصل ہوا ہو۔ ایک اور
 قصیدے میں یہی ذکر اس طرح ہے:

گوئی کہ ماہ و مشتری از جرم آسمان
 تحویل کردہ اند بباغ خدایگان

آخری شعر میں امیران شاہ کو ”شاہنشاہ“ کہا ہے، ہر چند کہ اس کی کوئی علیحدہ
 حکومت اپنے والد کی حکومت کے علاوہ نہیں تھی۔ ایک اور قصیدے میں بھی شاعر
 نے اُسے شاہنشاہ کہا ہے:

شاہنشہی کہ شاکر و با آفرین روند
 زوار او ز درگہ و مہمان او ز خوان

اس ”شاہنشاہ“ کا ”مہمان“ شاعر ہی ہوگا، جو قریب دس سال سے اس کے
 پاس ہے۔ اب اگر قاورذ کی حکومت کے آغاز (یعنی ۴۴۲ھ) سے حساب لگایا
 جائے تو اس قصیدے کا زمانہ ۴۵۲ھ کے قریب متعین ہوتا ہے۔ شاعر نے اپنے
 ممدوحوں میں سے اکثر و بیشتر امیران شاہ بن قاورذ ہی کو ”شاہنشاہ“ کہا ہے، اس
 لیے اس قصیدے میں اسی کے وزیر کا ذکر ہوگا:

چو کوس عید ز درگہ بکوفتند پگاہ
 پگاہ رفت بہ عید آن نگار زین درگاہ...

فخار آل سری، خواجہ عمید شرف
 وزیر راد شہنشاہ ابن شاہنشاہ
 ابو الحسن علی ابن محمد آن کہ بدوست
 جمال مسند و صدر و کمال دولت و جاہ
 ایک قصیدے میں پورا نام اور القاب اس طرح آگئے ہیں:

سدید دین، شرف دولت، آفتاب کرم
 ابو الحسن علی بن محمد ابن سری

اس وزیر کی مدح میں اور بھی متعدد قصیدے ہیں۔ ایک قصیدے میں

القاب صرف اس قدر ہیں:

زینت دولت علی بن محمد ابو الحسن
 آنکہ حسن دولت از تدبیر او زد داستان

تاریخ افضل (ص ۵) میں ہے کہ جب قاورذ کی تخت نشینی بردسیر میں ہوئی
 تو قاضی فزاری کو، جو اس وقت ”قاضی ولایت“ تھا، وزیر بنایا گیا اور اس کے دبیر
 ابوالحسن کو قاضی۔ اس ابوالحسن کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”قاضی و شحنے و
 عامل ہر ولایت رابع الدلت وصیت فرمود“، اس لیے یہ عین ممکن ہے
 کہ یہی ابوالحسن ازرقی کا ممدوح ہو۔ بہر حال جیسا کہ مذکور ہوا ۴۵۲ھ کے قریب
 تک شاعر کرمان میں تھا، پھر ہرات آیا ہوگا۔

چہار مقالہ (مقالہ دوم، حکایت ششم) سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ
 ہرات میں طغان شاہ بن آلپ ارسلان (بن چغری بیگ) احمد بدیہی کے ساتھ نزد
 کھیل رہا تھا اور بازی جیتنے کے لیے دو پھلوں کے بجائے دو اٹے نکلے تو وہ سخت
 برہم ہو گیا۔ اس وقت ازرقی نے یہ دو بیت کہہ کر اس کا غصہ فرو کیا:

گر شاہ دوشش خواست دو یک زخم افتاد
 تا ظن نبری کہ کعبتین داد نداد
 آن زخم کہ کرد رای شاہنشاہ یاد
 در خدمت شاہ روی بر خاک نہاد

شمسِ دول، گزیدہ ایام، فخرِ ملک
تیغِ خلیفہ سایۂ اسلام شہ طغان

(حوالہ سابق)

ایک اور قصیدے میں القاب اس طرح آتے ہیں:

ای شکستہ تیرہ شب بر روی روشن مشتری
تیرہ شب بر روی روشن مشتری در ششمتری
بوالفوارس خسرو ایران و توران آن کزوست
از عدو ایامِ خالی از فتنِ ملکوتِ بری
شمسِ دولت، زینِ ملت، کہفِ امت، شاہِ شرق
مایۂ عدل و ثباتِ ملک و قطبِ مشتری

(دیوان، نسخۂ آصفیہ)

ایک قصیدے سے اس زمانے کی تعیین ہوتی ہے:

خوش و نکوزی بہم رسید عید و بہار
بسی نکوتر و خوشتر ز پار و از پیرار
یکی ز جشنِ عجم جشنِ خسرو افریدون
یکی ز دینِ عرب دینِ احمد مختار
گزیدہ شمسِ دول، شہریارِ دین و ملل
کہ دین و دولت از و گشت جفتِ عز و فخر
ابو الفوارس خسرو طغان شہ آن مَلکی
کہ شاہی از اثرِ جاہِ اوست بر مقدار

(حوالہ سابق)

چنانچہ وہ وقت جب عید الفطر اور نو بہار ایک ہی دن ہوے شاید [کیم
شوال] ۳۷۳ھ / ۱۵ مارچ ۱۰۸۱ء ہوگا۔ (ابن الأثیر ۱۰: ۳۴) میں ہے کہ
۴۶۷ھ میں ملک شاہ نے عمر خیام وغیرہ کی کوشش سے ”جلالی“ سنہ قائم کیا تھا اور
(۱۵ مارچ) پہلی فروردین سے وہ سن شروع ہوا، ورنہ اس سے پہلے باقاعدگی نہیں
تھی۔ تاریخ بیہقی سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴۲۸ھ میں سلجق جمادی الآخرہ کے بعد
(غالباً اپریل ۱۰۳۷ء میں) نوروز ہوا (ص ۵۲۱)۔ ۴۲۹ھ میں سنہ شنبہ کو جب
جمادی الاولیٰ کے ختم ہونے میں چاردن باقی تھے (یعنی ۱۱۸ اپریل ۱۰۳۸ء) اس
وقت نوروز ہوا (ص ۵۳۴)۔ ۴۳۰ھ میں چہار شنبہ ۸ جمادی الآخرہ ۶ مارچ
۱۰۳۹ء کو (ص ۵۶۷) اور ۴۳۱ھ میں پنجشنبہ ۱۸ جمادی الآخرہ ۶ مارچ ۱۰۴۰ء کو
روز ہوا (ص ۶۱۱)۔ ایک اور قصیدے میں اس زمانے کی زیادہ وضاحت ہے:

چون چترِ روز گوشہ فرو زد بہ کوهسار
برزد سرِ علامتِ عید از شب آشکار
هر کو کسی بہ تہنیتِ عید بر فلک
در زیورِ شعاع بر آمد عروس وار
چون بر فراخت عید علامتِ بدستِ شب
نو روز در رسید و علمہای نو بہار

شمسِ دُول طغان شہ زینِ امم کزوست
ایامِ شادمانہ و افلاکِ بختیار

(حوالہ سابق)

اس سال (۳۷۳ھ / ۱۰۸۱ء) سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ازرقی کا
تعلق طغان شاہ سے بجائے آلپ آرسلان کے ملک شاہ کے عہد میں ہوا ہوگا اور
اسی سال کے قرب میں کسی وقت ابو منصور بایوسف اس کا ندیم رہا ہوگا، جس سے
ازرقی کی ملاقات ۵۰۹ھ میں ہوئی تھی۔ طغان شاہ کی مدح میں متعدد قصیدے
ہیں، جن میں سے ایک کسی باغ اور قصر کی تعمیر کے وقت لکھا تھا، جو اس کے وزیر
کے زیرِ اہتمام مکمل ہوئے۔ یہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

بغالِ ہمایون و فرخندہ اختر
بہ بختِ موقی و سعدِ موقر

(حوالہ سابق و لباب الالباب، ۲: ۸۸، بعد)

ایک قصیدے میں وہ اسی وزیر اور اس کے علم و فضل کا ذکر کرتا ہے اور ایک
عجیب و غریب تشبیہ استعمال کرتا ہے (قبّ حقائق السحر، طبع عباس اقبال، ص
۱۴۴۲؛ لباب الالباب، ۲: ۸۸):

ز تابِ عنبرِ پُر تابِ بر سہیلِ یمن
ہزار حلقہ شکستِ آن نگارِ حلقہ شکن
پھر گریز میں کہتا ہے:

اگر تو تیر جفا را دلم نشانہ کنی
بجانِ خواجہ فاضلِ نگویمت کہ مزن
حکیم سید ابو القاسم آن کہ شہر سرخس
ز قدرِ او بہ فلک سر ہمی کشد مسکن
(دیوان، آصفیہ، المعجم، ص ۳۸۲)

اس سرخسی وزیر کے القاب اور پورا نام سید الوزراء عماد الملک ابو القاسم احمد
بن قوام ہے۔ وہ کہتا ہے:

بمدح صاحبِ فرزانه سید الوزراء
کجاً صحیح بزرگبست روزگارِ سقیم
عمادِ ملک ابو القاسم احمد ابن قوام
کہ قیمتی بر او حکمت ست و مردِ حکیم

(حوالہ سابق)

اس کی مدح میں اور بھی قصیدے ہیں۔ طغان شاہ کی مدح کے قصیدوں
سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غزنویوں کی طرح اس کے علم میں بھی بلال تھا اور شیر کی
تصویر تھی:

پلنگ و شیر بجنبد بر ہلالِ عَلم
تن از نسجِ یمانی و جان ز بادِ شمال
چنان گریزد دشمن کہ شیرِ رایت او
زہیبت تو نجنبد مگر بشکلِ شگال

(حوالہ سابق)

یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے دینار میں خورشید کا نقش تھا:

بَرِ کَانَ زَرِّ دَسْتِ تَوِ گَرِ صَوْرَتِی کَنْد
زَر نَقِشِ مَسْهَرِ گَبِرْدِ وَ بَیْرُونَ جَسْهَدِ زِ کَانَ

(حوالہ سابق)

اوپر مذکور ہوا ہے کہ ہرات میں ظہیر الملک ابو منصور سعید بن محمد بن المومل نیشاپوری بھی آلپ آرسلان کی طرف سے حاکم مقرر ہوا تھا۔ اس کی مدح میں بھی ازرتقی نے یہ قصیدہ لکھا تھا:

بَارِ دِیْگَرِ بَرِ سَتَاکِ گَلْبَنِ بَیِ بَرِگِ وَ بَارِ
اَفْسِرِ زَرِّیْنِ بَرِ آرْدِ اَبِرِ مَرْوَارِیْدِ بَارِ

(حوالہ سابق)

لیکن اس کی مدح میں صرف ایک ہی قصیدہ ہے، اس لیے غالباً اس کے عہد میں (تا وفات آلپ آرسلان) ازرتقی کو [ہرات میں رہنے کا] زیادہ موقع نہ مل سکا ہوگا اور اس کے بعد جب ملک شاہ نے اپنے بھائی طغان شاہ کو والی ہرات بنایا تو وہ اس سے رجوع ہوا۔ بہر حال، جیسا کہ اوپر ایک قصیدے سے معلوم ہوا، ازرتقی ۴۷۳ھ/۱۰۸۱ء تک ضرور زندہ تھا اور ابتدائی کلام کے پیش نظر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ شاعری کم و بیش چالیس سال رہا۔

میرزا [محمد] قزوینی نے (حواشی چہار مقالہ، ص ۱۷۷) سندباد نامہ اور الفیہ و شلفیہ کو ازرتقی کی تصنیف ماننے سے انکار کیا ہے، کیونکہ اس کے خیال میں وہ دراصل دوسروں کی تصنیف کردہ ہیں اور یہ کہ اگر وہ سندباد نامہ منظوم کرنا بھی چاہتا تو یہ اس کے لیے ایک دشوار کام ثابت ہوتا، جیسا کہ طغان شاہ کی مدح میں وہ خود کہتا ہے:

شہر یار آئندہ اندر مدحتِ فرمانِ تو
گر تواند کرد بنماید زمعنی ساحری
ہر کہ بیند شہر یارا پندہای سندباد
نیک داند کاندرو دشوار باشد شاعری
من معانیہای او را یاور دانش کنم
گر کند بخت تو شاہا خاطر م را یوری
[اس قصے کو ۷۶۷ھ میں کسی اور شخص نے نظم کیا تھا، دیکھیے میرزا محمد قزوینی،

حوالہ مذکورہ بالا]۔

الفیہ و شلفیہ کے متعلق میرزا [محمد] قزوینی نے لکھا ہے کہ وہ بھی ازرتقی کی تصنیف نہیں ہے، یہ اور بات ہے کہ طغان شاہ کے لیے اس نے اسے اپنے الفاظ میں پیش کیا ہو۔ قزوینی (ص ۱۷۸) نے بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ الفیہ کی تصاویر سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے لیے ہرات کے ایک قصر میں بنائی گئی تھیں، لیکن ازرتقی نے طغان شاہ کے قصر کے سلسلے میں بھی تصاویر و تماثل کا ذکر کیا ہے (دیکھیے لباب، ۸۹:۲)۔

ازرتقی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ انصاری ہروی (م ۳۸۱ھ)

کا مرید تھا، (آتشکدہ، بمبئی ۱۲۹۹ھ، ص ۱۲۸؛ مجمع الفصحاء، ۱: ۱۳۹)۔

مآخذ: (۱) ازرتقی: دیوان، کتاب خانہ آصفیہ، حیدرآباد دکن، مخطوط ۹۴۳؛ (۲) احمد بن محمد بن احمد کلاتی: مونس الاحرار، نسخہ حبیب گنج؛ (۳) رو ضات الجنات فی اوصاف مدینة ہرات، از معین الدنجی الاسفزاری، پنجاب یونیورسٹی لائبریری؛ (۴) نظامی عروضی: چہار مقالہ، طبع قزوینی، لاٹڈن ۱۳۲ھ؛ (۵) وہی کتاب، طبع ڈاکٹر محمد معین، تہران ۱۳۳۱ھ ش؛ (۶) تاریخ بیہقی، تہران ۱۳۲۴ھ ش؛ (۷) ظہیر الدین نیشاپوری: سلجوق نامہ، تہران ۱۳۳۲ھ ش؛ (۸) غلام مصطفیٰ خان: تاریخ بہرام شاہ غزنوی، لاہور ۱۹۵۵ء؛ (۹) ڈاکٹر مہدی بیانی: تاریخ افضل، تہران ۱۳۲۶ھ ش؛ (۱۰) مجمع الفصحاء، تہران ۱۲۸۵ھ؛ (۱۱) الراوندی: راحة الضدور، طبع محمد اقبال، لاٹڈن ۱۹۲۱ء؛ (۱۲) ابن الاثیر، مطبوعہ لاٹڈن؛ (۱۳) لطف علی آذر: آتشکدہ، بمبئی ۱۲۹۹ھ؛ (۱۴) اخبار الدولة السلجوقیة، لاہور ۱۹۳۳ء؛ (۱۵) محمد عوفی: لباب الالباب، لاٹڈن ۱۹۰۳ء، ۲: ۸۶؛ (۱۶) وطواط: حدائق السحر، تہران، طبع عباس اقبال؛ (۱۷) قیس رازی: المعجم، لاٹڈن ۱۹۰۹ء، طبع وقفیہ گب؛ (۱۸) دولت شاہ: تذکرہ، طبع براؤن، ص ۷۳ و مواضع دیگر بہ امداد اشاریہ۔

(غلام مصطفیٰ خان)

اَزَلِے رَتْ بَہ اَبَد۔

*

اَزَلْجُو رَتْ بَہ مَادَہ [فَن کوزہ گری و] خَرْف، دَر (کَ، لاٹڈن، طبع دوم۔

*

اَزَلِے بابِی [رَتْ بَانَ] مذہب کے ان پیروں کا نام جنہوں نے باب کی وفات کے بعد مزائیجی معروف بہ صِح ازل [رَتْ بَانَ] کا اتباع کیا۔

اَزَلِے: (Azalay، موجودہ املا: Azalai) ایک اصطلاح، جو کئی کئی

ہزار اونٹوں (یا زیادہ صحیح طور پر سائڈ نیوں) پر مشتمل اُن کاروانوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو موسم بہار اور خزاں میں جنوبی صحرا کے ذخائر سے نمک لاد کر ساحل (Sahel) اور سُودان کے استوائی علاقوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ نمک۔ اگر البکری (ترجمہ دیسلان de Slane، طبع ثانی، ص ۳۲۷) کے بیان پر یقین کر لیا جائے۔ حبشی لوگ ہم وزن سونے کے بدلے میں لیا کرتے تھے، لیکن اب اس کے بدلے میں کھانے پینے کی چیزیں، یعنی چاول، باجرا، شکر اور چائے وغیرہ لی جاتی ہے۔ مغرب کی طرف اِجَل کے نمک کو، جو شاید چھٹی صدی عیسوی سے معروف تھا (Ravenna کی غیر موسوم کتاب)، چنگو بتی (-Ching- uiti) کے کوئٹہ (Counta) کے آزاد کردہ غلام (مُور) اکٹھا کر کے لاتے ہیں اور یہی مور اس نمک کو مغربی سُودان کی منڈیوں میں لے جاتے ہیں۔ تُو دِی (Taou-denni) کے ذخائر نمک نے تغازہ (Teghaza) کے ان ذخائر کی جگہ لے لی ہے جو کئی اور گاؤں کے بادشاہوں (چودھویں صدی اور پندرھویں صدی) کی دولت و ثروت کا ایک ذریعہ تھے۔ تُو دِی کے ذخائر میں ۱۵۸۵ء سے کام ہو رہا ہے۔ یہ

نمک وہاں مستقل بسے ہوئے کان کن جمع کرتے ہیں اور کوئٹہ قبائل کے لوگ اور کچھ طوارق (Tuareg) کے آدمی اسے چھوٹے چھوٹے کاروانوں کے ذریعے ٹمکتو لے جاتے ہیں۔ وہاں سے یہ نمک سارے مرکزی سودان اور بالائی وولٹا (Volta) میں تقسیم ہوتا ہے۔ مشرق میں بلمہ (Bilma)، سگودائن (Seguedine) اور فچی (Fachi) کی معادن نمک میں کنوری (Kanoury) لوگ کام کرتے ہیں۔ اس نمک کو ایر (Aïr) اور دمروگو (Damergou) کے طوارق ازلے بنا کر مختلف اطراف میں لے جاتے ہیں اور وہ نائیجیر یا اورنا نیجیر کی نوآبادی میں فروخت ہوتا ہے۔ بورکو (Borku) اور ایڈری (Ennedi) کا نمک فرانسیسی استوائی افریقہ کے میدانوں میں بسنے والے حبشیوں کو مہیا کیا جاتا ہے۔ آمڈزور (Amador) کا نمک، جو ٹمنرسٹ (Tamanrasset) کے شمال میں واقع ہے، اسے کیل اہگر (Kel Ahaggar) اور کیل اجر (Kel Ajjer) کے لوگ اکٹھا کر کے دوسرے مقامات کو لے جاتے ہیں۔

بڑے بڑے کاروانوں کی اقسام میں سے ازلے ہی ایک ایسی قسم ہے جو باقی رہ گئی ہے۔ جنوبی صحرا کے خانہ بدوش لوگوں کے لیے نمک کی یہ تجارت ہمیشہ سے دولت کا ذریعہ رہی ہے اور باوجود یورپ سے آنے والے نمک اور کاؤ لک (Kaolak) کے سمندری نمک کے ذخیروں سے مقابلے کے ابھی تک جاری ہے۔

ماخذ: *Le Sahara français: Capot-Rey*؛ پیرس، طبع ثانی، ۱۹۵۹ء (مخ آخذ)۔

ازمور: [آزمور] (فرانسیسی: Azemmour، ہسپانوی اور پرتگیزی: Azamor)، ایک شہر جو مراکش کے اوقیانوسی ساحل پر کاسابلانکا (Casablanca) کے جنوب مغرب میں ۵۷ کیلومیٹر اور مزنگن (Mazagan) کے شمال مشرق میں ۱۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور وادی اُم الرَبیعہ (Oum er Rabi'a) کے بائیں کنارے پر اور اس کے دہانے سے ۳۳ کیلومیٹر دور ہے۔ ۱۹۵۳ء میں اس کی آبادی پندرہ ہزار کے لگ بھگ تھی، جس میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ ان کے علاوہ ایک قلیل تعداد میں یہودی (ملاح) اور بہت تھوڑے سے یورپی بھی آباد ہیں۔ شہر کا یہ نام بربری زبان کے لفظ اَزْمُور (خود روزیتون) سے ماخوذ ہے۔ یہ شہر شَد (shad) چھجلی کے شکار کی وجہ سے بہت شہرت رکھتا ہے اور یہی اس شہر کی آبادی کا بڑا اور اہم ذریعہ معاش ہے۔ یہ شکار ہر سال دسمبر سے لے کر مارچ تک کیا جاتا ہے۔ اس شہر کا مرئی ولی ایک سید مولائے بوشعیب (مولائے ابو شعیب) ہے، جو مومن خاندان کے عہد میں گزرا ہے۔

(J. DESPOIS)

ازمور پر پہلے ۱۹۰۸ء میں قبضہ جمایا اور ۱۹۱۲ء میں اسے فرانس کی زیر حمایت ریاست (Protectorate) میں شامل کر لیا گیا۔

ازمور غالباً اس مراکشی حبشی استے بینیکو ڈی ازمور (Estebanico de Azamor) کا وطن تھا جو بڑا عظیم امریکہ کے حالات کی تحقیق کی تاریخ میں بہت مشہور ہے اور جس نے ۱۵۲۸ء اور ۱۵۳۶ء کے درمیان ہسپانوی گیمز ڈی واکہ (Cabeza de Vaca) کی عظیم نقل مکانی میں حصہ لیا، جو موجودہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے جنوبی حصے کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک کی گئی تھی۔

ماخذ: (۱) دیکھیے فہرست کتب، جو مادہ ”اضعی“ کے نیچے دی گئی ہے، بالخصوص *Sources inédites, etc*؛ اور (۲) *Ricard: Études, etc*؛ ان کے علاوہ: (۳) *Villes et tribus du Maroc*، ج ۱۱؛ (۴) *Région des Doukkala*، ج ۲؛ (۵) *Azemmour et sa banlieu*، پیرس ۱۹۳۲ء (تاریخی حصہ کچھ غیر یقینی ہے) اور (۶) *Ch. Le Coeur: Le rite et l'outil*؛ پیرس ۱۹۳۹ء۔

(R. RICARD)

ازمور کی اس وقت تک کی تاریخ تاریکی میں ہے جب تک کہ اسے ہسپانویوں اور پرتگیزیوں سے واسطہ نہ پڑا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہسپانویوں نے کسی نامعلوم اور غیر معین تاریخ سے لے کر ۱۴۸۰ء تک، جب کہ طلیطلہ (Toledo)

ازمور: (قدیم تر صورتیں: ازلمور، ازلمور، ابن خرداذبہ اور ازلہ ڈریسی کے *)

گئیں اور انھوں نے ۲۸ اکتوبر ۱۳۴۲ء کو سمرنا پر بڑے شمشیر قبضہ کر لیا (Heyd):
Histoire du Commerce du Levant، ۱: ۵۳۸۔ روڈس
 (Rhodes) کے شہسواروں (Knights) نے، جنھیں شہر کی حفاظت سپرد کی گئی
 تھی، بندرگاہ پر سینٹ پیٹر (St. Peter) نامی قلعہ تعمیر کیا، جہاں بعد میں وہ محصول
 خانہ بنا جو آج سے تقریباً پچاس سال پہلے تک موجود تھا۔ دوسری جانب شہر کا قلعہ
 آیدین اوغلو کے ہاتھ ہی میں رہا۔ بائزید اول نے انھیں وہاں سے بے دخل کر کے
 ایک صوباشی (حاکم شہر) مقرر کر دیا۔ جنوری ۱۴۰۳ء تک یہی حالت رہی، یہاں
 تک کہ تیمور نے فرنگیوں کے قلعے پر دھاوا کر کے انھیں سمرنا سے نکال دیا (شرف
 الدین: ظفر نامہ، ۲: ۴۶۴-۴۷۷۔ Dukas، ص ۷۲ بعد؛ Chalkok-
 ondyas، ص ۱۶۱، قبہ ہامر (von Hammer) *Gesch. d. osm.*:
Reiches، ۱: ۳۳۲۔ بعد و ۶۲۶ بعد)۔ ایشیائے کوچک سے تیمور کی واپسی پر
 قسمت آرماسردار جھنڈ [رتک بان] نے شہر پر قبضہ کر لیا، مگر تقریباً ۱۴۲۵ء میں
 اسے شکست ہوئی اور یہ شہر قطعی طور پر حکومت عثمانیہ کے زیر نگیں آ گیا۔

اس شہر کی بعد کی تاریخ کوئی عام دلچسپی نہیں رکھتی۔ ۱۳ ستمبر ۱۴۷۲ء کو وینس کے
 بحری بیڑے نے پیٹرو موسنیجو (Pietro Mocenigo) کی سرکردگی میں سمرنا پر
 حملہ کر کے اسے لوٹا اور آگ لگا دی (Hopf: *Chroniques Gréco-
 Romanes*، ص ۲۰۷؛ Cippico: *Delle Guerre de' Veneziani
 Gesch. d. Osm.*: Zinkeisen، بعد xxvi)۔ اس کے بعد یورپی بحری طاقتوں کی ترکوں سے جو بحری
 جنگیں ہوئیں ان میں یورپی باشندوں کی کثرت تعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے یورپی
 طاقتوں کو اس شہر پر حملہ کرنے سے کئی بار احتراز کرنا پڑا، مثلاً جب ساقز (Chios)
 کے سقوط کے بعد ترکی بحری بیڑہ خلیج سمرنا میں پیچھے ہٹ آیا تو وینس والوں نے
 ۱۶۹۴ء کے موسم خزاں میں سمرنا پر حملہ کرنے سے ہاتھ روک لیا (Kantemir:
Gesch. des Osman. Reiches، ص ۶۴۹؛ Zinkeisen: وہی کتاب،
 ۵: ۱۷۵) اور ۱۷۷۰ء میں جب روسیوں نے چیشمہ (Çeshme) کے پاس ترکی
 بیڑے کو تباہ کیا (Ypsillanti: *Tá meta tήn ἄλωσιν*، ص ۴۶۶؛
 بعد؛ قبہ ہامر (v. Hammer) *Gesch. d. Osman. Reiches*، ۸:
 ۳۵۸) تو انھوں نے بھی یہی کیا۔ سمندر کی جانب سے اس قسم کے حملوں کی روک
 تھام کے لیے باب عالی نے وینس سے لڑائی کے دوران میں درہ دانیال کی جنگ
 (۲۶ جون ۱۶۵۶ء) کے بعد آبنائے کے تنگ ترین حصے میں راس سختی بورٹو پر
 دفاعی استحکامات تعمیر کیے، جنھیں سختی قلعہ سی (سلامی لینڈ والا قلعہ) یا گئی [ینی] قلعہ
 کہا جاتا تھا۔ یہ استحکامات ۱۰ جولائی ۱۶۸۸ء کے زلزلے میں بالکل تباہ ہو گئے اور
 پھر انھیں کچھ نامکمل طور پر دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ زمانہ حال میں یہاں دوبارہ توپیں
 نصب کی گئیں اور بحری سرنگیں بچھا کرنا کہ بندی کر دی گئی۔

خشکی کی طرف سے جلالی اور رعایا کے سرکش قبائل نے سمرنا کو کئی بار لوٹا۔ یہ

نامہ [۲: ۶۳-۶۵]؛ (۵) کاتب جلبي: جهان نیا، ص ۶۶۲؛ (۶) De la Motraye: *Descr. of the East*: R. Pococke (۷)؛ *Voyages*، ۱: ۲۸۸، بعد؛ (۸) ہامر (v. Hammer) *Umblick auf einer Reise*:
 ۲: ۹۶، بعد؛ (۹) *von Constantinopel nach Brussa*، پیسٹ (Pest) ۱۸۱۸ء، ص ۱۴۲-
 ۱۴۷؛ (۱۰) *Descr. de l'Asie Mineure*: Texier (۱۱)؛ ۱: ۱۷-۲۸؛ (۱۲) *Anatolische*: v. d. Goltz (۱۱)؛ ۲۵۵-۲۵۶؛ (۱۳) *Ausflüge*، ص ۷۷-۸۱؛ (۱۴) *La Turquie d'Asie*: Cuinet (۱۲)؛ ۳۵۶؛
 بعد؛ (۱۵) *Christo Papadopoulos*، *Biuvixá*، (قسطنطینیہ ۱۸۶۷ء)؛
 ۵۹-۷۷؛ (۱۶) *Nikomedia*: O. F. Wulff و P. B. Pogodin (۱۷)؛ *Nachrichten des Russ. Arch. Inst. in Konstantin-
 opel* (اوڈیسا ۱۸۹۷ء)؛ ۲: ۷۷-۱۸۴ (رومی زبان میں)؛ (۱۸) (آرت،
 بذیل ماڈہ)؛ (۱۹) سامی بک: قاموس الاعلام، بذیل ماڈہ]۔

(J. H. MORDTMANN)

* اڈمیڈ: (سمرنا Smyrna) ترکی ایشیا کا مشہور ترین تجارتی شہر اور صوبہ
 آیدین کے والی کا صدر مقام۔ [جمہوریہ کے قیام کے بعد سے از میر کی ایک
 مستقل ولایت بنا دی گئی ہے۔ اس میں یہ سترہ قضاے ہیں: از میر، بایندر،
 برمگہ، چیشمہ، وکیللی، فوجہ، قرہ بورون، کمال پاشا (یا نیف)، قزق، قوش آطسی،
 کراز، (ہکلس) ہنمن، اودہ مش، سفری حصار، تیرہ، توربہ لی اور اولر۔] نام کی
 شکل اڈمیڈ (ابن بطوطہ: یڈمیڈ) اس شکل کے مطابق ہے جو مغرب کے لوگ
 قرون وسطیٰ میں استعمال کرتے تھے، یعنی سمیرہ (Smire)، زمرہ (Zmirra)
 وغیرہ (Tomaschek، ص ۲۸؛ Ram Muntaner (تقریباً ۱۲۰۲ء) میں
 Schiltberger: Esmira کے ہاں (Ismira)۔ جب سلجوقیوں نے گیارہویں
 صدی کے آخر میں ایشیائے کوچک پر یورش کی تو ایک ترک سردار تگش (Tzachās)
 (صرف Anna Comnena میں $\tau\zeta\alpha\chi\alpha\tilde{\iota}$) نے، جو قلیج آرسلان اول کا
 خسر تھا اور نیقیہ (Nicaea) میں رہتا تھا، سمرنا پر اپنا تسلط قائم کر لیا اور وہاں سے
 مجمع الجزائر کے جزیروں اور درہ دانیال (Hellespont) کو فتح کرنے کی غرض
 سے حملہ شروع کر دیے۔ جب سلجوق نیقیہ سے نکالے گئے (جون ۱۰۹۷ء) تو
 سمرنا دوبارہ بوزنطی حکومت کے قبضے میں آ گیا اور نیقیہ کے شاہنشاہ جون وتاسز
 ڈوکاس (John Vatatzes Dukas) (۱۲۲۲-۱۲۵۵ء) نے Pagus کی
 پہاڑی [تلس بانوش] پر مورچہ بندی کا ایک بڑا سلسلہ قائم کیا (Corp. Inscr.
 Graec.، شمارہ ۴۹، ۸۷)۔ اس پہاڑی پر سے شہر بالکل سامنے نظر آتا ہے۔ قونیہ
 کی سلجوقی سلطنت کے زوال کے بعد شہر افسوس (Ephesus) کے امیر آیدین
 نے ۱۳۲۰ء میں شہر پر قبضہ کر لیا اور شہر سے نکش کے عہد کی طرح ایک بار پھر مجمع
 الجزائر کے جزیروں اور فرنگیوں کے تجارتی جہازوں پر تاخت شروع ہو گئی۔ اسے
 بند کرنے کے لیے تمام آفت رسیدہ بحری طاقتیں پاپائے روم کی سرپرستی میں متحد ہو

لیکن اس صدے کے بعد یہ پھرا پھرا چنانچہ شہزادہ مصطفیٰ کی بغاوت کے وقت اسے ایک آباد اور خوش حال شہر بتایا گیا ہے (Hist.: Leunclavius، ص ۵۲۵، سطر ۴۶)؛ کہتے ہیں کہ بازنیدستانی نے اپنے والد محمد ثانی کی وفات کے بعد تخت سے دست بردار ہونے اور نیقیہ میں گوشہ نشین ہونے کا ارادہ کیا تھا۔

اس شہر کا زوال تقریباً سترھویں صدی کے وسط سے شروع ہوا۔ یہاں کی آبادی، جو اس وقت تخمیناً ۱۰۰۰۰ تھی (بقول Grelot)، گھٹتے گھٹتے اب صرف ۱۵۰۰ رہ گئی ہے۔ چین کی ٹائلوں کی صنعت، جو کبھی بڑے زوروں پر تھی اور جسے Otter (Voyage en Turquie، ۱: ۴۴) نے ۱۷۳۶ء میں جاری دیکھا تھا، اب بند ہو چکی ہے۔ اس صنعت کی صرف خیف سی یادگار، جسے اب کوئی سمجھتا بھی نہیں ہے، اس شہر کے نام چینی زلیک میں باقی ہے، جو عوام میں مشہور ہے (اور جس کی اصل ”چینی اِزْنِیق“، ("faïence Iznik") ہے [قبّ اولیا چلبی، ابوبکر فیضی وغیرہ، جو اس شہر کا ایک اور نام ”چین ماچین روم“ بتاتے ہیں]۔ موجودہ گاؤں فصیل شہر کے اندر تھوڑے سے رقبے میں آباد ہے اور مع اپنے ضلع کے ولایت خداوندگار (Brussa) میں یگی [پنی] شہر کی قضا کا ایک ناحیہ ہے، حالانکہ پہلے اِزْنِیق توجا بلی کی ایالت کی ایک قضا کا صدر مقام تھا۔ عام انحطاط نے قدیم عمارت پر بھی اثر ڈالا ہے، اس کا وہ حصہ جو بہترین حالت میں محفوظ ہے وہ رومی اور بوزنطی دیواریں ہیں جن کی ایک دوہری فصیل ہے (جس کا سب سے اچھا بیان Prokesch اور Texier نے دیا ہے) (اس کی بابت قبّ Mitt.: Körte des Deutsch. Arch. Instituts، Athens، ۲۴: ۳۹۸-۴۰۹)۔ ان دیواروں کے عظیم الشان دروازے اور ۲۳۸ برج ہیں (Texier)۔

ان دفاعی استحکامات کا بوزنطی حصہ لیو (Leo) ثالث اسوری (Isaurian) کے عہد کا ہے، جس نے ۷۲۶ء (Corp. Inscr. Graec، شمارہ ۸۸۶۴) کے عربی حملے کے بعد انھیں تعمیر کیا تھا؛ میخائیل (Michael) ثالث نے ۸۵۸ھ میں اور بعد میں Theodore Lascaris (Corp. Inscr. Graec.) شمارہ ۸۷۴۵-۸۷۴۷) نے ان کی تکمیل اور اصلاح کی۔ جن اداروں کی بنیاد سلطان اورخان نے رکھی تھی ان میں سے صرف ایک مدرسہ اب تک استعمال میں ہے؛ مسجد (جسے رنن نے سلیمان اول کے حکم سے دوبارہ تعمیر کیا) صدیوں سے اپنے لنگر خانے سمیت کھنڈر ہو چکی ہے؛ جندرلی خیرالدین پاشا کے خاندان کی عمارتوں میں سے پیشل جامع (جو ۷۸۰-۷۹۴ھ میں تعمیر ہوئی) اور مگرمرہ خاتون کی مسجد، جو [بانی سلسلہ اشرفیہ] اشرف زادہ [عبداللہ] رومی کے نام سے (جو محمد ثانی کے عہد میں گزرے ہیں ۷۵۴-۷۸۷ھ/۱۳۵۳-۱۳۶۹ء، قبّ اشرفیہ، در (آ، ترکی)؛ قبّ Mitt. d. Seminars f. Or. Sprachen zu Berlin، ۲: ۱۶۴) منتسب ہے، اچھی خاصی حالت میں محفوظ ہیں؛ مقبرہ اشرف زادہ کی زیارت کے لیے اب بھی لوگ بکثرت آتے ہیں۔ اُن تین گرجوں میں سے جو سولہویں صدی کے آخر تک یونانیوں کے پاس تھے (Crusius)؛

کامخز: (۱) ابن خردادبہ، ص ۱۷؛ (۲) ابن بطوطہ، مطبوعہ پیرس، ۲: ۳۲۳-۳۲۵؛ (۳) Epistolae: Busbecq، مطبوعہ Plantin، ۱۵۸۵ء ورق ۱۳۱ الف؛ (۴) Grelot: Relation nouvelle d'un Voyage à Constant-، inople، ص ۴۵-۴۷؛ (۵) اولیا چلبی: سیاحت نامہ، ۳: ۷-۱۰؛ (۶) کاتب چلبی: جہان نیا، ص ۶۶۲ بعد؛ (۷) Paul Lucas: Voyage dans la Grèce l'Asie Mineure، etc (Amsterdam، ۱۷۱۴ء)، ۱: ۶۵-۷۲؛ (۸) Description of the East: Poccocke، ۲: ۱۲۱-۱۲۳؛ (۹) Voyage dans la Grèce asiatique: Sestini (پیرس ۱۷۸۹ء)، ص ۲۱۳-۲۲۰؛ (۱۰) Hammer: v. Umblick auf einer Reise von Const-، antinopel nach Brussa، Osm. Reiches، ۱: ۱۰۱-۱۰۸؛ (۱۱) Kinneir: Journey through Asia Minor، ص ۲۳-۳۱؛ (۱۲) محمد ادیب: مناسک الحج (استانبول ۱۲۳۲ھ)، ص ۲۶-۲۷؛ (۱۳) Prokesch von Osten: Denkwürdigkeiten، v. Erinnerung aus dem Orient، ۳: ۱۰۵-۱۲۳؛ (۱۴) Leon: Voyage de l'Asie Mineure: de Laborde، ۱: ۳۰-۵۸؛ (۱۵) Texier: Descr. d. l'Asie Mineure، ۱۲: ۴۱۴-۴۱۶؛ (۱۶) Anatolische Ausflüge: d. Goltz، ص ۴۰۶-۴۲۵؛ تصاویر اور نقشے کے لیے دیکھیے؛ Oskar Wulff (۱۹): Die Koimesiskirche in Nicaea und ihre Mosaiken، Strassburg، ۱۹۰۳ء؛ نیز (۲۰) Ἀνὸ Κωνσταντινουπόλεως εἰς Νίχαταν ὑπό Θ. Καβλτέρου Μαρχουίτζου، قسطنطنیہ ۱۹۰۹ء؛ (۲۱) (آ، ترکی)؛

St. Theodori) اور سینٹ جارج (St. George) کے دو گرجے تو اب نیست و نابود ہو چکے ہیں؛ تیسرا گرجا، جو Κοίμησις τῆς Παναγίας کا گرجا ہے اور جسے ۱۸۰۷ء میں دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا، نویں صدی عیسوی کی ایک بوزنطی عمارت ہے، جس میں گیارھویں صدی میں کچھ اضافے کیے گئے ہیں۔ یہ عمارت اپنی قدیم رنگ برنگ کی چٹائی کاری کی وجہ سے دلچسپ ہے۔

بذیل ماڈہ، جہاں بعض جدید اور اہم ماخذ مذکور ہیں]۔

(J. H. MORDTMANN)

* اَلْاَزْہَر: (الجامع الازہر) یہ عظیم مسجد، جس کے نام الازہر کے معنی ”نہایت روشن“ ہیں، زمانہ حاضرہ کے قاہرہ کی سب سے بڑی مساجد میں شامل ہے (اس نام میں شاید [حضرت] فاطمہ [الزہراء] کی طرف تلمیح ہے، اگرچہ ایسی کوئی پرانی دستاویز موجود نہیں جس سے اس بات کی تصدیق ہو سکے)۔ یہ علمی مرکز، جس کی بنیاد چوتھی صدی ہجری رنویں صدی عیسوی میں فاطمی خلفا کے زمانے میں رکھی گئی، ظاہر ہے کہ ابتدا میں اسمعیلی [فقہ و دینیات کا مرکز] تھا۔ سنی اہل بیوں کے عہد میں اسمعیلیت کے خلاف جو رد عمل ہوا اس سے اس کی روشنی مدہم پڑ گئی تھی، لیکن سلطان بیہس کے عہد سے اس کی سرگرمیاں تازہ ہو گئیں۔ اس وقت سے یہ سنیوں کا علمی مرکز بن گیا۔ اس جامعہ کے عالم گیر اثر و رسوخ کی وجہ ایک طرف تو یہ ہے کہ قاہرہ کا شہر جغرافیائی اور سیاسی حیثیت سے (بالخصوص بغداد کی عباسی خلافت کے سقوط کے بعد سے) خاص اہمیت کا مالک ہے، جو علما اور طلبہ کو دور دور سے اپنی طرف کھینچتا ہے اور مغرب سے آنے والے عازمین حج و زیارت کی جاے قیام ہے، اور دوسری جانب اس کے مقبول ہونے کی وجہ خود اس مسجد کی وسعت اور شہر کے اس حصے میں واقع ہونا ہے جو انیسویں صدی تک شہر قاہرہ کا مرکز تھا۔ ملوکوں کے عہد میں یہ جامعہ بھی بہت سی اور درس گاہوں میں سے ایک تھی، لیکن عثمانی ترکوں کے دور اقتدار میں جب قاہرہ کی دوسری درس گاہیں قریب قریب سب ختم ہو گئیں تو اس جامعہ کو ترقی کا موقع مل گیا اور اس نے مصری دارالحکومت میں ایسی واحد درس گاہ کی حیثیت حاصل کر لی جہاں عربی زبان اور علوم دینیہ کی درس و تدریس قائم و جاری رہ سکتی تھی۔ اٹھارھویں صدی عیسوی سے اس درس گاہ میں اگرچہ تنویر ذہنی کے طریقے رُو بہ زوال ہو گئے، تاہم اس کی تنظیم میں وحدت و انضباط آجانے سے اس میں ایک ہم آہنگ کلیت کی شان پیدا ہو گئی، یعنی یہ بیک وقت ایک مدرسے اور ایک یونیورسٹی کا کام دینے لگی، لہذا اسی زمانے سے ہم اسے دنیا کے اسلام کی سب سے بڑی دینی جامعہ سمجھ سکتے ہیں۔ بیسویں صدی میں یہ جامعہ اتنی بڑھ گئی کہ اپنی مسجد کی حدود میں نہ سما سکتی تھی، لہذا اس نے اسلامی تعلیم کی متعدد درس گاہوں کو اپنے سے ملحق کر لیا۔ قاہرہ میں اس نے یونیورسٹی کے درجے کی کلیات (faculties) قائم کر لیں اور مصر میں جا بجا ابتدائی اور ثانوی درجوں کے مدارس کھل گئے، جو براہ راست اس سے متعلق ہیں؛ چنانچہ ۱۹۵۳ء میں ان سب میں ہزار طلب (طلبہ) زیر تعلیم تھے، جن میں ۴۵۰۰ غیر ملکی تھے۔ اس کے علاوہ مصر سے باہر کی بعض درس گاہیں بھی الازہر کے دائرہ اثر کے اندر کام کرتی ہیں۔ آج کل اس یونیورسٹی کے کام کو اس کے اساتذہ چلا رہے ہیں، جن میں سے بعض کو مختلف اسلامی ملکوں میں باہر بھیجا جاتا ہے۔ اس کے اثر و نفوذ کی اشاعت کا ذریعہ اس کا ماہانہ مجلہ اور بالخصوص وہ غیر ملکی شاگرد اور طلب ہیں جو اس

کے مختلف درسی نصابوں کی تکمیل کے لیے مصر آتے رہتے ہیں۔ ان طلب میں سے چند مصر ہی میں رہ جاتے ہیں، لیکن زیادہ تر اپنے اپنے ملکوں میں واپس چلے جاتے ہیں اور اس طرح عربی زبان کے علم اور سیاسی اور مذہبی اسلامی افکار کی اشاعت و اشاعت میں حصہ لیتے ہیں۔

عمارات اور سامان: جامع الازہر کی تعمیر کی اصل غایت مملکت کے صدر مقام قاہرہ کے لیے ایک عبادت گاہ مہیا کرنا تھا، جسے فتح مند فاطمی سپہ سالار جوہر الکاتب المصقلی ایک ایسا مستقل شہر بنانا چاہتا تھا جس میں اس کا آقا، یعنی فاطمی خلیفہ ابوتیمم معز المعز لدین اللہ، اپنے خدم و حشم اور عساکر کے ساتھ سکونت اختیار کر سکے۔ مسجد کی تعمیر جنوب کی طرف شاہی محل کے قریب ۲۴ جمادی الاولیٰ ۳۵۹ھ/۴ اپریل ۹۷۰ء کو شروع کی گئی اور دو سال تک جاری رہی۔ تکمیل کے فی الفور بعد ۷ رمضان ۳۶۱ھ/۲۲ جون ۹۷۲ء کو اس مسجد کی افتتاحی تقریب ادا کی گئی، قب اس کے کتبے کا متن، جو مسجد کے قیام پر کندہ تھا اور اب مٹ چکا ہے اور جس میں تاریخ بنا ۳۶۰ھ درج تھی (در المنقریزی: خطط، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ۴: ۲۹ بعد)۔ اس مسجد کو اکثر جامع القاہرہ بھی کہتے تھے اور فی الحقیقت فاطمی عہد کے قاہرہ میں یہ اسی حیثیت کی حامل تھی جو مصر۔ فسطاط میں عمرو بن العاصؓ کی مسجد اور القطارع میں ابن طولون کی مسجد کو حاصل تھی۔ یہ تینوں مساجد اپنے اپنے محلوں کا دینی مرکز تھیں، جو ان دنوں الگ الگ چھوٹے چھوٹے نواحی قصبے تھے۔ ان تینوں مسجدوں میں جمعے کی نماز ادا کی جاتی تھی اور وقتاً فوقتاً خلیفہ خطبہ پڑھواتا تھا۔ ۳۸۰ھ/۹۹۰ء کے بعد نئی مسجد الجامع الانور (الحاکمی) کو، جو فاطمی زمانے کے قاہرہ کے شمال میں تعمیر کرائی گئی تھی، وہی حقوق و مراعات حاصل تھے جو جامع الازہر کو۔ کئی فاطمی خلفا الازہر کی ترقی کے لیے کوشاں رہے اور انھوں نے اسے تحائف و اوقاف سے مالا مال کر دیا۔ اصلی چھت کو جو بہت نچی تھی، کسی نامعلوم وقت میں، مگر تاسیس کے تھوڑے ہی عرصے بعد، اونچا کر دیا گیا (خطط، ۴: ۵۳)۔ العزیز نزار (۳۶۵-۳۸۶ھ/۹۷۶-۹۹۶ء)، جس نے شاید تین تین دالانوں کے دو لیوانوں [ایوانوں] کا اضافہ کیا اور الحاکم بامر اللہ [۳۸۶-۳۸۱ھ/۹۹۶-۱۰۲۰ء] نے عمارات میں بعض اصلاحات کیں۔ ۴۰۰ھ/۱۰۰۹ء کے ایک وقف نامے میں اس مسجد کے عملے کی تنظیم اور اس میں عبادت کے ساز و سامان پر روشنی ڈالی گئی ہے (لیکن تعلیم کے بارے میں نہیں؛ متن در خطط، ۴: ۲۹ بعد)۔ اسی دور میں وہ وسیع مرکزی صحن تعمیر ہوا جس کے ارد گرد ایرانی وضع کی محرابوں کی ڈیوڑھیاں (porticos) ہیں اور اسی طرح پانچ متوازی دالانوں (bays) کا وہ ایوان عبادت، جو دیوار قبلہ کی جانب ہے۔ تعمیر خشتی ہے، جس کی اینٹوں پر سادہ یا منقش پلستر کیا گیا ہے۔ صحن، ایوان نماز اور لیوانوں کی محرابیں پتلے پتلے ستونوں پر قائم ہیں، جو دوبارہ استعمال کیے گئے ہیں [یعنی یہ پہلے کسی اور عمارت میں نصب تھے]۔ اس سلسلے میں خلیفہ المستنصر، خلیفہ الحافظ (اصلاحات اور مغربی دروازے کے قریب سے فاطمی مقصورے کی جگہ کی تبدیلی) اور خلیفہ

جھوٹا منار، جو خطرناک طور پر ایک طرف جھک گیا تھا، گرا دیا گیا اور اسی وجہ سے تین مرتبہ ازسرنو تعمیر کرایا گیا (۸۰۰ھ، ۸۱۷ھ، ۸۲۷ھ/ ۱۳۹۷-۱۳۹۸ء، ۱۴۱۴-۱۴۱۵ء، ۱۴۲۳-۱۴۲۴ء)۔ مؤخر الذکر سال میں ایک حوض (صہرتج) اور اس کے ساتھ ایک طشت وضو (مِیْضَة) مسجد کے وسط میں تعمیر کیا گیا اور صحن مسجد میں چار درخت لگانے کی ناکام کوشش کی گئی۔ سلطان قانت بائی نے بہت سے کام کرائے۔ اس نے مغربی دروازے کی جگہ ایک منار دائرہ نقیس مسقف دروازہ بنوایا (۸۷۳ھ/ ۱۴۶۹ء، Corp. Inscr. Arab، ج ۱، شمارہ ۲۱)، بہت سے چھوٹے چھوٹے حجر کو، جو چھتوں پر بن گئے تھے اور نہایت بد نما زوائد تھے، صاف کرایا (۸۸۱ھ/ ۱۴۷۶ء) اور عمارت کی سر تا پا تجدید کا حکم دیا (۹۰۱ھ/ ۱۴۹۶ء)۔ قاضی الغوری نے الازہر میں ایک اور منار کا اضافہ کیا، جس کی بدولت آج قاہرہ کے کثیر التعداد مناروں کے درمیان الازہر کو دور سے پہچانا جاسکتا ہے (۹۱۵ھ/ ۱۵۱۰ء)۔ اس دور میں تعلیم و تدریس کے لیے سرمایہ برابر مہیا ہوتا رہا۔ جب عثمانی ترکوں نے مصر کو سر کیا تو الازہر پر سلطان سلیم کی بھی نظر عنایت رہی۔ الازہر کی تاریخ میں اٹھارہویں صدی ویسی ہی اہمیت کی حامل تھی جیسا کہ فاطمی دور؛ چونکہ اب الازہر کو مصر میں دینی تعلیم و تدریس کی اجارہ داری حاصل ہو گئی، لہذا مسجد خاصی وسیع کر دی گئی۔ عثمان کثیراً لکڑ دہلی (قاصدا و غلو) نے، جو ۱۱۴۹ھ/ ۱۷۳۶ء میں فوت ہوا، اندھوں کے لیے ایک قیام گاہ (زویۃ العیّان) تعمیر کرائی، لیکن الازہر کا عظیم ترین مرتبہ عبدالرحمن کثیراً (یا کثیراً) (م ۱۱۹۰ھ/ ۱۷۷۶ء) تھا، جو اسی مسجد میں مدفون ہے، جس نے حسب ذیل عمارتیں بنوائیں، اگرچہ وہ قدیم تعمیرات کے حسن کو نہیں پہنچتیں؛ ایوان نماز کی سمت قبلہ کی دیوار وسطیٰ محراب کو چھوڑ کر، جو اب تک قائم ہے، گرا کر اس کے پیچھے ذرا اونچی کرسی دے کر سنگی محرابوں کے چار دالان در دالان (bays) اور بڑھا دیے۔ اس کے علاوہ ایک نئی محراب، ایک منبر، ایک حوض، بچوں کے لیے قرآن خوانی کا مدرسہ اور اپنا مقبرہ تعمیر کرایا۔ غریب طلب کے لیے خورد و نوش اور اجناس کے عطیات کا انتظام کیا۔ ایک نئے احاطے کے اضافے سے، جس میں ایک مسقف پھانک تھا، مغرب کی طرف طیسر اور آق بغا کے مدرسوں کو بھی اندر لے لیا گیا اور ان کی رُوکاریں ازسرنو تعمیر کی گئیں (۱۱۶۷ھ/ ۱۷۵۳ء)۔

الازہر کے طلب دوسرے ملکوں کے طلب کی طرح وقتاً فوقتاً بازاروں اور گلی کوچوں میں مظاہرے کیا کرتے تھے؛ چنانچہ الجبّرتی نے بیان کیا ہے کہ اس علاقے میں کوئی فساد ہوا تھا، جس میں انھوں نے بھی حصّہ لیا تھا۔ یہ بغاوت فرانسیزیوں کے خلاف اس وقت برپا ہوئی تھی جب وہ بونا پارٹ کی قیادت میں قاہرہ پر قابض تھے (۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۱۳ھ/ ۲۰ اکتوبر ۱۷۹۸ء)۔ جب اس بغاوت کو فرانسیزیوں نے فوراً بزدور فر دیا تو الازہر اور اس کا نواحی علاقہ ہی مزاحمت کرنے والوں کا آخری مورچہ تھا۔ فرانسیزیوں کی آخری گولہ باری سے مسجد کو نقصان پہنچا اور فوج نے مسجد کی بے حرمتی بھی کی۔ محمد علی کے عہد میں مصر کو دوبارہ اندرونی خود مختاری

العالم (چوٹی محراب، جو اب قاہرہ کے عجائب گھر میں ہے) کی کارگزاریوں کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ اس تمام فاطمی عہد میں جامع الازہر اپنی تعلیمات کے ذریعے فاطمیوں کی اسماعیلی دعوت کے سلسلے میں بہت اہم کردار ادا کرتی رہی اور اسی لیے ایویوں کے عہد میں اہل سنت والجماعت کے رد عمل سے اسے نقصان پہنچا (جو ۵۶۷ھ/ ۱۱۷۱-۱۱۷۲ء سے مصر کے حکمران رہے)۔ سلطان صلاح الدین نے اس مسجد کی بعض آرائشی چیزیں (جیسے محراب کی نقری پٹی) اتروادیں اور یہاں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ قاہرہ میں جمعے کی نماز صرف جامع الحاکمی میں پڑھی جاتی تھی۔ اس مسجد کو کچھ عرصے کے لیے فرنگیوں (Franks) نے گرجا بنا لیا تھا، سلطان صلاح الدین نے اس میں ازسرنو اسلامی عبادت جاری کی۔ الازہر کا وجود زوال پذیر ہونے کے باوجود قائم رہا (چھٹی صدی ہجری / بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں عبداللطیف بغدادی یہاں طب پڑھاتا تھا؛ دیکھیے ابن ابی اصیْبَہ، ۲: ۲۰۷)۔ لیکن اس کی عمارتیں بے توجہی کی حالت میں پڑی ہوئی تھیں۔ ملوک سلاطین کے برسر اقتدار آنے سے صورت حال تبدیل ہو گئی؛ چنانچہ امیر عز الدین آیدمر الحلی، جو اس کے نواح میں رہتا تھا، الازہر کی تباہ حالی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے سلطان الظاہر بیبرس کی مدد سے اس کی مرمت کے بعض کاموں پر اپنے پاس سے روپیہ صرف کیا اور سلطان مذکور نے ۶۶۵ھ/ ۱۲۶۶ء میں بعض اور باتوں کے علاوہ اس میں خطبہ پڑھنے کی دوبارہ اجازت بھی دے دی (Corp. Inscr. Arab. Egypt، ج ۱، شمارہ ۱۲۸)۔ سنی معلم رکھنے کے لیے کچھ اوقاف مخصوص کر دیے گئے اور اس طرح پھر الازہر میں جان پڑ گئی اور وہ توانائی آگئی جس میں آج تک کوئی کمی نہیں ہوئی۔ ۷۰۲ھ/ ۱۳۰۲-۱۳۰۳ء کے مشہور اور تباہی خیز زلزلے میں اسے سخت نقصان پہنچا ("سَقَط")، جس کے بعد امیر ستار [اور بعد ازاں سلطان ناصر بن قلاوون] نے اس کی مرمت کرائی۔ سنگ مرمر کا استعمال پہلی دفعہ الحراب کی مرمت (اوائل چودھویں صدی عیسوی، صحیح تاریخ غیر معلوم) میں محتاط طریق پر کیا گیا، اگرچہ نقیس پتھر کی تین دوسری عمارتوں کی محرابوں میں، جو مسجد کے بیرونی رخ کے مقابل بنائی گئیں اور بعد میں اس میں شامل کر لی گئیں، سنگ مرمر کو اس طریق سے استعمال کیا گیا کہ جب شان پیدا ہو گئی ہے۔ یہ تین عمارتیں حسب ذیل ہیں: (۱) امیر طیسر کا مدرسہ، جس کی بنیاد ۷۰۹ھ/ ۱۳۰۹ء میں مغربی دروازے کے دائیں جانب رکھی گئی: (۲) امیر آق بغا عبدالواحد کا مدرسہ، جو ۷۴۰ھ/ ۱۳۳۹-۱۳۴۰ء میں اسی دروازے کے بائیں جانب تعمیر ہوا اور (۳) خواجہ سرا جوہر القنقبائی کا دلکش مدرسہ، جو مسجد کے مشرقی گوشے میں تعمیر ہوا اور جس میں خواجہ سرا مذکور کو ۸۴۴ھ/ ۱۴۴۰-۱۴۴۱ء میں دفن کیا گیا۔ ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء میں بھی بعض تعمیرات کا ذکر ملتا ہے اور ۷۶۱ھ/ ۱۳۶۰ء کے قریب مقصورے ازسرنو تعمیر کیے گئے، عمارت میں کچھ اصلاحیں کی گئیں، غریبوں کو کھانا کھلانے کے لیے اور درس و تدریس کے لیے مستقل سرمائے کا بندوبست کیا گیا، مغل پانی کی ایک سبیل اور تیسویں کو قرآن پڑھانے کا انتظام۔ ایک

خدیو تو فینٹ نے ازسر نو تعمیر کرایا تھا۔ نئی جمہوریہ مصریہ کی معاشرتی حکمت عملی کو مد نظر رکھتے ہوئے عباسیہ کے قدیم میدان الغنفر میں غیر ملکی طلباء کے لیے ایک ”شہر جامعہ“ (University City) زیر تعمیر ہے (۱۹۵۶-۱۹۵۷ء)۔ یہ شہر ان طلباء کی مناسب سکونت کی سہیل پیدا کر دے گا جنہیں خود مسجد کے احاطے کے اندر جگہ نہ مل سکتی تھی یا جو شہر میں جا کر اوقاف کے متولیوں کی ذاتی جائیدادوں یا اور لوگوں کے گھروں میں رات بسر کرتے تھے۔ نماز کا دالان اور صحن اب بھی غیر ملکی طلباء کے بعض دروس یا مخصوص اسباق کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ بعض نوعمر ازہری طلباء اپنا آموختہ دہرانے کے لیے یہاں آجاتے ہیں۔ وہ ادھر ادھر چلتے پھرتے یا فرش پر بیٹھ کر سبق یاد کرتے ہیں اور اس طرح جامع الازہر کی پرانی روایات کو قائم رکھتے ہیں۔ ان کی وجہ سے مسجد میں ہمیشہ بڑی چہل پہل نظر آتی ہے۔ علاوہ ازیں الازہری طلباء کے لیے ہر جگہ عصر حاضر کے مطابق ساز و سامان موجود ہے۔ اسی طرح صوبوں میں بھی مقامی درسگاہوں کے لیے مساجد کے باہر اپنی علیحدہ عمارتیں ہیں۔

مآخذ: [عربی] متون، جن میں اہم ترین حسب ذیل ہیں: (۱) المقریزی: الحِطَط، ۴: ۳۹-۶۰، ۶۲-۲۲۳-۲۲۴؛ (۲) الجبزی: (۳) علی پاشا مبارک اور دور حاضر کے لیے (۴) Van Berchem (۵) Flury، جن کے حوالہ جات (۶) Creswell: *The Muslim Architecture of Egypt*، (۱) (اوسفر ڈ ۱۹۵۲ء)؛ ۳۶-۶۳، میں نقشوں اور خاکوں کے ساتھ جمع کر دیے گئے ہیں؛ نیز دیکھیے (۷) *Les mosqu'ees du caire*: Wiet و Hautecoeur، پیرس ۱۹۳۲ء، دو جلدیں؛ (۹) حسن عبدالوہاب: تاریخ المساجد الاثریة، قاہرہ ۱۹۳۶ء؛ نیز دیکھیے (۱۰) (طبع اول، مقالہ ”ازہر“، فصل I۔

(۲) الازہر بطور عبادت گاہ و طلباء عوام: سب مساجد کی طرح الازہر کو بھی یہ دو گانہ حیثیتیں حاصل رہی ہیں۔ اس میں دن کی بیچ وقتہ فرض نماز اور غیر معمولی مواقع کی نمازیں بھی پڑھی جاتی تھیں۔ اس نقطہ نگاہ سے اس کی تاریخ ملک کی تاریخ کے ساتھ وابستہ رہی ہے، یعنی مصیبت (مثلاً وبا، قحط یا جنگ) کے اوقات میں لوگ اللہ [تعالیٰ] سے دعا کرنے اور قرآن [پاک] یا البخاری کی مخصوص قراءت کو سننے کے لیے یہاں جمع ہو جاتے تھے۔ یہ مسجد مہاجرین کے لیے بھی جائے پناہ کا کام دیتی رہی ہے (دیکھیے ابن ایاس، ۲: ۱۷۷، ۲۶۴، ۳۰۶، ۱۰۶، ۱۳۲، ۱۶۷)۔ عصر حاضر میں بھی قومی اہمیت کے بعض واقعات کی تنظیم یہیں ہوئی۔ اس کی عمارتوں کی وسعت و گنجائش اور طلباء کی ہر وقت موجودگی بڑے بڑے اجتماعات کے لیے بہت مناسب تھی، مثلاً ۱۹۱۹ء کا اجتماع (دیکھیے مجلات الازہر، ۲: ۳۹۶-۴۰۰)۔ یہیں لوگوں نے جنگِ فلسطین (۱۹۴۸ء) نیز ۱۹۵۲-۱۹۵۳ء میں نہر سویز پر انگریزوں کے خلاف بے قاعدہ (guerilla) جنگ میں جانے والے مجاہدین کا اعزاز و اکرام کیا۔ اس کے علاوہ الازہریوں کے لیے گھر کا کام بھی دیتی ہے، جنہیں اس کی تعمیر کے بعد سے یہاں عارضی یا مستقل طور پر سر چھپانے کی جگہ ملتی رہی ہے۔ بہت سے لوگ رات کو یہاں قیام کیا کرتے تھے، چنانچہ المقریزی

حاصل ہو گئی، مگر یہ الازہر کے لیے چنداں سود مند ثابت نہ ہوئی، کیونکہ اس کے اوقاف بیجا صرف کیے جانے لگے۔ بعد میں مصر کے خدیو اور پھر بادشاہ الازہر کے مرئی بن گئے اور انھوں نے اس کے معاملات کا اعلیٰ اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے بدلے میں وہ یہ امید رکھتے تھے کہ الازہر کے شیوخ ان کے قابو میں رہیں گے اور ان کی یہ امید عام طور پر پوری بھی ہوئی، چند موقعوں کے سوا، جب انھیں اچانک متکبرانہ جسارت کا سامنا کرنا پڑا اور یہ واقعات آج تک موضوع بحث رہے ہیں، علی پاشا مبارک (الحِطَط الجدیدة، ۴: ۱۳-۲۶) نے ۱۸۷۵ء کے قریب الازہر کی عمارت اور وہاں کی زندگی کا تفصیلی نقشہ کھینچا ہے۔ اس دور میں قاہرہ کی بہت سی مسجدیں جس انحطاط اور بد حالی کا شکار تھیں اس سے مسجد الازہر بھی محفوظ نہ رہی۔ خدیو تو فینٹ پاشا اور عباسی حلی پاشا نے مرمت کے اہم کام کرائے۔ صحن اور اس کے ارد گرد کی ڈیوڑھیوں کی مرمت کی تاریخ ۱۸۹۰-۱۸۹۲ء ہے۔ مسجد کے مغربی کونے پر عباسی حلی پاشا نے عبدالرحمن کتخدا کے منار کو گرا کر اس کی جگہ ایک رواق تعمیر کرایا، جس پر اس کا نام کندہ ہے۔ یہ رواق ایک نہایت وسیع عمارت ہے، جس میں طلباء کے اقامت خانے اور ایک مصلیٰ (oratory) بنا ہوا ہے (افتتاح ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء)۔ ۱۸۸۲ء میں عُربی پاشا کی شورش اور ۱۹۱۹ء میں برطانیہ کے خلاف معرکہ آرائی میں ازہریوں نے حصہ لیا، تاہم ان ہنگاموں میں الازہر کی عمارت کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا، البتہ مؤخر الذکر واقعے کے دوران میں درس و تدریس کا سلسلہ عارضی طور پر بند کر دیا گیا۔ ۱۹۳۵ء تک اس جامعہ میں طلباء کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ درس کے بعض حصوں کے لیے الازہر کو گروڈو نواح کی مسجدوں سے کام لینا پڑا، جنہیں منسلک عمارت کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ ۱۹۳۰ء میں جب اعلیٰ تعلیم کے تین کئیے (faculties) الگ کیے گئے تو ان کٹیوں کو مسجد کے باہر قائم کرنے کے لیے مجبوراً قاہرہ میں مساجد کے علاوہ اور عمارتیں بھی لے لی گئیں، لیکن جب مسجد کی پشت پر نئی عمارتیں (مع جدید لوازمات، یعنی درس کے کمرے، جن میں ڈسک اور نپچیں، کیمیاوی معمل (laboratory) وغیرہ موجود ہیں) تیار ہو گئیں تو ان عمارتوں کو خالی کر دیا گیا۔ ۱۹۳۵-۱۹۳۶ء میں الازہر کے شمال کی جانب عام انتظامی اغراض کے لیے ایک عمارت، نیز تین چار منزلہ عمارتیں تعمیر ہوئیں، جن کا مقصد یہ تھا کہ ابتدائی اور ثانوی مدارج کی درس گاہیں اور ایک طبی درس گاہ مع ایک ایسے شفا خانے کے مہینا کی جائے جس میں بیماروں کے رہنے کا بھی انتظام ہو۔ ۱۹۵۰ء میں پھر مشرق ہی کی طرف مجلسِ عظمیٰ (Aula Magna) کے لیے اونچے منار کی ایک نئی عمارت تعمیر ہوئی، جس میں چار ہزار طلباء کے لیے گنجائش رکھی گئی تھی۔ اس کے علاوہ کئی قانون شریعت کے لیے ایک عمارت بنائی گئی اور ۱۹۵۱ء میں عربی زبان کے کئیے کے لیے عمارت تعمیر ہوئی۔ ۱۹۵۵ء میں، پھر مشرق ہی میں، کچھ پرانے مکان گرا دیے گئے، تاکہ آئندہ چل کر کئیے دینیات کے لیے (جو اس وقت تک محلہ شہری میں ہے) جگہ نکالی جائے۔ آج کل بڑا کتب خانہ (مشمتمل برخطوطات وغیرہ) آق بعا کے مدرسے میں ہے (جسے

سب کو وظائف دیتا تھا اور پھر یہ لوگ مسجد عمرو [بن العاص] میں اسماعیلی عقائد کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس طرز عمل سے الازہر کو فائدہ پہنچا۔ ۷۸۸ھ/۸۸۸-۹۸۹ء میں العزیز نے پینتیس فقہاء کو الازہر کے قریب رہنے کے لیے ایک مکان دیا اور ان کے گزارے مقرر کر دیے۔ ہر جمعے کے روز ظہر اور عصر کے درمیان ان کا جلسہ منعقد ہوتا تھا اور ان کا صدر ابو یعقوب قاضی الحنفی قاسم بن علی تدریس کا نگران تھا (الخطط، ۴: ۴۹۹؛ القلتی، ۳: ۳۶۷)۔ المفسر یزید نے جامع الانوار (الجامعی) کا تذکرہ کرتے ہوئے، جس کا انھی دنوں افتتاح ہوا تھا، لکھا ہے کہ ماہ رمضان [المبارک] ۳۸۰ھ/۹۹۱ء میں اس مسجد میں سامعین کے گروہ اُن اساتذہ سے جو قاہرہ کی مسجد، یعنی جامع الازہر، میں پڑھاتے تھے درس لیا کرتے تھے (الخطط، ۴: ۵۵)۔ اس سے ضمناً یہ معلوم ہوتا ہے کہ جامع الازہر کا ادارہ ہمیشہ ہی سے مستقل طور پر منظم رہا تھا۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ابن ایشیم نے اپنے قیام کے لیے الازہر ہی کو انتخاب کیا تھا (ابن ابی اصنیحہ، ۲: ۹۰-۹۱)۔ تاہم دینی اور دنیوی ثقافت کے سلسلے میں فاطمیوں کی قابل ذکر مساعی کا اظہار خاص طور پر دار الحکمتہ کی شکل میں ہوا، جس کی بنیاد الحاکم نے ۳۹۵ھ/۱۰۰۵ء میں رکھی تھی اور جو اس دور میں قاہرہ کا حقیقی ثقافتی مرکز بن گیا (الخطط، ۴: ۱۵۸)۔ ایویہوں کے عہد میں شیعہ تعلیمات ایک قلم بھادی گئیں۔ الازہر کے دروازے اہل علم و فضل کے لیے ہمیشہ کھلے رہے (مثلاً عبداللطیف البغدادی کے لیے)، لیکن اب اس کی جگہ اُن سنی مدارس نے لے لی جو اسی زمانے میں سرکاری طور پر قائم کیے گئے تھے، یہاں تک کہ مملوکوں کے عہد حکومت میں جا کر الازہر کو دوبارہ اپنا [قدیم] مقام حاصل ہو گیا۔

۶۶۵ھ/۱۲۶۶ء میں امیر بلبک الخازن دار نے ایک وسیع مقصورہ تعمیر کرایا اور اس کے لیے سرمائے کا انتظام کر دیا تاکہ ایک جماعت فقہاء اس میں شافعی فقہ کا درس دیا کرے۔ اس نے حدیث اور علم الحقائق (یعنی معارف روحانی) کی تعلیم کے لیے ایک استاد، قرآن خوانی کے لیے سات قاری اور ایک مدرس بھی وہاں مقرر کر دیا (الخطط، ۴: ۵۲)۔ ۶۱۰ھ/۱۳۵۹-۱۳۶۰ء میں فقہ حنفی کا نصاب تعلیم بھی جاری کر دیا گیا اور انھی دنوں بیتاوی کے لیے ایک مدرسہ قرآن خوانی قائم ہوا۔ ۸۴ھ/۱۳۸۲-۱۳۸۳ء میں سلطان برقوق کے ایک فرمان کی رو سے یہ قاعدہ مقرر ہو گیا کہ الازہر کے طلاب اپنے ایسے دوستوں کا جو لاوارث فوت ہو جائیں ورثہ پاسکیں گے (اس قسم کے انتظامات پر بحث کے لیے دیکھیے Tritton: Education، ص ۱۲۳)۔ المفسر یزید ۸۱۸ھ/۱۴۱۵-۱۴۱۶ء کے واقعات قلم بند کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ الجامع الازہر میں ۵۰ صوبائی یا پردیسی اشخاص قیام پذیر تھے، جن میں المغرب سے لے کر ایران تک کے باشندے موجود تھے، جو اپنے اپنے مخصوص رواتوں میں رہتے تھے۔ یہ قرآن پڑھتے اور اس کا مطالعہ کرتے، فقہ، حدیث، تفسیر اور نحو کی تعلیم حاصل کرتے اور وعظ و ذکر کی مجالس منعقد کرتے تھے (الخطط، ۴: ۵۳-۵۴)۔ آج کل بسا اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ الازہر

نے امیر سُدُوب ناظر الازہر کی مداخلت کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس نے ۸۱۸ھ/۱۴۱۵-۱۴۱۶ء میں چاہا تھا کہ مسجد کو ان تمام طلاب یا غیر طلاب سے جو اس میں بود و باش رکھتے ہیں خالی کر لیا جائے۔ اس کی اس مداخلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوٹ مار مچ گئی اور رائے عامہ اس کے مخالف ہو گئی۔ پندرہویں صدی کے آغاز میں شہر قاہرہ کے بعض باشندے، جن میں خوش حال لوگ بھی شامل تھے، رات بسر کرنے کے لیے، بالخصوص ماہ رمضان میں، یہاں آ جاتے تھے (الخطط، ۴: ۵۴-۵۵)۔ عصر حاضر میں شمالی افریقہ اور کوہستان طلس تک کے دور دراز علاقوں سے پایادہ چل کر آنے والے غریب عازمین حج (۱۹۵۴ء میں ان کی تعداد ۱۴۰۰ تھی) میں سے بہت لوگ حجاز کی طرف روانہ ہونے سے پہلے رمضان کے مہینے میں الازہر ہی میں ٹھہرتے ہیں۔ الازہر کے متعدد طلاب انھیں اخلاقی اور ماڈی امداد بھی دیتے ہیں (ازمنہ وسطیٰ میں مغرب کے حجاج ابن طولون [کی مسجد] میں ڈیرا لگاتے تھے؛ (الخطط، ۴: ۴۰)۔ باثروت مسلمان ہر زمانے میں الازہر کے غریبوں کو لاتعداد عطیات دیتے رہے ہیں۔ ازمنہ وسطیٰ میں الازہر کے دروازے صوفیہ کے لیے بھی کھلے تھے، اگرچہ اس کا اپنا رجحان زیادہ ترقی کی طرف تھا۔ [ابو حفص] عمر [بن علی] بن الفارض [مشہور صوفی شاعر، م ۶۳۲ھ] نے اپنی زندگی کے آخری ایام الازہر میں بسر کرنے کو ترجیح دی (ابن ایاس، ۱: ۸۲-۸۳)۔ ایک عبارت میں ان حلقہ ہائے ذکر کا حال ملتا ہے جو یہاں منعقد ہوا کرتے تھے (الخطط، ۴: ۵۴)۔ کہا جاتا ہے کہ آق بغا کے مدرسے میں بھی صوفیوں کا ایک گروہ مستقل طور پر رہتا تھا (وہی کتاب، ۴: ۲۲۵)۔ جامع الازہر سب سے بڑھ کر ان اساتذہ و طلبہ کے لیے ”گھر“ کا کام دیتی تھی جو اس کے محرابی دالانوں والی چھت کے نیچے بود و باش رکھتے تھے۔ اس اعتبار سے بھی اس کی تاریخ مصر میں اسلامیات کے درس کی تاریخ سے علیحدہ نہیں کی جاسکتی (دیکھیے ابراہیم سلامہ: *L'enseignement islamique en Égypte*، قاہرہ ۱۹۳۹ء)۔ اساتذہ کو اس میں امن و سکون اور رہنے کے لیے مناسب جگہ مل جاتی تھی، تاہم بعض صورتوں میں ان کی حیثیت باقاعدہ مقرر کیے ہوئے استادوں کی سی نہ ہوتی تھی؛ چنانچہ بعض اوقات ہمیں کئی ایسے علما کا ذکر ملتا ہے جو الازہر میں عارضی طور پر مسافرانہ مقیم ہوئے اور کسی حکمران کی طرف سے ان کی وجہ معاش مقرر کر دی گئی۔ مزید براں ایسے اوقاف موجود تھے جن کی آمدنی کہا جاسکتا ہے کہ علوم کا درس دینے والوں کے لیے یا خاص خاص قسم کے طلبہ پر صرف کی جاتی تھی۔

(۳) ازمنہ وسطیٰ اور ادوار مابعد کی تعلیم و تدریس: ابتدائی دور کے بارے میں اطلاعات ناقص اور غیر مکمل ہیں۔ فاطمی عہد حکومت (۳۶۵ھ/۹۷۵ء) میں سرکاری داعی الدعا علی ابن القاضی التعمان الازہر میں اسماعیلی فقہ کا درس دیتا تھا اور یہیں اس نے اپنے والد کی تصنیف المختصر لکھوائی (الخطط، ۶: ۱۵۶)؛ براکلمان: تکملہ، ۱: ۳۲۵)۔ وزیر نامزد ہونے کے بعد یعقوب بن کلس اپنے گھر میں ادب، شعر، فقہ اور متکلمین (علمائے دینیات) کی مجالس منعقد کیا کرتا تھا، ان

ہیں اور ہیئت کی تعلیم صرف نماز کے اوقات اور قمری مہینوں کی پہلی تاریخ معین کرنے (المیقات) تک رہ گئی تھی، لیکن ازمنہ وسطیٰ میں قاہرہ کی ذہنی اور علمی سرگرمیوں کا اندازہ اس بعد کے دورِ انحطاط سے نہ کرنا چاہیے۔

ازمنہ وسطیٰ میں الازہر کے ناظر (یعنی مہتمم) کا منصب کسی اونچے درجے کے سرکاری عہدے دار کو ملتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر رواق کا، جسے ازمنہ وسطیٰ کی یورپی یونیورسٹیوں کے طبقات یا درجات ('nations') کے مماثل سمجھنا چاہیے اور ہر تعلیمی شعبے کا رئیس (شیخ، نقیب) الگ الگ ہوا کرتا تھا۔ عثمانی عہد کے وقت سے الازہر میں ایک شیخ الازہر، یعنی امیر جامعہ، مقرر رہنے لگا، جو استعفا، برطرفی یا اپنی وفات تک اس عہدے پر فائز رہتا تھا۔ مختلف شعبوں کے شیوخ اس کے ماتحت ہوتے تھے اور وہ خود حکومت کے سامنے براہ راست جواب دہ ہوتا تھا۔ الجبریتی نے ان شیوخ کے ناموں کی ایک ناکمل فہرست اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز سے دی ہے (دیکھیے نیچے ۵)۔ علی پاشا مبارک (الخطاط الجدیدہ، ۲۶:۴-۳۰) نے ۱۸۷۵ء میں، یعنی اصلاحات جدیدہ کے آغاز کے وقت، الازہر کی زندگی کی کیفیت تحریر کی ہے۔ اس بیان سے ہم پرانے رسم و رواج کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں، یعنی یہ کہ طلاب حلقوں میں منقسم ہوتے تھے (حلقہ کے لغوی معنی دائرہ ہیں، لیکن یہاں مراد نصابِ تعلیم ہے)۔ طلاب اپنے معلم کے گرد مسجد کی چٹائی (حصیرہ) پر بیٹھتے تھے اور معلم خود ایک ذرا اونچی اور چوڑی آرام کرسی پر تزکوں کی طرح [یعنی مرتب یا آلتی پالٹی مارکر] بیٹھتا تھا۔ یہ آرام کرسی کسی نہ کسی ستون کے نیچے رکھی رہتی تھی۔ ہر ستون کسی مقررہ معلم کے لیے مخصوص ہوتا تھا اور ۱۸۷۲ء تک کسی ایک فقہی مذہب کی بلا حجت ملکیت متصور ہوتا تھا۔ صبح کے درس سب سے ضروری مضامین، یعنی تفسیر، حدیث اور فقہ کے لیے مخصوص تھے۔ دوپہر کے وقت عربی زبان پڑھائی جاتی تھی۔ دیگر مضامین کی تعلیم ظہر کے بعد دی جاتی تھی۔ ہر درس کے خاتمے پر طالب اپنے معلم کا ہاتھ چومتے تھے۔ ازہری طالب علم کی گزران اس قلیل خوراک پر ہوتی تھی جو باقاعدہ تقسیم کی جاتی (جریات)۔ کچھ مدد سے اپنے گھر سے ملتی اور اکثر مزید روزی حاصل کرنے کے لیے وہ کوئی نہ کوئی کام اختیار کر لیتا تھا؛ مثلاً قرآن خوانی، کتابت وغیرہ۔ وہ مسجد میں یا شہر میں رہتا تھا۔ نصاب ختم کرنے پر کوئی امتحان نہیں لیا جاتا تھا۔ بہت سے طلبہ الازہر میں خاصی بڑی عمر کے ہوتے تھے۔ جامعہ سے رخصت ہونے والوں کو 'اجازہ' یا پڑھانے کا لائسنس مل جاتا تھا۔ یہ ایک سند ہوتی تھی جو اس معلم کی طرف سے دی جاتی تھی جس سے طالب علم تحصیل علم کرتا رہا ہو اور اس میں طالب علم کی محنت و استعداد کی تصدیق کی جاتی تھی۔ استاد و شاگرد کے تعلقات بالعموم ماپ بیٹوں کے سے ہوتے تھے، جن میں شاذ و نادر ہی کسی سرکشی سے خلل واقع ہوتا تھا؛ مگر طالب کی حریف جماعتوں کے مابین اکثر مناقشات رہتے تھے۔ دارالعلوم کا ایک منظم (جنری، proctor) قواعد و ضوابط کی پابندی کرانے، کتابوں کی حفاظت کرنے اور سامان خوراک کی اجناس تقسیم کرنے پر مامور تھا۔ اس کے ماتحت چند افراد کا ایک عملہ ہوتا تھا۔ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء

ہمیشہ سے مصر کا مخصوص ویگانہ دارالعلوم رہا ہے، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ مملوکوں کے عہد کے قاہرہ میں، جہاں زندگی موجزن تھی، یہ جامع ایک اہم علمی مرکز ضرور تھی، لیکن اس قسم کے متعدد مراکز میں سے ایک (دیکھیے مادہ مسجد)؛ چنانچہ المنقریزی پندرہویں صدی عیسوی میں اپنی کتاب لکھتے ہوئے قاہرہ کے ستر سے زیادہ مدرسوں کا ذکر کرتا ہے (الخطاط، ۴: ۱۹۱-۲۵۸)۔ وہ مساجد کے اندر علمی سرگرمیوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ۴۹ھ/۱۳۲۸ء کی وباے طاعون سے پہلے مسجد عمرو [العاص] ہی میں چالیس مختلف نصاب یا حلقے تھے (وہی کتاب، ۴: ۲۱)؛ ابن طولون کی مسجد میں چودھویں صدی کے آغاز میں چاروں مذاہب کی فقہ اور نصابِ طب کی تعلیم دی جاتی تھی (وہی کتاب، ۴: ۴۰-۴۱)؛ الحاکم کی مسجد میں اسی دور میں چاروں مذاہب کی فقہ پڑھائی جاتی تھی (وہی کتاب، ۴: ۵۷)۔ اس کے علاوہ اس وقت تک خانقاہوں میں تصوف کی تعلیم بھی رائج تھی، مثلاً ابن خلدون ۸۴ھ/۱۳۸۳ء سے، جب کہ وہ قاہرہ آیا، پہلے الازہر میں درس دیتا رہا اور پھر اسے چھوڑ کر کسی دوسری جگہ درس دینے لگا (ابن خلدون، تعریف، ص ۲۳۸)۔ عثمانی تزکوں کا عہد قاہرہ میں علوم کے زوال کا زمانہ تھا۔ ابراہیم سلامہ: (L'enseignement، ص ۱۱۱-۱۲۱)، نے اس کے یہ اسباب بتائے ہیں: اقتصادی اضطراب، مصر کا مفلس کر دیا جانا، اوقات کے مداخل میں کمی یا بعض اور مقاصد کے لیے ان کا بیخارج (عثمانی ترک فقہ حنفی پر عامل تھے، جس میں قاضی کو اس امر کی اجازت ہے کہ وہ کسی وقف کی شرائط میں ترمیم کر دے)، اور آخر میں صوفی خانقاہوں کا غلبہ، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ انھوں نے مدرسوں کی جگہ لے لی۔ تصوف کے علاوہ دوسرے علوم کی جو کچھ تعلیم باقی رہی وہ سب الازہر میں مرکوز تھی۔ اس دور کی زیادہ نہیں تو ایک ہزار ایسی تصنیفات کے نام جو الازہر کے کتب خانے اور اس کے جوار کی مساجد میں محفوظ تھیں حاجی خلیفہ، طبع فلوجل، ۷: ۳-۲۲، کے حوالے سے بتائے جاسکتے ہیں۔ دو ہزار سے زیادہ کتابوں کی، جو غالباً الازہر میں شامیوں کے رواق کی ملکیت تھیں، فہرست اٹھارہویں صدی کے ایک مخطوطے میں موجود ہے (شمارہ ۶۷، ۴، Slane)؛ کتب خانہ ملیہ پیرس (عثمانی عہد کے لیے مزید دیکھیے گب H. A. R. Gibb اور Islamic Soc- iety: Harold Bowen and the West، ج ۱، حصہ ۲، ۱۹۵۷ء، بہ امداد اشاریہ)۔

لیکن اس کے بعد اور انیسویں صدی عیسوی کے خاتمے تک علم و فضل کا دار و مدار محض کتب متداولہ کے مجموعی مواد کو ازبر کر لینے پر منحصر ہو گیا، جو پشتہا پشتہ کے اضافوں سے گراں بار تھا۔ اُن بڑی تصانیف کے براہ راست مطالعے کی جگہ جن سے افکار میں بلندی پیدا ہو سکتی تھی درسی رسالوں، شروح، حواشی اور ان حواشی کی ذیلی شرحوں (تقاریر) کا مطالعہ شروع ہو گیا۔ طالب کی ساری قوت حافظہ اس سعی پر صرف ہو جاتی تھی جو اس پیچ در پیچ علمی مواد کو ازبر کرنے کے لیے درکار تھی، جسے کسی معلم نامہ طریقے سے ہرگز پیش نہیں کیا جاتا تھا۔ ثقافت عمومی معدوم تھی۔ حساب کی تعلیم اُن ابتدائی قاعدوں تک محدود تھی جو میراث کی تقسیم میں کام آتے

نہ تھی، ہر چیز کو مفلوج کر رکھا تھا۔ اصلاحات کے نفاذ کے لیے خدیوی (بعد میں شاہی) اختیارات ہی کام دے سکتے تھے۔ اصلاح کے اہم مدارج یہ تھے: (۱) ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء میں فرمان صادر ہوا کہ نصابِ تعلیم کے اختتام پر سند دی جایا کرے گی؛ ہر سال زیادہ سے زیادہ چھ طلبہ گیارہ مضامین میں ایک طویل اور دقت طلب امتحان میں شرکت کیا کریں گے؛ اس امتحان میں کامیاب ہونے والوں کو ’عالم‘ (حسب لیاقت درجہ اول، درجہ دوم، درجہ سوم) کا لقب ملے گا؛ اس سے ان کے لیے بعض مادی فوائد یقینی ہو جائیں گے اور انھیں الازہر میں درس دینے کا حق حاصل ہو جائے گا؛ لیکن یہ اقدام بھی صریحاً ناکافی تھا (الخطط الجدیدة، ۴: ۲۷-۲۸؛ روزنامہ وادی النیل، مؤرخہ ۲۶ فروری ۱۸۷۲ء)۔

(۲) ۱۸۷۲ء ہی میں اعلیٰ تعلیم کا ایک دارالعلوم قائم کیا گیا، جہاں سے کچھ ازہری تھخصص کی سند لے کر جدید مدارس میں تعلیم دینے کے لیے تیار ہو سکتے تھے (محمد عبدالجواد: تقویم دارالعلوم، قاہرہ ۱۹۵۲ء، خلاصہ در MIDEO، ۱: ۱۶۰-۱۶۲)۔

(۳) ۱۳۱۲-۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء میں خدیو عباس نے ایک مجلس شوریٰ، بنام مجلس ادارۃ الازہر قائم کی، جس کے ارکان الازہر کے اور اس کے باہر کے لوگوں پر مشتمل تھے۔ یہ ادارہ، جس کے قیام کا مطالبہ محمد عبدالعزیز نے کیا تھا، ۱۸۹۶ء کی اصلاحات کا پیش خیمہ تھا۔ محمد عبدالعزیز اس مجلس کے رکن اور اس کی رُوح و رواں تھے۔ (۴) ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء میں طنطہ، ذمیاط اور دسوق کی درس گاہوں کو الازہر سے ملحق کر دیا گیا۔ (۵) اساتذہ اور معلمین کی تنخواہوں کے بارے میں، جن میں سے بعض کے مشاہرے بہت قلیل تھے، ایک فرمان جاری ہوا۔ (۶) ۲۰ محرم ۱۳۱۲ھ/ یکم جولائی ۱۸۹۶ء کو محمد عبدالعزیز کی تحریک پر ایک قانون نافذ کر دیا گیا، جس کی رُو سے قرار پایا کہ الازہر کی مجلس الازہر کے تین علما اور حکومت کے نامزد کردہ دوسرے کاری علما پر مشتمل ہوگی۔ اس قانون کی رُو سے الازہر میں داخلے کی کم سے کم عمر پندرہ سال مقرر کر دی گئی اور داخلے کی شرط یہ رکھی گئی کہ داخل ہونے والا پڑھنا لکھنا جانتا ہو اور اسے آدھا قرآن حفظ ہو۔ اس قانون کی رُو سے لائحہ تعلیم کی اسز نو تنظیم کی گئی اور یہ قید لگادی گئی کہ نئے طلبہ کو حواشی نہ پڑھائے جائیں، بلکہ ان کا مطالعہ پرانے طلبہ تک محدود رکھا جائے۔ دو امتحان مقرر کر دیے گئے: پہلا امتحان آٹھ سال کی تعلیم کے بعد قرار پایا، جس میں کامیاب ہونے والوں کو ’اہلیت‘ کی سند مل سکتی تھی اور دوسرا بارہ سال کے مطالعے کے بعد، جس میں کامیابی پر ’عالمت‘ کی سند دی جاسکتی تھی (اس کے تین امتیازی درجے رکھے گئے) نصاب میں عصر حاضر کے مضامین شامل کیے گئے، جن میں کچھ تو لازمی قرار پائے (جیسے ابتدائی حساب اور الجبر والمقابلہ) اور کچھ اختیاری (جیسے تاریخ اسلام، انشا، مبادی جغرافیہ وغیرہ)۔ تعطیلات (گرما، رمضان، عید قربان) کی مدت مقرر کر دی گئی۔ حفظِ صحت کے امور کی نگرانی کے لیے ایک طبیبی افسر مقرر کر دیا گیا۔ نصابِ تعلیم کی مقررہ کتب کی فہرست بنائی گئی۔ اس قانون کے نفاذ میں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، جس کا اظہار اخبارات میں بھی ہوا۔ (۷) ۱۹۰۳ء میں الاسکندریہ میں ایک درس گاہ (انسٹی ٹیوٹ)

میں ۳۶۱ معلمین اور ۱۰۷۸۰ طلبہ کی تقسیم بصورت ذیل تھی: شافعی: ۱۳۷ معلم، ۵۶۵۱ طلبہ؛ مالکی: ۹۹ معلم، ۳۸۲۶ طلبہ؛ حنفی: ۷۶ معلم، ۱۲۷۸ طلبہ۔ حنبلیوں کی نمائندگی بہت کم تھی، یعنی صرف ۳ معلم، ۲۵ طلبہ۔ ان کے علاوہ کچھ طلبہ ایسے بھی تھے جن کے نام رجسٹر میں درج نہ تھے۔ طلبہ ۱۵ حاروں اور ۳۸ واقوں میں منقسم تھے (الخطط الجدیدة، ۴: ۲۸)۔ ان میں متعدد غیر ملکی طلبہ بھی تھے (دیکھیے رواقوں کی فہرست، (۱) طبع اول، بذیل مادہ ’ازہر‘، شق ۲ و ۶)۔ تعطیل ماہِ رجب سے شروع ہوتی تھی اور وسط شوال میں ختم ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ بیس دن کی تعطیل بیرام (عید قربان) کے موقع پر اور اتنی ہی طنطہ کے ولی اللہ احمد بدوی اور دوسرے اولیائے کرام کے عرس (مولد) کے موقع پر ہوتی تھی (الخطط الجدیدة، ۴: ۲۸)۔

(۴) الازہر کی اصلاح: یوناپارٹ کی مہم سے مصر کو جو دھکا لگا اور اس کے بعد محمد علی اور اس کے جانشینوں نے مصر میں تہذیبِ جدید پھیلانے کی جو کوششیں کیں ان کا یا تو الازہر نے کوئی اثر نہ لیا اور یا مخالفت برتی۔ انفرادی طور پر بعض لوگ [نئی تحریک کے] حامی تھے، لیکن اکثریت کی غیر متزلزل سردہری نے انھیں کچھ کرنے نہ دیا۔ یورپ کے بعض تصورات کے اثر سے الازہر، بجا طور پر خائف تھا؛ لیکن یہ سمجھنے والے بہت کم تھے کہ یورپ کی لائی ہوئی چیزوں میں جو اسلام کے نزدیک قابل قبول ہیں اور جو ناجائز ہیں ان میں حد فاصل کس طرح کھینچی جائے۔ ایک گروہ خاموش مزاحمت پر اڑا رہا۔ بایں ہمہ ازہریوں ہی میں سے (کیونکہ اس وقت کوئی اور تعلیم یافتہ گروہ موجود ہی نہ تھا) مصر جدید کا فعال دستہ چنا گیا (مثلاً مصر کا تعلیمی وفد، جو ۱۸۲۵-۱۸۳۱ء میں رفاعة الطحطاوی کی سرکردگی میں پیرس بھیجا گیا؛ محمد عیاد الطحطاوی کا سفر روس اور بعد ازاں سعد زغلول اور مفتی عبدالعزیز وغیرہ)، لیکن یہ لوگ ہمیشہ الازہر کے قدامت پسند عنصر کا راستہ کاٹ کر چلے، کیونکہ ان کا ظہور اور طرز عمل قدامت پرست علما کا سامنا تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں الازہر کو ایک دینی دارالعلوم تو بجا طور پر کہا جاسکتا تھا، لیکن اس وقت یہ ایک مکمل جامعہ کہلانے کا مستحق نہ تھا جہاں عصر حاضر کے ان سب علوم کی تعلیم دی جاتی ہو جو ملک کی بیداری کے لیے ضروری تھے۔ بہر کیف معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں الازہر کا قدامت پسند طبقہ (الازہر کے اندر یا باہر) نئے علمی شعبوں کی تخلیق و ترویج یا الازہر کی دینی تعلیمات کے نظام و نصاب کی اصلاح کی ضرورت کو سمجھنے سے قاصر تھا اور یورپ کی تقلید سے نجس ہو جانے کے خوف نے ہر اقدام کو مفلوج کر رکھا تھا۔

ان سب باتوں کے باوجود الازہر کو اصلاح کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ اس کے معاملات میں حکومت کی مداخلت، جو اب روزمرہ کی بات ہو گئی تھی اور جسے بعض اوقات ازہری ناخوشی ہی سے برداشت کرتے تھے، اس موقع پر فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ جب حکومت خود اصلاحات کی مخالف تھی (مثال کے طور پر محمد عبدالعزیز کے آخری ایام میں) تو قدامت پسند عناصر نے، جن کے مقابل کی اڈر کوئی طاقت

قائم کی گئی، جو الازہر سے ملحق تھی۔ (۸) محرم ۱۳۲۵ھ فروری۔ مارچ ۱۹۰۷ء کے ایک قانون کی رو سے الازہر میں (شرعی عدالتوں کے لیے) قضاة کا ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ (۹) ۱۲ صفر ۱۳۲۶ھ ۶ مارچ ۱۹۰۸ء کے ایک قانون کی رو سے الازہر کی تعلیم تین درجوں، ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ میں تقسیم کر دی گئی، ہر درجے کی مبعاد تعلیم چار سال مقرر ہوئی اور ہر درجے کے آخری امتحان کے بعد سند ملنے لگی۔ ۱۸۹۶ء کے اختیاری مضامین لازمی بنا دیے گئے۔ اس قانون کو الازہر کی خود مختاری کے لیے ایک ضرب شدید سمجھا گیا اور اس کے خلاف بہت شور مچا۔ قاہرہ اور طنطہ میں تو طلباء کی شورشیں رونما ہوئیں (جنہیں جلد ہی دبا دیا گیا) مگر اور کسی جگہ نہیں؛ فیصلہ کیا گیا کہ اس قانون کو بتدریج نافذ کیا جائے گا۔ (۱۰) دسمبر ۱۹۰۸ء میں مغربی طرز کی آزاد قاہرہ یونیورسٹی قائم ہوئی، جو مغربی طرز کی موجودہ چار یونیورسٹیوں کا پیش خیمہ تھی۔ اس سے ایک ایسے مقابلے کا آغاز ہو گیا جو الازہر کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوا۔ (۱۱) ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ ۱۳ مئی ۱۹۱۱ء کا قانون ۱۹۰۸ء کی صدائے بازگشت تھا۔ اس کی رو سے قرار پایا کہ شیخ الازہر کو خود یونامز دیکر کرے گا، مجلس ادارۃ الازہر کی توسیع کر دی گئی (جس میں شیخ الازہر، چاروں مذاہب کے شیوخ، اوقاف کا ناظم اعلیٰ اور مجلس وزرا کے فیصلے کے مطابق تین نامزد ارکان رکھے گئے)۔ تیس بڑے علما کا، جو تیس مخصوص شعبوں کے صدر تھے، ایک محکمہ (tribunal) قائم کر دیا گیا، جن میں سے شیخ الازہر چننا جائے۔ جامعہ میں داخلے کی شرائط میں عمر کی شرط دس تا سترہ سال کر دی گئی۔ باقی دفعات وہی رکھی گئیں جو ۱۸۹۶ء کے قانون میں تھیں۔ علوم حاضرہ کے درس میں تھوڑا سا اضافہ کر دیا گیا، وغیرہ۔ یہ قانون ابھی تک مخالفت کا نتیجہ مشتق بنا ہوا تھا کہ ایک دل چسپ مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ دارالعلوم اور مدرسۃ القضاة کے فارغ التحصیل طلباء کو سرکاری عہدے الازہر کے فارغ التحصیل طلباء کی بہ نسبت زیادہ آسانی سے مل جاتے اور وہ زیادہ کمالیتے تھے۔ (۱۲) ۱۹۲۱ء میں داخلے کی شرط یہ کر دی گئی کہ نصف قرآن کی جگہ سارا قرآن حفظ ہو۔ (۱۳) ۱۳ محرم ۱۳۴۲ھ ۲۶ اگست ۱۹۲۳ء کے قانون کی رو سے اعلیٰ ترین درجہ تعلیم کا نام ”تخصّص“ رکھا گیا اور اس کی متعدد شاخیں تھیں۔ مدرسۃ القضاة، جو ۱۹۰۷ء سے کبھی ایک اور کبھی دوسری وزارت کے ساتھ منسلک ہوتا چلا آ رہا تھا، بالآخر الازہر سے متعلق کر دیا گیا اور اس کی الگ حیثیت کا خاتمہ کر کے اسے درجہ تخصّص ہی کا ایک شعبہ بنا دیا گیا (۱۹۲۳-۱۹۲۵ء)۔ اس دوران میں الازہر سے متعدد فوڈ تحصیل علم کے لیے یورپ گئے، تاکہ واپس آ کر الازہر میں درس دیں۔ (۱۴) ۱۹۲۵ء میں قاہرہ میں آزاد یونیورسٹی کی جگہ سرکاری یونیورسٹی (جامعۃ نواد الاول) قائم ہوئی۔ (۱۵) ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۹ھ ۱۶ نومبر ۱۹۳۰ء کے قانون کی رو سے یہ قرار پایا کہ علمائے کبار کا محکمہ اس امر کا فیصلہ کرنے کا مجاز ہے کہ کوئی عالم کسی ایسے فعل کا مرتکب ہوا ہے جو اس کے مرتبے کے شایان نہ تھا۔ اس قانون نے مجلس شوریٰ کی مزید توسیع کر دی (مفتی اعظم، مذاہب اربعہ کے شیوخ کی جگہ تین کلیات علوم کے شیوخ، وغیرہ)۔ اسی قانون کی رو سے قرار پایا کہ داخلے کے وقت طالب

علم کی عمر سولہ سال سے کم ہونا چاہیے (البتہ غیر ملکی طلباء کے لیے اٹھارہ سال کی عمر رکھی گئی اور انہیں پورے قرآن مجید کا حافظ ہونے کی شرط سے مستثنیٰ کر دیا گیا)۔ اس قانون کی رو سے جن تین کلیات کی تشکیل عمل میں آئی (یعنی قانون اسلامی یا شرعیہ، دینیات یا اصول الدین اور عربی زبان یا اللغۃ العربیہ) ان میں سے ہر ایک میں ابتدائی درجے کا نصاب چار سال کا، ثانوی درجے کا پانچ سال کا اور اعلیٰ تعلیم کا چار سال کا مقرر ہوا اور مناسب صورتوں میں ان کلیات میں جو صرف قاہرہ میں تھیں مزید تخصّص حاصل کرنے کی اجازت دی گئی۔ اعلیٰ معیار (عالمیت) کے لائحہ تعلیم کی تکمیل اس طرح کی گئی کہ جنھوں نے کسی مخصوص شعبہ میں امتیاز حاصل کیا ہو انہیں اسی کے مطابق مخاطب کیا جانے لگا، مثلاً فلاں فلاں مضمون کا ”استاذ“ وغیرہ۔ جو طلباء مقررہ نصاب کی تعلیم نہیں حاصل کر سکتے تھے ان کے لیے ایک عمومی شعبہ قائم کر دیا گیا۔ تعطیلات کا تعین سال بسال ہونے لگا۔ (۱۶) ۳ محرم ۱۳۵۵ھ/۲۰ مارچ ۱۹۳۶ء کے قانون نے، جو ۱۹۵۵ء تک بھی نافذ تھا، یہ شرط لگا دی کہ داخلے کے وقت طالب علم کی عمر بارہ سے سولہ سال تک ہونا چاہیے اور تخصّص کی تعلیم کی مدت دو سال ہو۔ مضامین تعلیم کے بارے میں جو قواعد بنائے گئے (ان کی مزید تفصیل بعد میں شائع ہونے والے لواحق نصاب (syllabuses) میں دی جانے کو تھی)۔ ان کی بدولت یہ قانون گویا عصر حاضر کی تعلیم کا حقیقی منشور (چارٹر) بن گیا ہے۔ اس میں قدیم مضامین کے علاوہ حسب ذیل مضامین قابل ذکر ہیں: انگریزی یا فرانسیسی زبان (اصول الدین کے کلیے کے لیے لازمی، باقی ماندہ دو کلیوں کے لیے اختیاری)؛ اصول الدین اور اللغۃ العربیہ کے کلیوں کے لیے مبادی فلسفہ، تاریخ فلسفہ، وغیرہ اور کلیۃ الشریعہ کے لیے مشترک بین الاقوامی قانون اور قانون قیاسی (comparative law) کا مطالعہ لازم کیا گیا۔ تخصّص کی بعض شاخوں میں ایک اور مشرقی زبان (شعبہ وعظ وارشاد میں) یا مبادیات عبرانی اور سریانی (شعبہ نحو بلاغت میں) یا تاریخ مذہب وغیرہ کو لازمی قرار دیا گیا۔ ثانوی درجے کے معمولی نصاب (”نظامی“) میں جدید علوم میں سے منطق اور فن بلاغت، طب (بہ استعمال خوردبین)، کیمیا، علم حیوانات و نباتات، تاریخ، جغرافیہ شامل تھے اور ابتدائی تعلیم کے نصاب میں تاریخ، جغرافیہ، حساب، الجبر والمقابلہ (بسیط مساوات تک، جن میں صرف ایک غیر معلوم چیز ہو) اور حفظ صحت کے مبادیات۔ قسم البعوث کی تعلیم، جو ان غیر ملکی طلباء کے لیے مخصوص تھی جو جامعہ کے معمولی نصاب میں نہیں چل سکتے تھے، بارہ سال کی تعلیم پر مشتمل تھی۔ یہ قسم چار چار سال کے تین درجوں پر مشتمل ہے، جن کا نصاب تعلیم ذرا سہل ہے۔ علوم جدیدہ میں سے انہیں صرف حساب، تاریخ، جغرافیہ اور منطق پڑھایا جاتا تھا؛ مگر یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ مذکورہ بالا جدید مضامین کو درس و تدریس میں ایک ثانوی حیثیت دی جاتی ہے اور ان پر کم وقت صرف کیا جاتا ہے۔ (۱۷) ۱۹۴۵ء میں دارالعلوم کو ایک گلیے کی حیثیت سے قاہرہ یونیورسٹی سے ملحق کر دیا گیا۔ ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم محض ازہریوں کے لیے مخصوص نہ رہا بلکہ اس میں دوسرے سرکاری مدارس کے

۱۹۲۷ء کے قانون شمارہ ۱۵ کے نفاذ کے وقت تک الازہر بلا واسطہ بادشاہ کے سامنے جواب دہ تھا۔ اس وقت تک مجلس وزراء کے لیے ضروری تھا کہ شیخ الازہر وغیرہ کے تقرر کے معاملے میں بادشاہ کی رائے کو ملحوظ رکھے۔ اس کا میزانیہ آمد و خرچ حکومت کی منظوری کے لیے پیش ہوتا تھا اور مسلسل بڑھتا گیا (۱۹۱۹ء میں ۱۳۶۰۰۰ مصری لیرا؛ ۱۹۵۴ء میں ۲۰۰۰ لیرا، جس میں اوقاف کی آمدنی سے صرف ۹۴۳۸۰ مصری لیرے وصول ہوئے اور باقی رقم وزارت مالیات نے دی)۔ وظائف سے جملہ طلب اور متعلمین مستفید ہوتے تھے اور جب انھیں سرکاری اقامت خانوں میں جگہ نہ ملے تو ان کے طعام و قیام کے لیے بھی وظیفے دیے جاتے تھے۔ ۱۹۵۵ء میں یہ وظیفہ ابتدائی اور ثانوی درجوں کے لیے تقریباً پچاس پیسٹر ماہانہ تھا۔ کتابیں اور عطایا، جو مصر کی خیراتی انجمنوں کی طرف سے آتے تھے، ان کے علاوہ ہیں۔ غیر ملکیتوں کے لیے رتنے سہنے کا کم از کم وظیفہ ڈھائی لیرا مصری تھا۔ کلیات کے طلب کو بھی مالی امداد مل سکتی تھی، جو پانچ لیرا مصری سے بھی کچھ زیادہ تک ہوتی تھی۔ سودانیوں سے ترجیحی سلوک کیا جاتا تھا اور انھیں آٹھ لیرا مصری وظیفہ ملتا تھا۔ بعض ملک اپنے ملک کے طلب کے قیام و طعام کے لیے خود بھی امدادی رقم بھیج کر وظیفے میں اضافہ کر دیتے تھے۔ ۱۹۵۳ء سے موتمر اسلامی بھی بعض ازہریوں کی مدد کرنے لگی (MIDEO، ۳: ۷۱-۷۲، ۷۸-۷۹)۔ اسی طرح دارالعلوم بھی طلب کی مدد کرتا تھا (یہ امداد ان طلب کے لیے موقوف کر دی گئی جو ۱۹۵۳ء کے بعد داخل ہوئے تھے)۔ ان معقول مالی اعانتوں کی وجہ سے الازہر ایک ایسی واحد درس گاہ بن گئی اور اب تک ہے جس میں غریب خاندانوں کے نوجوان اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں (ماسوا سرکاری یونیورسٹی کے امدادی وظائف (bursaries) کے)۔ آج کل ازہریوں کے لیے طبی امداد کا بھی انتظام ہو گیا ہے۔

مسجد کے کتب خانے میں، جس کا انتظام نہایت اعلیٰ ہے، بیس ہزار سے زیادہ مخطوطات ہیں اور ان کی مطبوعہ فہرست موجود ہے۔ بعض رواتوں کے کتب خانوں میں چند بڑے کام کے مخطوطات ہیں، لیکن ۱۹۵۵ء تک ان کی فہرست مرتب نہیں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ہر ادارے میں اپنے اپنے طلب کے لیے الگ کتب خانہ ہے۔ ۱۳۲۹ھ/۱۹۳۰ء سے الازہر کا ایک ماہانہ رسالہ شائع ہو رہا ہے، جو اساتذہ کا سرکاری ترجمان ہے۔ اس کا پہلا نام نور الاسلام تھا، جو چھٹے سال کے آخر میں تبدیل کر کے مجلۃ الازہر کر دیا گیا۔ ایک دوسرا ماہانہ، جو شعبۂ وعظ و ارشاد کا ترجمان ہے، اب بھی نور الاسلام ہی کے نام سے چھپتا ہے۔ ان کے علاوہ بعض نصاب بھی طبع کیے جاتے ہیں اور بہت سے ازہری موجودہ مصر کی ادبی مطبوعات میں مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ بے شمار فقہی سوالات کا، جن کے بارے میں الازہر سے استفتا کیا جاتا ہے، جواب دینے کے لیے ”لجۃ الفتویٰ“ کے نام سے ایک مجلس ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں قائم کی گئی (صدر اور گیرا دوسرے ارکان پر مشتمل، جو ہر مذہب سے تین تین کے حساب سے لیے جاتے ہیں)۔ اس مجلس کو اس دارالافتا

طلب بھی داخل کیے جانے لگے۔ ۱۹۵۴ء میں لڑکیوں کے لیے ایک شعبہ کھولا گیا۔ (۱۸) ۱۹۵۴ء میں الازہر کے لائحہ تعلیم میں معمولی سی تبدیلی کی گئی، یعنی اللغۃ العربیہ کے ٹکے کے لیے ایک غیر ملکی زبان لازمی قرار دے دی گئی۔ اساتذہ کے لیے سبک دوشی کی عمر پینسٹھ سال مقرر ہوئی اور یہ قاعدہ علمائے کبار (صدر) پر بھی عائد کیا گیا، جو پہلے عمر بھر کے لیے مقرر ہوتے تھے۔ (۱۹) ۱۹۵۵ء میں شرعی عدالتیں موقوف کر دی گئیں، جس سے کلّیہ شرعیہ کے ازہریوں کے مستقبل کا بڑا دروازہ بند ہو گیا۔ ۱۹۵۷ء تک ہر چیز تیار تھی، صرف اس کام کے لیے میزانیہ میں روپے کی منظوری کا مرحلہ باقی تھا۔

۱۹۵۳ء میں الازہر کے کلیات میں طلب کی تعداد بالترتیب یوں تھی: کلّیہ شریعہ، ۱۶۰۳، کلّیہ لغت عربیہ، ۱۶۵۵، کلّیہ اصول الدین، ۷۰۷۔ ماحقہ مدارس و مکاتب میں ابتدائی درجے کے طلب ۱۲۳۹۸، ثانوی درجے کے ۶۵۵۹، اور منسلکہ درجات میں ۳۷۰۳، آزاد درس گاہوں میں کل ۲۴۵۸ طلب تھے۔ ۱۹۵۵ء سے مصر کے حسب ذیل شہروں میں کچھ درس گاہیں الازہر سے (بہ لحاظ نصاب تعلیم یا ”نظامی“) بلا واسطہ ملحق ہیں: (۱) ابتدائی اور ثانوی درس گاہیں: قاہرہ، طنطہ، منصورہ، شبنین، الکوم، قنار، سہاج، جرجا (گرگا)، اسیوط، منیا، فیوم، منوف، سمند، زقازیق، دسوق، دمیاط، الاسکندریہ، دمہور میں؛ (ب) صرف ابتدائی درس گاہیں: بنی سوئیف، بنہا، کفر الشیخ میں۔ (ج) آزاد مدارس زیر نگرانی (تحت الاشراف) الازہر: طنطہ، بلسفورہ، بنی عدی، ملاوی، ابو قرقاس، ابوقبیر، فاٹوس، منشوی، قاہرہ (عثمان ماہر) میں۔

۱۹۵۳ء میں غیر ملکی طلب کی تعداد حسب ذیل تھی: سودان کے ۲۶۳۴، نائیجیریا، غانا اور سنگال کے ۱۴۱؛ حبشہ، ایریٹریا، صومالیستان اور زنجبار کے ۳۰۹؛ فرانسسی سودان کے ۵۷؛ یوگنڈا اور جنوبی افریقہ کے ۳۷؛ ہندوستان اور پاکستان کے ۴۶؛ چین کے ۸؛ جاوا اور سائرا کے ۸۰؛ افغانستان کے ۱۳؛ کویت کے ۶؛ عراق، بحرین اور ایران (رواق الاکراد) کے ۲۱؛ ترکی، البانیا، یوگوسلاویا (رواق الاخراک) کے ۲۰۶؛ شام، لبنان، اردن اور فلسطین (رواق الشوام) کے ۲۲؛ یمن کے ۲۰؛ شمالی افریقہ اور لیبیا (رواق المغاربہ) کے ۲۶؛ حجاز کے ۱۷؛ میزبان: ۴۵۸۶۔

۱۹۵۳ء میں علمائے ازہر کی جماعت کے ۱۱۲ معلم یا واعظ حسب ذیل ملکوں میں تبلیغ کے لیے گئے ہوئے تھے: عراق میں ۲، کویت میں ۱۶، سودان (ام) ڈرمان کی درس گاہ) میں ۲۳، فلپائن کے مسلم ہائی سکول میں ۹، ایرٹریا (درس گاہ اسمرہ میں) ۷، منگل میں ۵، بڑقہ میں ۳، غزہ میں ۱، حجاز میں ۴، لبنان میں ۵، لنڈن کے مرکز ثقافت اسلامیہ میں ۱، واشنگٹن کے مرکز ثقافت اسلامیہ میں ۱، استوائی افریقہ میں ۱، شام میں ۳، جوبا کے سکول میں ۳، (۱۹۵۳ء کے اعداد و شمار ماخوذ از السجل الثقافى سنة ۱۹۵۳ء، قاہرہ ۱۹۵۵ء، ص ۷۳-۷۴، ۷۴-۷۵؛ ساطع الحصری: حویلیة الثقافة العربیة، قاہرہ ۱۹۵۴ء، ص ۱۰۴-۱۰۳)۔

سے ملتبس نہ کرنا چاہیے، جو مصر کے مفتی اعظم کے ماتحت ہے۔

(۵) شیوخ کی فہرست: الجبّرتی کے وقائع میں مشائخ الازہر کے نام ۱۱۰۰ھ سے محفوظ ہیں۔ لوگ مُشَيِّخٌ، یعنی شیخ الازہر کے عہدے کے بہت متمنی رہتے تھے، جس پر ممتاز ترین علما فائز ہوتے تھے اور جس کے لیے مذاہب اربعہ کے درمیان طویل جھگڑے رونما ہوتے رہتے تھے۔ یہ مشائخ بہت مختلف معاشری طبقات سے لیے جاتے رہے، چنانچہ بعض جاگیردار امیروں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور بعض ایسے معمولی لوگ تھے جو ابتدا میں حصول معیشت کے لیے کتابت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر نے اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں شریوں اور دوسری کتابیں لکھی ہیں، جن کا ان کے سوانح نگاروں نے ذکر کیا ہے۔ ۱۹۵۳ء میں الازہر کے میزانیہ آمد و خرچ میں شیخ الازہر کے لیے دو ہزار مصری لیرا سالانہ کی رقم رکھی گئی (دیکھیے فہرست وحوالہ جات در الحفا ج۱: الازہر فی الف عام، قاہرہ ۱۳۷۴ھ، ۱: ۱۴-۱۹۶)۔ الجبّرتی نے ایک تیسرے شخص کے سوانح حیات بیان کرتے ہوئے ضمناً ایک شیخ الازہر کے نام کا حوالہ دیا ہے اور یہ سب سے پہلا نام ہے جو ہمارے علم میں آیا: (۱) محمد بن عبداللہ الجزیشی (م ۱۱۰۱ھ/ ۱۶۹۰ء)؛ (۲) محمد الشّشّرتی (م ۱۱۲۰ھ)؛ (۳) عبدالباقی القلیبی جس کی نامزدگی پر مسجد کے اندر لڑائی ہوگئی اور کچھ گولیاں بھی چلیں؛ (۴) محمد شتّین، اپنے وقت کے سب سے زیادہ دولت مند اشخاص میں سے ایک (م ۱۱۳۳ھ)؛ (۵) ابراہیم بن مولیٰ القیومی (م ۱۱۳۷ھ)؛ (۶) عبداللہ الشّیراوی، شاعر اور ظریف، جو صوفیہ کے ہاں بہت آمد و رفت رکھتا تھا اور ان کی حمایت کرتا تھا (م ۱۱۷۱ھ)؛ (۷) محمد بن سالم الحفناوی الحنوّتی، صوفی اور فقیہ، مؤلف شروح و حواشی (م ۱۱۸۱ھ)۔ غالباً امیروں نے اسے زہر کھلا دیا۔ اس کا مزار لوگوں کے لیے مرجع عقیدت بن گیا (براکلمان، ۳: ۲۳۳؛ تکملہ، ۲: ۴۴۵)؛ (۸) عبدالرؤف البیہنی (م ۱۱۸۲ھ)؛ (۹) احمد بن عبدالمنعم الذّمہزوری (م ۱۱۹۲ھ)؛ (۱۰) عبدالرحمن العریشی، حنفی مذہب کا، جس سے شیخ الحفناوی نے تصوف کے سلسلے میں بیعت کی۔ اسے شافعی دباؤ کے ماتحت جلد ہی معزول کر دیا گیا؛ (۱۱) احمد العزّوی، صوفی اور شارح (م ۱۲۰۸ھ/ ۱۷۹۳-۱۷۹۴ء)؛ (۱۲) عبداللہ الشّرقاوی، جس کے شیخ ہونے کے زمانے میں بونا پارٹ کی مہم واقع ہوئی، ایک فاضل شخص، جس کی تصانیف اس زمانے میں بکثرت پڑھی جاتی تھیں (م ۱۲۲۷ھ/ ۱۸۱۲ء)؛ (۱۳) محمد الشّنوآنی، جس نے اپنے ایک حریف المہدی کو، جو برائے نام شیخ تھا، برطرف کرا کے اس کی جگہ سنبھالی (م ۱۲۳۳ھ)؛ (۱۴) محمد العزّوی (م ۱۲۴۵ھ)؛ (۱۵) احمد بن علی الذّمہزوری (م ۱۲۴۶ھ)؛ (۱۶) حسن بن محمد العطار [رکّ بآن]، جو بونا پارٹ کے فرانسیسیوں کا رفیق اور اصلاحات کا حامی تھا (م ۱۲۵۰ھ)؛ (۱۷) حسن القویہنی (م ۱۲۵۳ھ)؛ (۱۸) احمد الصّائم الشّطی (م ۱۲۶۳ھ)؛ (۱۹) ابراہیم بن محمد الباجوری (م ۱۲۷۷ھ)؛ مشہور عالم دین (براکلمان، ۲: ۴۸۷)؛ تکملہ، ۲: ۴۱۱)؛ (۱۹) الف) چارسال کا خالی وقفہ، جس کے دوران میں چار ناظموں کی ایک مجلس الازہر کا انتظام چلاتی رہی؛

(۲۰) مصطفیٰ العزّوی (۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰-۱۸۷۱ء تک)، اس نے ان اصلاحات کے لیے راستہ ہموار کیا جو اس کے جانشین نے رائج کیں؛ (۲۱) محمد العباسی المہدی الحنفی، جس کی جگہ عرابی پاشا کے خروج (۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء) کے دوران میں محمد الانبائی نے عارضی طور پر سنبھالی۔ بالآخر اس نے ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء میں اپنا عہدہ ترک کر دیا؛ (۲۲) محمد الانبائی، زبردست عالم، لیکن ہر قسم کی جدت کا مخالف تھا۔ ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء میں اس کے علیحدہ ہونے سے پہلے اس پر خاصی مدت دباؤ ڈالا گیا (براکلمان: تکملہ، ۲: ۴۲۲)؛ (۲۳) حَسُونَةُ القَوِي، ایک پختہ کردار شخص، جسے اہل مصر احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ فقہی تعلیم میں اپنے تلامذہ پر بہت اثر انداز ہوا، جنھوں نے مصر کی سیاسیات میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ الازہر کی مجلس انتظامیہ کا صدر رہا، ۱۸۹۶ء کی اصلاحات کے نفاذ کی نگرانی کے لیے منتخب کیا گیا اور ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں مستعفی ہوا؛ (۲۴) عبدالرحمن قطب القوی، مقدم الذکر کا بھائی، اسی سال فوت ہو گیا۔ اس کے جانشینوں کا پورے درپے مستعفی ہونا اس بے چینی کو ظاہر کرتا ہے جو اصلاحات کی وجہ سے پیدا ہوئی؛ (۲۵) سلیم البیشری، ایک مشقی شخص، جس نے اپنی گزشتہ زندگی فقر و فاقہ میں بسر کی تھی۔ محدثوں میں سے آخری [شیخ الازہر] (اسے حدیث کے تمام رواۃ کا پورا پورا علم تھا)۔ وہ محمد عبدہ اور ان اصلاحات کا جو اس کی تجویز سے عمل میں آئیں سخت مخالف تھا۔ وہ ۱۳۲۰ھ میں مستعفی ہوا؛ (۲۶) علی البیلداوی، ۱۳۲۳ھ میں مستعفی ہوا؛ (۲۷) عبدالرحمن الشّرمینی، جو اپنی دیانت و پرہیزگاری کی وجہ سے بہت محترم تھا، ۱۳۲۴ھ میں مستعفی ہوا؛ (۲۸) حَسُونَةُ القَوِي، دوسری دفعہ، ۱۹۰۸ء کے قانون کے نفاذ کی وجہ سے ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں مستعفی ہوا؛ (۲۹) سلیم البیشری، دوسری دفعہ (م ۱۳۳۵ھ)؛ (۳۰) محمد ابوالفضل الجبّرتی (م ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء)؛ (۳۱) مصطفیٰ المرانغی، محمد عبدہ کا شاگرد، ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء میں مستعفی ہوا؛ (۳۲) محمد الاحمدی الظّواہری، ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں مستعفی ہوا؛ (۳۳) مصطفیٰ المرانغی، دوسری دفعہ (م ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵ء)؛ (۳۴) مصطفیٰ عبدالرازق، ایک بہت صاحب ذوق شخص، محمد عبدہ کا مداح تھا۔ وہ لیونز (Lyons) یونیورسٹی (فرانس) میں عربی پڑھاتا رہتا تھا اور بعد ازاں مصر کی یونیورسٹی میں اسلامی فلسفے کا استاد رہا۔ اسے شاہ فاروق نے شیخ نامزد کیا تھا، حالانکہ وہ علمائے کبار کی جماعت میں سے نہ تھا۔ الازہر میں اس کے خلاف اس قدر شدید معاندانہ مظاہرے ہوئے کہ وہ ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء میں دل کا دورہ پڑنے سے فوت ہو گیا؛ (۳۵) محمد مامون الشّتاوی (م ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء)۔ اس کے بعد سے شیخ الازہر کے عہدے پر تقرر کی مختصر مبادیوں مصری سیاست کے اندرونی محرکات سے مطابقت رکھتی ہیں، یعنی نہرو سیز کے علاقے میں برطانیہ سے کشمکش؛ ۲۶ جنوری ۱۹۵۲ء کے فساداتِ قاہرہ؛ ۲۳ جولائی ۱۹۵۲ء کا انقلابِ حکومت۔ متعدد مواقعوں پر حکومت نے شیوخ الازہر پر اپنے عہدے سے علیحدگی کے لیے دباؤ ڈالا؛ (۳۶) عبدالحمید سلیم، ۴ ستمبر ۱۹۵۱ء کو مستعفی ہوا؛ (۳۷) ابراہیم حمزوش، ۱۰ فروری ۱۹۵۲ء کو مستعفی ہوا؛ (۳۸) عبدالحمید سلیم، دوسری دفعہ شیخ بنا اور ۱۷ ستمبر

اس کے سابق اساتذہ اور تلامذہ کو حاصل رہا ہے اور اب تک حاصل ہے۔ الازہر کا مطالبہ یہ ہے کہ لوگ اس کا اعتراف کریں کہ میدان علم و فضل میں اس نے قابل ستائش کام کیا ہے۔ اس علم و فضل کا اظہار درحقیقت کئی پہلوؤں سے ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو عظیم اسلامی قدروں کا وہ علم ہے جو اس کے طلاب نہ صرف اپنی جانے تعلیم کے خصوصی ماحول سے بلکہ اپنے نصابوں کے ذریعہ تعلیم سے بھی اخذ کرتے ہیں۔ اس حیثیت سے الازہر نے برابر شہری اور دیہاتی روایتی حلقوں میں تصورات اسلامی کو برقرار رکھا ہے۔ اس نے ان اوصاف کو قائم رکھا ہے جن پر اس کی کشش منحصر ہے، یعنی زندگی کے متعلق ایک سنجیدہ اور مذہبی روش، مہمان نوازی، والدین اور اساتذہ کا ادب و احترام، زکوٰۃ و خیرات کا فریضہ۔ الازہر میں رہ کر قرآن اور حدیث کے اُن بہترین پہلوؤں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جن پر قدیم زمانے سے زور دیا جاتا رہا ہے۔ پھر اس کے بعض اساتذہ نے، جو عربی زبان اور فقہ اسلامی کے ماہر ہیں، روایتی موضوعات کو لے کر انھیں سہل تر شکلوں میں دوبارہ پیش کیا ہے، لیکن بنیادی مفروضات اور اصولوں میں رد و بدل کیے بغیر، ماسوا بعض مسائل کے (مثلاً تعدد ازدواج وغیرہ)۔ تاریخ میں بعض مخصوص مضامین کی جدید تصنیفات (مثلاً خود الازہر کے بارے میں) وہی کام دیتی ہیں جو زمانہ وسطیٰ کی تصانیف دیتی تھیں اور ان کی تیاری میں وہی طریقے بھی استعمال کیے گئے ہیں (مثلاً دستاویزات کی تدوین، سوانح حیات وغیرہ)۔ بعض اُور اساتذہ نے، جو بہت سے قدیم لغوی اور مذہبی رسائل سے باخبر ہیں، ان کے ایسے متنوں طبع کیے ہیں جو اہل علم کے لیے بہت بیش قیمت ہیں۔ یہ علم و فضل مجموعی حیثیت سے کروڑوں مسلمانوں کی ضروریات کے عین مطابق ہے، جن کے سادہ اور غیر متوازن عقائد اجنبی خیالات سے متاثر نہیں ہوئے اور اسی طرح ان لوگوں کے لیے جو موجودہ شیخ الازہر کے الفاظ میں فطرت سے زیادہ قریب (اقرب الی الفطرۃ) ہیں اور جن میں اسلام، جیسے کہ افریقہ میں، برابر ترقی کر رہا ہے۔ تاہم الازہر کی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بہت سی یونیورسٹیوں میں اسلامی عقائد رُو بہ زوال ہیں اور مغرب نے اسلام کے پیغام سے (اب تک) کوئی اثر نہیں لیا۔ اس کے مقابلے میں وہ اپنے تلامذہ کو جواباً چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنے کی تعلیم دیتے ہیں، جو ایک حد تک یکساں نوعیت کے اور تعلیمی یا اعتذاری ہوتے ہیں اور ابتدائی اور ثانوی مدارس کے درجات انشا میں لکھوائے جاتے ہیں (مثلاً صفائی اور صحت بدن، زکوٰۃ کا صحیح مصرف، شراب کی خرابیاں، تعدد ازدواج کی حکمت، وغیرہ)۔ مقالات اور خطبات میں اس نوع کی اعتذاری چیزوں کی مثالیں برابر ملتی رہتی ہیں، لیکن ان میں زیادہ ضروری مسائل پر غور نہیں کیا جاتا۔ الاخوان المسلمون نے بھی اگرچہ اپنی تبلیغی مساعی میں ایسی ہی اعتذاریات کو فروغ دیا، تاہم معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ حاضرہ کی مشکلات سے زیادہ باخبر ہیں، مثلاً ۱۹۵۱ء میں ان میں سے ایک نے الازہر سے خاص طور پر درخواست کی کہ وہ ایسے موضوعات پر بھی کچھ کہے جیسے کہ محنت و مزدوری کا وقار، معاشری مسائل، سرمایہ پرستی، مارکس کا فلسفہ حیات، وغیرہ (سید قطب، درمجلہ

۱۹۵۲ء کو مستعفی ہوا؛ (۳۹) محمد الحضر حسین، جنوری ۱۹۵۴ء کے آغاز میں مستعفی ہوا؛ (۴۰) عبدالرحمن تاج، پیرس یونیورسٹی کا دکتور ادب (Docteur des lettres)، ۸ جنوری ۱۹۵۴ء کو نامزد ہوا۔

(۶) اصلاحات کے نتائج: ایک غیر مسلم اور غیر مصری کے لیے ان نتائج کی تشخیص کرنا مشکل ہے، کیونکہ اس کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ مجوزہ لائحہ عمل پر کس دل سے کام کیا گیا اور ہر صورت میں ان اصلاحات کے کون سے حصے پر درجات میں عمل کیا گیا۔ باہر سے دیکھ کر صرف اتنا قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان معنی خیز اصلاحات کے باوجود جن کا ذکر اوپر کیا گیا کیفیت حال مکمل طور پر قابل اطمینان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ خود اہل مصر کا طرز عمل بھی اسی کی غمازی کرتا ہے، چنانچہ الازہر کے بہت سے اساتذہ اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے اپنی درس گاہ میں نہیں بلکہ سرکاری سکولوں میں بھیج رہے ہیں۔ حکومت نے سرکاری یونیورسٹیوں کے اور الازہر کی اعلیٰ جماعتوں کے اساتذہ کے درمیان مساوات کا اصول تسلیم نہیں کیا ہے۔ الازہر کے علما اپنی درس گاہ میں معلم ہیں اور امامت اور وعظ کرتے ہیں۔ یہ مناصب قانوناً ان کا حق ہیں، لیکن ان کے ماسوا الازہر کی علما کو سرکاری یونیورسٹیوں کے ہم پیشہ معلمین کے مقابلے میں ہر جگہ ادنیٰ حیثیت دی جاتی ہے۔ زمانہ حال میں شرعی عدالتوں کی موقوفی سے ازہریوں کا ایک قدیم روایتی دروازہ بند ہو گیا ہے۔ ازہری تعلیم کے طریقے میں، جسے چھ سال کی عمر کے بچے کو کسی مکتب قرآنی میں داخلے پر اختیار کرنا پڑتا ہے، اور عام دنیوی تعلیم کے طریقے میں بعد المشرفین ہے۔ الازہری طلباء سرکاری یونیورسٹیوں میں داخل ہونے کے دروازے مسدود ہیں۔ اگر الازہری قومی محکمہ تعلیمات کے سلسلہ ملازمت میں عربی کا معلم بننے کے خواہاں ہوں تو ان کے لیے دارالعلوم یا ادارہ تعلیم (Institute of Education) کی سند لینا ضروری ہے۔ علاوہ بریں [جامعہ] الازہر محسوس کرتی ہے کہ سرکاری یونیورسٹیاں اس پر معترض ہیں اور اسے شہبہ ہے کہ اس کے بعض مخالف اس کی خود مختاری سے ناراض ہیں اور اس کی ابتدائی اور ثانوی درس گاہوں کو بند کرانے کے خواہاں ہیں، بلکہ شاید کلیات (faculties) میں بھی تَصَرُّف کرنا چاہتے ہیں (دیکھیے مجلہ الازہر، ج ۲، شمارہ ۴، ربیع الثانی ۵۵ھ/۱۳۵۵ء، جو سب کا سب اسی قسم کے حملوں کے خلاف اپنی مدافعت کے لیے وقف کر دیا گیا ہے)۔ جب یہ دیکھا جائے کہ ان مصریوں میں جو دور رس اصلاحات چاہتے ہیں نہ صرف لاد مذہب لوگ بلکہ سچے مسلمان اور یہاں تک کہ الاخوان المسلمون کے ارکان بھی شامل ہیں تو یہ مسئلہ اور بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ ساٹھ سال سے الازہر کا مسئلہ وقتاً فوقتاً انتہائی خلیجان کا موجب بنتا رہا ہے۔ اساسی طور پر مسئلہ یہ ہے کہ معلوم کیا جائے کہ بیسویں صدی عیسوی کے مسلم معاشرے کی ضروریات کے پیش نظر الازہر کا حقیقی مقصد کیا ہے اور یہ کہ یہ درس گاہ جو ذہنی اور اخلاقی تعلیمات دیتی ہے وہ ان ضروریات کے مطابق ہیں یا نہیں۔

الازہر اس مقام پر بہت زور دیتی ہے جو مصر اور عالم اسلامی کی زندگی میں

کے معاملے میں ہوا۔ اس کے برعکس اگرچہ وہ وقار جو الازہر کے نام سے وابستہ تھا مصر میں بہت کم ہو گیا ہے، تاہم باہر کے ملکوں میں پہلے کی طرح قوی اور مضبوط ہے۔ دنیا میں بہت سے مسلمان الازہر ہی کو مصر سمجھتے ہیں۔ شاید خارجہ حکمت عملی کے تقاضے الازہر کی مخالفت کی اُس رُو میں بھی کچھ اعتماد پیدا کر سکیں جو اس وقت مصر میں موجود ہے۔

مآخذ: دیکھیے بالخصوص (۱) ابراہیم سلامہ: *Bibliographie analytique et critique touchant la question de l'enseignement en Égypte depuis la période des Mamelüks jusqu'à nos jours*، قاہرہ ۱۹۳۸ء؛ مذکورہ بالا حوالہ جات کے علاوہ دیکھیے (۲) المقریزی: *الخِطَطُ*، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ۴: ۲۹-۵۶ (۳) السیوطی: *حسن المحاضرة*، ۱۲۹۹ھ، ۲: ۱۸۳-۱۸۴؛ (۴) البیہقی کے وقائع؛ اور (۵) علی پاشا مبارک: *الخِطَطُ الجديدة*، ۱۹-۴۴؛ انیسویں عیسوی کے تیسرے ربع کے لیے دیکھیے: (۶) سلیمان احمد الحنفی الزياتی: *كنز الجواهر في تاريخ الازهر*، قاہرہ، تقریباً ۱۳۲۲ھ و (۷) مصطفیٰ بیرم: *رسالة في تاريخ الازهر*، قاہرہ ۱۳۲۱ھ؛ عصر حاضر کے لیے دیکھیے: (۸) محمود ابوالعین: *الجامع الازهر، نبذة في تاريخه*، قاہرہ ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء؛ اور بالخصوص از حد ضروری تصنیف (۹) محمد عبدالنعم الحفاجی: *الازهر في الف عام*، قاہرہ ۴: ۱۳/۱۹۵۵ء، تین جلدوں میں، جس میں قدیم دستاویزوں سے بھی بحث کی گئی ہے اور (۱۰) عبدالمتعال الصعیدی: *تاريخ الاصلاح في الازهر*، قاہرہ بدون تاریخ، جس کا اختتام ۱۹۵۰ء کے آخر پر ہوتا ہے۔ یہ مؤرخ الذکر تاریخی تصنیف ان متعدد تصانیف میں جو الازہر کی اصلاحات کے سلسلے میں لکھی گئیں سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ اس میں ان کتب کے عنوانات درج ہیں جو انیسویں صدی کے خاتمے کے وقت سے الازہر میں پڑھائی جاتی رہی ہیں؛ تعلیمات و مطالعات کی تنظیم کے لیے دیکھیے: (۱۱) Vollers، *در (آء) لاندن*، طبع اول، بذیل مادہ؛ (۱۲) E. Dor: *L'instruction publique en Égypte*؛ ۱۸۸۹ء، ص ۳۴، بعد، ۲۰۵؛ بعد؛ (۱۳) P. Arminjon: *L'enseignement, la doctrine et la vie dans les universités musulmanes Al-Azhar, et Muhamm-*؛ Johs. Pedersen (۱۴) نیز؛ ۱۹۰۷ء؛ نیز؛ (۱۵) A. S. Tritton: *edans Universitet Mat-*؛ (۱۶) J. Heyworth-Dunne: *An Introduction to the History of Education in Modern Egypte*، لنڈن ۱۹۳۹ء؛ (۱۷) ابراہیم سلامہ: *L'enseignement islamique en Égypte*، قاہرہ ۱۹۳۹ء؛ (۱۸) علی عبدالرازق: *من آثار مصطفیٰ عبدالرازق*، قاہرہ ۱۹۵۷ء؛ الازہر کے بارے میں ۱۹۱۱ء سے لے کر سرکاری متون و قوانین وغیرہ کا فرانسیسی ترجمہ دیکھیے در (۱۸) REI، ۱۹۲۷ء، ص ۹۵-۱۰۸، ۲۶۵-۵۲۹؛ ۱۹۲۸ء، ص ۳-۱۶۵، ۲۵۵-۳۳۷، ۳۰۱-۲۷۲؛ ۱۹۳۱ء، ص ۲۴۱-۲۷۲؛ ۱۹۳۶ء، ص ۱-۴۴۔ ان سب کے آغاز میں مقدمہ از A. Sekaly: (۱۹) ۱۹۳۶ء کے قانون کے مطابق مختلف مدارج کے سرکاری نصاب ہائے تعلیم کے الگ الگ کتابچوں کی صورت میں مطبع الازہر نے چھاپ رکھے ہیں (پہلا سلسلہ نصاب ۱۹۳۸-۱۹۴۵ء میں؛ معمولی تبدیلیوں کے ساتھ طبع ثانی ۱۹۵۳-۱۹۵۶ء

الرسالة، مؤرخہ ۱۸ جون ۱۹۵۱ء)۔ مجلۃ الازہر نے اس کے متعدد جوابات شائع کیے (مجملہ اوروں کے، ۲۳ (۱۳۷۱): ۸۹-۹۵)۔ ان جوابات میں کام کی باتیں بہت کم ہیں اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مخالفین ایک دوسرے کو اس تصویر میں شناخت بھی کر سکیں گے جو ان کی کھینچی گئی ہے، کیونکہ وہ ابتدائی اور بے رنگ ہے۔ علم و فضل کا یہ تصور اگرچہ پہلے بھی کارآمد رہا ہے اور اب بھی کارآمد ہے، لیکن ان اہل مغرب کو جنہیں واقعات کو دیکھنے کا بہترین موقع حاصل ہے اس کی محدودیت کا احساس ہوتا ہے اور یہ ان مصریوں کو بھی نظر آتی ہے جنہوں نے عصر حاضر کے طریقوں پر تعلیم پائی ہے۔ الازہر میں تاحال ایسے مطالعات کا سوال ہی سامنے نہیں آیا جن میں عصر حاضر کے تاریخی طریقوں سے استفادہ کیا جائے یا عصر حاضر کے افکار کے رجحان کے زیر اثر ان میں وسعت پیدا کی جائے۔ یہاں عبارتیں از بر کرنا اور متون کے صفحات کو اپنے حافظے میں جمع کر لینا طلباء کے لیے لازمی شرط معلوم ہوتی ہے۔ بعض لوگ اس تنگ نظری کی علت اس بے مغز تاویل بازی کو قرار دینا پسند کریں گے جس میں اہم مسائل زندگی، مثلاً طلاق وغیرہ، کو مجرد منطقی استدلال کا موضوع سمجھ لیا جاتا ہے اور ان اثرات کو یکسر فراموش کر دیا جاتا ہے جو عملاً انسان پر پڑتے ہیں (دیکھیے روزنامہ الجمهوریۃ ۹-۱۷ جنوری ۱۹۵۴ء)۔ ایک اور گروہ الازہر پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ وہ ہر اصلاحی اقدام کی راہ میں روک بن کر کھڑی ہو جاتی ہے اور اپنے آپ کو اسلام کا واحد محافظ سمجھتی ہے؛ حالانکہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو مساوات پر مبنی ہے، جس میں مذہبی اجارہ داری کے لیے کوئی جگہ نہیں اور ذہن رسا رکھنے والے ہر فرد کو مختلف امور میں رائے دینے کا حق حاصل ہے۔ بعض ادارے، مثلاً سرکاری یونیورسٹیاں، جہاں تفسیر قرآن، فقہ اسلام، عربی زبان وغیرہ کے اپنے اپنے نصاب ہیں یہ چاہتی ہیں کہ ان معاملات میں خود صاحب اختیار ہوں اور خود ہی اپنے طلباء یا اساتذہ کی کسی ایسی کج روی کے بارے میں فیصلہ کریں جو ان کے اندرونی ضبط و نظم سے تعلق رکھتی ہو (محمد احمد خلف اللہ کا معاملہ، ۱۹۴۷ء-۱۹۵۱ء، دیکھیے MIDEO: ۳۹-۷۲)۔ حال ہی میں الازہر کے عائد کردہ دو فتوے دیوانی عدالتوں نے منسوخ کر دیے (۱۷ مئی ۱۹۵۰ء کا فیصلہ، جس کی رُو سے محمد خالد محمد کی ضبط شدہ کتاب *من ہٹنا بنداً* کو از سر نو شائع کرنے کی اجازت دی گئی، نیز ۱۹۵۵ء میں شیخ بخیت کا معاملہ، MIDEO: ۳۶-۳۸)۔ انقرہ کی مجلس ملی کبیر [بیوک ملت مجلس] میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ آیا ترکی رعایا کے ان افراد کو جو الازہر میں تعلیم پاتے ہیں طالب علم ہونے کا درجہ دیا جائے یا نہ دیا جائے اور آخری رائے مخالف نکلی (۱۳-۱۶ فروری ۱۹۵۴ء)۔

لیکن دوسری طرف الازہر کے علما اپنے مخالفین پر مسلم معاشرے کی ضروریات کو نظر انداز کر دینے کا الزام لگاتے ہیں۔ کوئی ازہری اس امر کو تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں کہ ان کی جامعہ کا درجہ گھٹا کر اسے دینیات کے اعلیٰ مطالعات کا ایک کلب بنا دیا جائے، جیسا کہ تھوڑے عرصے پہلے ٹونس کی جامعہ زیتونہ

تھی۔ اس کی بقیہ زندگی ہمارے لیے ایک رازِ سرستہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس نے اپنے وطن میں مطالعے اور عزالت میں بسر کی۔

الازہری کے کام کا علم ہمیں چودہ تصانیف کے ناموں کی اس فہرست سے ہوتا ہے جو یاقوت اور ابن خَلکان نے فراہم کی ہے (اور جسے جزوی طور پر السیوطی نے بھی بُغیۃ الوُعاة، ص ۸، میں نقل کیا ہے)۔ اس میں معلقات اور ابوتام کے دیوان کی شرحوں کو چھوڑ کر باقی سب کتابیں لغت کی ہیں۔ ان میں سے ایک لغت ہم تک پہنچی ہے (جو ابن خَلکان کے وقت میں دس جلدوں پر مشتمل تھی)، جس کا نام تہذیب اللغة ہے۔ یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہوئی، لیکن اس کے مخطوطات لندن، استانبول اور ہندوستان میں موجود ہیں؛ دیکھیے فہرست، در براکلمان۔ یہ مجموعہ اس مسالے سے تیار کیا گیا ہے جو الازہری کو اپنے استاد المنذری سے ملا تھا۔ یاقوت (ارشاد، مقام مذکور) تو المنذری سے لغت کی ایک مکمل کتاب کی روایت کا بھی ذکر کرتا ہے۔ اس کتاب کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اس طریقے کو قائم رکھا گیا ہے جس کی طرح خلیل نے اپنی کتاب العین میں ڈالی تھی، یعنی اس میں مادوں کو عام رواج کے مطابق حروف تہجی کی عام ترتیب کے لحاظ سے نہیں بلکہ صوتی تقسیم کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے، اس طرح کہ ابتدا حلقی حروف سے کی گئی ہے اور انتہا حروف شفوی پر۔ تہذیب سے ابن منظور نے لسان العرب میں بکثرت استفادہ کیا ہے۔

مآخذ: (۱) یاقوت: ارشاد، ۶: ۱۹۷-۱۹۹ = مطبوعہ قاہرہ، ۱۷: ۱۶۴-
۱۶۷: (۲) ابن خَلکان، قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ۱: ۵۰۱ = طبع حُجی الدین، قاہرہ ۱۹۴۸ء، ۳:
۴۵۸-۴۶۲: (۳) Zetterstéen، در MO، ۱۴ (۱۹۲۰ء): ۱-۱۰۶: (۴) Kra-
emer، در Oriens، ۶ (۱۹۵۳ء): ۲۱۳: (۵) براکلمان، ۱۲۹: ۱، ۱۹۷۔
(R. BLACHÈRE بلاشیر)

الازہری: احمد بن عطاء اللہ بن احمد، علم بدیع و بیان پر ایک کتاب موسومہ *
نہایۃ الاعجاز فی الحقیقۃ والمجاز کا مصنف، جو ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں لکھی گئی۔
اس کتاب کا علم، جس پر مصنف کے بیٹے کی طرف سے ایک شرح بھی ہے، ایک
مخطوطے کے ذریعے ہوا، جس کی کیفیت Ahlwardt نے لکھی ہے؛ دیکھیے
براکلمان، ۲: ۲۸۷۔

(C. BROCKELMANN براکلمان)

الازہری: خالد بن عبد اللہ بن ابی بکر، مصری نحوی، صعید مصر میں بزرگوار
کے مقام پر پیدا ہوا (اسی سے "جرجادی" کی وہ نسبت ماخوذ ہے جو بعض اوقات
اس کے نام کے ساتھ استعمال ہوتی ہے) اور ۹۰۵ھ/۱۴۹۹ء میں قاہرہ میں وفات
پائی۔ وہ صرف و نحو کی ایک کتاب المقدمۃ الازہریۃ فی علم العربیۃ کا مصنف
ہے (مطبوعہ بولاق ۱۲۵۲ھ، جس کے ساتھ مصنف کی لکھی ہوئی شرح بھی ہے؛
جدید طباعتیں: بولاق ۱۲۸۷ھ اور قاہرہ ۱۳۰۷ھ، مع مختلف اساتذہ کے حواشی کے)۔

میں)؛ (۲۰)۔ سالانہ میزانیہ آمد و خروج بھی طبع کیا جاتا ہے؛ مقالہ نگار نے میزانیۃ الجامعة
الازہرو المعاهد الدینیۃ لسنة ۱۹۵۳-۱۹۵۴ء المالیۃ سے استفادہ کیا ہے، جس میں
شعبوں اور نصاب کے معیاروں وغیرہ کے مطابق اساتذہ اور معلمین کی تعداد درجہ وار دی
گئی ہے۔

(J. JOMIER)

* الازہری: ایک نسبت، جس سے عام طور پر وہ شخص مراد ہوتا ہے جس نے
جامعۃ الازہر [رک بان] قاہرہ میں تعلیم پائی ہو۔

* الازہری: ابراہیم بن سلیمان السنفی، جس نے ۱۱۰۰ھ/۱۶۸۸ء کے قریب
الرسالة المختارة فی المناہی الزیارة لکھا، جس میں اس نے ثابت کیا ہے کہ قبروں
کی زیارت کے وقت انھیں چھونا، بوسہ دینا یا ان پر لیٹ جانا خلاف شرع ہے
(دیکھیے Verzeichniss der arab Hss. der Kgl. Bibliothek zu Berlin، شماره ۶۲۹۴)۔ وہ ایک اور رسالے کا بھی مصنف
ہے، جس کا موضوع تھوکنے، بوسہ لینے یا بغل گیر ہونے سے متعلق فقہی احکام
ہیں۔ اس کا نام ر حیق الفز دوس فی حکم الزیق والبوس ہے (وہی کتاب، شماره
۵۵۹۶)۔
مآخذ: براکلمان، ۲: ۴۱۰۔

(C. BROCKELMANN براکلمان)

* الازہری: ابو منصور محمد بن احمد بن الازہر، عرب لغوی، ۲۸۲ھ/۸۹۵ء میں
بمقام ہرات پیدا ہوا اور ۳۷۰ھ/۹۸۰ء میں اسی مقام پر وفات پائی۔
الازہری اپنے ایک ہم وطن محمد بن جعفر المنذری (م ۳۲۹ھ/۹۴۰ء)، لغوی،
کا شاگرد تھا، جس نے خود ثعلب [رک بان] اور المبرد [رک بان] سے تلمذ کیا تھا
(دیکھیے یاقوت: ارشاد، ۶: ۲۶۴ = مطبوعہ قاہرہ، ۱۸: ۹۹ بعد)۔ معلوم ہوتا ہے
کہ وہ عنفوان شباب ہی میں عراق چلا آیا تھا۔ یاقوت کے بیان کے مطابق اس
نے بغداد میں نَفْطُوْیَہ سے صرف و نحو کی تحصیل کی، لیکن الزجاج اور ابن دُرَیْد سے
بہت کم استفادہ کیا۔ اگر شافعی فقہ کی اس فہرست کو صحیح تسلیم کر لیا جائے جو یاقوت
نے دی ہے اور جن کے متعلق فرض کیا جاتا ہے کہ وہ الازہری کے اساتذہ تھے تو
یقیناً اسے شافعی فقہ پر پورا عبور حاصل ہو گیا ہوگا۔ ۳۱۲ھ/۹۲۴ء میں جب وہ مکہ مکرمہ
سے کوفہ کی جانب حجاج کے ایک قافلے کے ساتھ واپس آ رہا تھا تو قافلے پر
قرامط [رک بان] نے الہبیر کے مقام پر حملہ کر کے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا اور بعض
کو قید کر لیا۔ الازہری دو سال تک بحرین کے بدویوں کے ہاں، جنھوں نے
قرمطیت اختیار کر لی تھی، قید رہا۔ ایک عبارت میں، جو یاقوت اور ابن خَلکان
نے نقل کی ہے، وہ بیان کرتا ہے کہ اس نے کس طرح ان بدویوں کے مابین اپنے
قیام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی زبان سیکھی، جو بقول اس کے نہایت شستہ

بقول صاحب تہذیب التہذیب وہ جانتے تھے تو صرف اسلام (لَمْ يَعْرِفْ إِلَّا الإسلام)۔ فتح خیبر کے بعد ان کا وظیفہ مقرر ہو گیا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو زمین نے میں ملی اس کے ایک حصے کے پھلوں اور غلے کی پیداوار میں ان کو بھی حصہ دیا گیا (جَعَلَ لَهُ سَهْمًا فِي الثَّمَرِ وَالْقَمْحِ مِنْ رَجْعِ الْأَرْضِ أَفَاءَهَا اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ بِخَيْبَرَ (ابن ہشام: سيرة، طبع و شتيفلت، ص ۷۵، ۷۶، ۷۷) اور جس کے انتظام کے لیے وہ اکثر وہاں تشریف لے جاتے۔ زندگی نہایت سادہ تھی۔ وفات پر کوئی مال و زر نہیں چھوڑا۔ عمر بھر دین کے خدمت گزار رہے۔ کسی فتنے سے آلودہ نہیں ہوئے۔ ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا۔

غزوہٴ اُحد پیش آیا تو ان کا سن دس گیارہ برس سے زیادہ نہیں تھا۔ جہاد میں شرکت کے آرزو مند تھے، لیکن بسبب کم عمری اجازت نہ ملی۔ مکہ معظمہ ۸ھ میں فتح ہوا، [دیکھیے صحیح بخاری، کتاب المغازی باب غزوة الفتح] تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ البخاری، کتاب المغازی، میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ناقہ پر سوار تھے۔ آپ کے جلو میں حضرت بلالؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ تھے اور ردیف میں حضرت اُسامہؓ۔

۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُسامہؓ کو اس جیش کا سردار مقرر فرمایا جو موتہ میں حضرت زیدؓ اور حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کے بعد تیار کیا گیا اور جس سے مقصود یہ تھا کہ اسلامی لشکر رومی علاقے میں یلغار کرے تاکہ سرحد فتنہ و فساد سے محفوظ ہو جائے، لیکن صحابہؓ نے ان کی نوعمری کے باعث ان کی سرداری پر اعتراض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر پہنچی تو باوجود علالت کے باہر تشریف لائے اور حضرت اُسامہؓ کے حق میں تقریر فرمائی۔ آپ نے حضرت اُسامہؓ کو اپنے دست مبارک سے علم عطا کیا تھا، لیکن وہ ابھی اپنی پہلی منزل گاہ بُرُف تک، جو مدینہ منورہ سے زیادہ دور نہیں، پہنچے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ اس خبر کو سن کر حضرت اُسامہؓ لوٹ آئے، مگر جس روز وہ مدینہ منورہ پہنچے مرض میں افاقہ تھا، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ پھر اپنی ہم پر روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح اور متعدد صحابہ کبار شریک لشکر تھے، لیکن حضرت اُسامہؓ ابھی بُرُف سے روانہ نہیں ہونے پائے تھے کہ حضرت امّ ایمنؓ کی اطلاع پہنچی کہ رحلت مصطفویؐ کا وقت قریب ہے، لہذا وہ مع لشکر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ بخاری، کتاب المغازی، میں ہے کہ انھوں نے حضورؐ کی تجہیز و تکفین میں شریک ہونے اور حضورؐ کا جسد اطہر قبر میں اتارنے کا شرف بھی حاصل کیا۔

حضرت ابوبکرؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا انھوں نے باوجود فتنہٴ ردہ کے، جس نے قبائل کو بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا، جیشِ اسامہؓ کو پھر تیاری کا حکم دیا، گو باعتبار ان کے سن و سال اور باعتبار حالات پھر اس کی مخالفت کی گئی۔ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ اس مہم کو کسی آزمودہ کار صحابی کے سپرد کرنا چاہیے، لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنی رائے پر قائم رہے۔ انھوں نے فرمایا یہ

الازہری نے صرف و نحو پر متعدد کتابیں لکھی، نیز ابن مالک [رک بان] کی الفیہ پر ابن ہشام کی شرح پر شرح اور ابو بصیر [رک بان] کے [قصیدہ] بردہ اور آجزومیہ کی شرحیں بھی لکھی ہیں۔ الازہری کو اپنے وقت میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ السیوطی کا شمار اس کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔

مآخذ: (۱) براکلمان، ۲: ۲۷۷؛ (۲) سرکیس: معجم المطبوعات العربية، ص ۸۱۱۔

(C. BROCKELMANN براکلمان)

* اَزْمِيْتُ : رَكَتٌ بِسَمْتٍ .

* اَزْمِيْكُ : رَكَتٌ بِحُجُومٍ .

* اَسَاْسُ : رَكَتٌ بِسَمْعِيْلِيَّةٍ .

* اِسَافٌ : كَلَّةٌ كَيْفَ اِيْكُ كَانَامٌ ، جَسْ كَاذِكْرُ تَقْرِيْبًا هِرْجَكُهْ نَاكَلَهْ كَيْ سَاثَهْ كِيَا جَاتَا هَيْ . روايت یہ ہے کہ یہ دو نام قبیلہٴ ہجر ہم کے ایک مرد اور ایک عورت کے ہیں، حرم کعبہ کے اندر بدکاری کے مرتکب ہوئے اور اس کی پاداش میں پتھر بن گئے۔ ابتدا میں انھیں الصفا اور المروہ پر رکھ دیا گیا تاکہ دوسروں کے لیے باعث عبرت ہوں، لیکن بعد میں عمر بن لُحی کے حکم سے ان کی پرستش ہونے لگی اور اس وجہ سے انھیں دو مقدس پتھر سمجھا جانے لگا، لیکن ان کے ناموں کی [کوئی معقول] توجیہ ابھی تک نہیں ہو سکی۔ اس بارے میں جو کوششیں کی گئی ہیں ان کا بیان ڈوزی: (Dozy): *De Israelieten te Mekka*، ص ۱۹۷ میں موجود ہے۔

مآخذ: (۱) Wellhausen: *Reste Arab. Heidenthums*، بار دوم، ص ۷۷۔

* اِسَاكُ : (ISAAC)، رَكَتٌ بِسَمْتٍ .

⊗ اُسامہؓ: بن زید بن حارثہ بن شریل [شریحیل] ہے۔ دیکھیے ابن الاثیر: *أسند الغابة*؛ ابن حجر، *الاصابة في تمييز الصحابة* (ترجمہ اسامہ بن زید) [الکلبی الباشمی۔ اسامہ نام ہے، ابو محمد (اور ابو زید) کنیت، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب“ لقب (ابن حجر: تہذیب التہذیب؛ ابن الاثیر: *أسند الغابة*، بذیل مادہ)۔ حضرت بَرَكَةُ امّ ایمنؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کھائی تھیں۔ والد حضرت زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور منہ بولے بیٹے تھے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا شرف ان کو والدین سے ورثے میں ملا۔ انھوں نے اسلام ہی میں آنکھ کھولی اور کفر و شرک کی آلودگیوں سے کبھی ملوث نہیں ہوئے؛

۹-۱۲، ۳، ۷، ۱۰۶-۱۱۱ و بذیل ۲۳ھ: ص ۱۵۶، شمارہ: (۱۲) Miednikoff: Pale-
 ۱:stina: ۳۶۳-۳۸۴: (۱۳) ولہا وزن (Wellhausen): Muhammad:
 in Medina ص ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۶، (۱۴) Faṭima: Lammens ص
 ۲۰، ۲۸، ۳۱، ۴۲، ۱۰۳-۱۰۶، ۱۰۷، ۱۴۰: (۱۵) شاہ معین الدین ندوی: مہاجرین، حصہ
 دوم، دارُ المصنّفین اعظم گڑھ۔

(سید نذیر نیازی)

اُسامہ بن مُرشد: بن علی بن مُقلد بن نُصر بن مُنقذ الشیخری الکلبانی، *
 ایک جنگ آزمودہ عرب شاہ سوار اور ادیب و شاعر، جو ۸۸ھ/ ۱۰۹۵ء میں بمقام
 شیخِر (صلیبیوں کا سیزارہ Sizara) پیدا ہوا۔ یہ جگہ ملک شام میں حماة کے شمال
 میں [۱۵ میل کے فاصلے پر] واقع ہے۔ [مختلف زمانوں میں اس شہر کے نام میں
 تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح اس شہر کا نام سیزار یا سیزار تھا؛ بعد
 کے مصادر میں یہ نام زَنزَار کی شکل میں ملتا ہے۔ قدیم یونانی اسے سڈزارا اور
 بونڈلی سیزر کہتے تھے۔ اواخر قرن رابع قبل مسیح میں یہ نام شیخِر ہوا۔ امر و القیس کے
 ایک شعر میں شیخِر کا لفظ استعمال ہوا ہے:

تقطع اسباب اللبانة والهوى

عشية زحنا من حماة و شيزرا

عبید اللہ بن قیس الرقیات کہتا ہے:

فَوَا حَزَنًا اِذَا فَارَقُونَا وَ جاوروا

سوی قومهم اعلى حماة و شيزرا

(یا قوت: معجم البلدان، ۳: ۳۵۳)

آج کل یہ شہر شیخِر کے نام سے مشہور ہے۔ [بنو منقذ کے رئیسوں کا
 دار الحکومت یہیں تھا۔ یہ لوگ مُنقذی امرا کہلاتے تھے۔

[اس خاندان کی ابتدا ایک کنعانی عرب منقذ سے ہوئی، جس کا سلسلہ نسب
 یعرب بن قحطان تک پہنچتا ہے۔ تاریخ کے اوراق بانی خاندان منقذ اور اس کے
 بیٹے نصر کے متعلق خاموش ہیں۔ اس خاندان کے پہلا فرد، جس کے متعلق ہمیں
 اطلاعات ملتی ہیں، ابوالمتوج مخلص الدولہ مقلد ابن نصر (م ۴۵۰ھ) ہے، جو اپنے
 خاندان اور قبیلے میں اپنی جرأت، شجاعت، جود و سخا اور علم نوازی نیز دوسری
 خصوصیات کی بنا پر نہایت ممتاز تھا (وفیات الاعیان، ۲: ۱۱۸؛ لباب الآداب، ص
 ۳۶۸)۔ اس کا بیٹا عزالدولہ سدید الملک ابوالحسن علی (م ۴۵۵ھ) علم و ادب کا
 مربی اور سرپرست تھا۔ ابن الحیاط الحفاجی کے دیوان میں اس کی مدح میں متعدد
 قصائد ملتے ہیں۔ یہ خود بھی شاعر و ادیب تھا (وفیات الاعیان، ۱: ۳۶۷؛ راغب
 الطبری: اعلام النبلاء فی تاریخ حلب، ۴: ۲۱۱)۔ ابن عساکر کی روایت کے
 مطابق وہ شام میں لغت اور نحو میں سند کا درجہ رکھتا تھا (ابن القلائسی: تاریخ
 دمشق، ص ۱۱۴، لٹرن ۱۹۰۸ء)۔ اس کے اشعار کے کچھ نمونے یا قوت الحموی
 اور ابن خَلکان نے نقل کیے ہیں (معجم الادباء، طبع مرحلیوٹ، ۲: ۱۸۹؛ وفیات
 الاعیان، ۱: ۳۶۷)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے جس سے سرتابی ممکن نہیں؛ لہذا حضرت
 اُسامہؓ پھر اس مہم پر روانہ ہو گئے اور ارض شام میں دور تک یلغار کرتے ہوئے اپنی
 تک پہنچ گئے۔ یہ وہ قریہ ہے جسے آج کل خان الرزیت کہتے ہیں۔ چند روز الحمزہ
 میں کہ دمشق کے قریب ایک قریہ ہے قیام فرمایا (تہذیب التہذیب، بذیل ماڈہ)۔
 اس کامیاب مہم پر کہ ایک طرح سے شیخِر شام کی تمہید تھی، مدینہ منورہ میں خوشی کی
 لہر دوڑ گئی۔ وہ مدینہ منورہ واپس آئے اور کچھ دنوں کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ
 فتنہ ردہ کے سلسلے میں الابرق تشریف لے گئے تاکہ باغی قبائل کی سرکوبی کریں
 (بقول طبری واقعہ ذوالقعدہ) تو انھوں نے حضرت اسامہؓ ہی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔
 عہد فاروقی میں جب حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ اپنے صاحب زادے
 حضرت عبداللہؓ کی یہ نسبت زیادہ مقرر کیا اور حضرت عبداللہؓ کو اس پر اعتراض ہوا
 تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”كَانَ أَحَبُّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ مِنْكَ وَأَبْوَةٌ أَحَبُّ إِلَى
 رَسُولِ اللَّهِ مِنْ أَبِيكَ“ (ابن الأثیر: اسد الغابہ، بذیل ماڈہ) (وہ رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے زیادہ عزیز تھے اور ان کا باپ تیرے باپ سے زیادہ عزیز تھا)۔
 حضرت عثمانؓ کے زمانے میں فتنہ و فساد کو تحریک ہوئی تو حضرت اسامہؓ
 باحیاط اس سے الگ رہے۔ انھوں نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی اور امیر
 معاویہؓ کے خلاف ان کی معرکہ آرائیوں سے بھی کنارہ کش رہے، لیکن حضرت علیؓ
 کو حق پر جانتے تھے اور بالآخر اپنی غیر جانب داری پر نادم بھی ہوئے (مقامات
 حتّٰی تَابَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى مِنْ تَخَلُّفِهِ عَنْ عَلِيٍّ كَرَمَ اللَّهُ وَجْهَهُ، الاستيعاب،
 بذیل ماڈہ)۔

حضرت اُسامہؓ کی وفات ۵۴ھ میں، یعنی امیر معاویہؓ کے آخری زمانے
 میں ہوئی، جب وہ جرف میں مقیم تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے
 ۵۸ھ میں انتقال فرمایا۔ مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔

انھوں نے متعدد شادیاں کیں اور کثیر الاولاد تھے۔ فضائل اخلاق میں اُن
 کا درجہ بڑا بلند ہے۔ زُہد و تقویٰ میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت ابوذرؓ
 غفاریؓ سے مشابہ تھے۔ ان کی ساری تربیت کا شانہ نبویؐ میں ہوئی۔ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب، رازدار اور معتد علیہ تھے، لہذا صحابہؓ میں ان کی ذات
 ایک طرح سے منفرد تھی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اُن کو بہت عزیز رکھتے
 تھے۔ صحابہؓ میں بھی اُن کا بڑا احترام تھا۔ اُن کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ انھوں
 نے متعدد احادیث روایت کی ہیں۔

مآخذ: (۱) ابن حجر: تہذیب التہذیب؛ (۲) وہی مصنف: الاصابة؛ (۳) ابن
 الأثیر: اسد الغابہ، ۱: ۶۴؛ (۴) ابن عبدالبر: الاستيعاب؛ (۵) البخاری: الصحيح، کتاب
 المناقب؛ (۶) ابن سعد: طبقات، ۱/۴: ۴۲-۵۱؛ (۷) البلاذری: ص ۴۳، ۴۵، ۴۸؛ (۸)
 الخزرّجی: خلاصة التہذیب، طبع اول، قاہرہ ۱۳۲۲ھ، ص ۲۲؛ (۹) الطبری، طبع دخویہ
 (d. Goeje)، ۱: ۲۹۴، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷،
 ابن ہشام: طبع ڈیٹنہٹ، ص ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹،
 ۱۰۱۸: (۱۱) کاتبانی (Caetani): Annali dell' Islam، بذیل ۱۱ھ، ص ۳-۵،

اس کی پیدائش سے چار برس پہلے صلیبیوں نے یروشلم پر قبضہ کر لیا تھا، لیکن اس کی وفات سے ایک سال پہلے [سلطان] صلاح الدین ایوبی نے اسے دوبارہ فتح کر لیا۔ عمر بھر فرنگیوں کے ساتھ اس کے تعلقات کبھی معاندانہ اور کبھی دوستانہ رہے۔

پندرہ برس کی عمر میں اسے شیزر کی حفاظت کرنے کے لیے ٹینکیر ڈی فوجوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ فوجیں انطاکیہ سے حملہ آور ہوئی تھیں۔

اپنے والد کی تقلید میں، جو محض ایک مجاہد ہی نہیں، بلکہ شکارچی بھی تھا اور خطاط بھی، اُسامہ نے بھی اپنا وقت جہاد، سیر و شکار اور تحصیل علم و ادب میں صرف کیا۔ وہ نو برس (۱۱۲۹-۱۱۳۸ء) تک موصل کے اتابک زنگی کی فوج میں رہا، لیکن اپنے والد کے انتقال (۵۳۱ھ) کے بعد اُسے شیزر چھوڑنا پڑا، کیونکہ جب اس کا چچا [عزالدولہ ابوالعسا کر، سلطان] شیزر کا حاکم ہوا تو وہ اُسامہ کی حربی شہرت کی بنا پر اپنے بیٹوں کی خاطر اُس سے حسد کرنے لگا؛ چنانچہ اُسامہ نے چھ برس (۱۱۳۸-۱۱۴۲ء) بُوری حکمرانوں کے پاس دمشق میں گزارے۔ جب حکومت یروشلم سے معاہدات کے بعد تعلقات پُر امن ہو گئے تو اسے فرنگیوں کے ساتھ شناسائی کے مواقع پہلے سے بھی زیادہ حاصل ہو گئے؛ چنانچہ بہت سے فرسان قدس (الداویہ Templars) کے ساتھ اس کی دوستی ہو گئی۔

اس کے بعد وہ [۵۳۹ھ میں] دمشق سے مصر چلا گیا، جہاں فاطمیوں کی حکومت اپنے دن گن رہی تھی۔ یہاں پہنچ کر (۱۱۴۴ اور ۱۱۵۴ء کے درمیان) وہ سازشوں میں الجھا رہا اور اس نے فلسطین میں صلیبیوں کے خلاف متعدد مہموں کی سربراہی کی۔ بالآخر دس برس کے قیام کے بعد اُسے [بادل ناخوستہ] قاہرہ چھوڑنا پڑا۔ راستے میں اس کی کتابوں کا تمام ذخیرہ ضائع ہو گیا، جس میں چار ہزار سے زیادہ مخطوطات تھے۔

دمشق میں دوسری دفعہ آباد ہونے کے بعد وہ اپنے سابق مرہب سلطان زنگی کے فرزند اور مشہور مجاہد سلطان نور الدین کی معیت میں متعدد بار فرنگیوں کے خلاف معرکہ آرا ہوا (۱۱۵۴-۱۱۶۳ء)۔ پھر ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء میں ایک ہولناک زلزلے سے اس کا گھر بالکل تباہ ہو گیا۔ اس کے تین برس بعد، یعنی ۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء میں، اس نے حج اور عتبات عالیہ کی زیارت کی۔ اس کے بعد اُس نے دس برس، یعنی ۱۱۶۴ء سے لے کر ۱۱۷۴ء تک کا زمانہ حصن کیفا میں قرہ آرسلاں اُزٹقی کے ساتھ گزارا اور زیادہ تر علمی کاموں میں مشغول رہا۔ اس عرصے میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے خلاف جنگوں میں نام پیدا کر لیا تھا۔ سلطان کی شہرت نے اُسامہ کو تیسری بار دمشق کھینچ بلایا اور یہیں بڑی عمر کو پہنچ کر اُس نے رمضان ۵۸۴ھ/ نومبر ۱۱۸۸ء میں وفات پائی۔ اس کا مزار کوہ قاسیوں پر واقع ہے، جس کی زیارت سو برس کے بعد مشہور مؤرخ ابن خلکان نے کی تھی۔

اُسامہ ایک ایسے خاندان کا فرد ہے جس کے افراد کا ذکر ادبی تصانیف میں اکثر کیا جاتا ہے (مثلاً دیکھیے یاقوت: معجم الادباء، ۲: ۱۷۳-۱۹۷)۔ اُسامہ

کے والد مجد الدین ابوسلامہ مرشد (۴۶۰-۵۳۱ھ) قرون وسطیٰ میں امارت اور سرداری کی ساری خصوصیات سے متصف تھے۔ شجاع، فیاض اور فنون جنگ میں ماہر ہونے کے علاوہ ادبیات اور فنون لطیفہ میں بھی اچھی دسترس رکھتے تھے۔ وہ بہت اچھے خطاط تھے۔ ان کی وفات کے بعد قرآن پاک کے تینتالیس نسخے ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے موجود ملے، جن میں دو نسخے مذبذب و مُطالعات میں سے بعض خطاطی کے بہترین نمونے کہے جاسکتے تھے [اُسامہ بن منقذ: کتاب الاعتبار، ص ۵۳، طبع فیلیب حتی (Hitti)، ۱۹۳۰ء]۔ خود اُسامہ نے بھی ایک شاعر و ادیب ہی کی حیثیت سے شہرت پائی۔ اس کا دیوان دو جلدوں پر مشتمل ہے [یہ دیوان ابن خلکان کی نظر سے گزرا تھا اور اس نے اس کے مُنتخبہ اشعار بھی اپنی کتاب میں دیے ہیں۔ یہ نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ ابوشامہ الذہبی اور عماد الاصفہانی نے بھی اس کا دیوان دیکھا تھا اور ان مصنفین نے اپنی تصانیف کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین، (قاہرہ ۱۲۸۷ھ)، تاریخ الاسلام (نسخہ رضائیہ رام پور) اور فریدۃ القصر و جریدة اهل العصر (نسخہ کتب خانہ ملی پیرس) میں اُسامہ کے اشعار نمونے کے طور پر درج کیے ہیں]۔ دیوان اُسامہ الیافعی (م ۶۸ھ/ ۱۳۶۷ء) کے زمانے میں موجود تھا اور انھوں نے اس کا مطالعہ کیا ہے (دیکھیے مرآة الجنان، ۳: ۴۲۷) [آٹھویں صدی ہجری کے بعد بظاہر یہ دیوان گم ہو گیا، کیونکہ الیافعی کے بعد کوئی شخص اس کے دیکھنے کا مدعی نہیں]۔ درانبورخ (Derenbourg) نے اس کے کچھ اشعار گوتھا (Gotha) کے نامکمل نسخے اور متعدد شعری مجموعوں سے جمع کر کے شائع کیے ہیں (Ousama b. Mounkidh، ج ۱، La vie d' Ousama، پیرس ۱۸۸۹-۱۸۹۳ء، ص ۳۳۶-۳۳۸، ۳۳۸-۵۲۳، ۵۲۳-۵۶۲) [لیکن اس میں اشعار کی تعداد بہت کم ہے۔ اُسامہ کی اہمیت اور دیوان کی نایابی کے پیش نظر ۱۹۴۹ء میں الاستاذ عبدالعزیز المیمنی کی نگرانی میں مختار الدین احمد نے قلمی اور مطبوعہ مصادر سے اُسامہ کے اشعار جمع کر کے ایک دیوان مرتب کیا تھا (دیکھیے دیوان شعر الامیر مؤید الدولۃ اُسامہ بن منقذ الشبیری، نتفہ و اقتطفہ من المظان المطبوعۃ والمخطوطۃ مختار الذین احمد لنیل شہادۃ الاستاذیۃ (M. A.) فی اللغۃ العربیۃ و آدابہا تحت اشراف الاستاذ عبدالعزیز المیمنی، نسخہ خطی محضونہ کتاب خانہ جامعہ علی گڑھ)۔ کچھ عرصے کے بعد دارالکتب المصریہ کو دیوان کا ایک نسخہ، مکتوبہ ۶۸۸ھ، ہاتھ لگا۔ اس پر ایک مضمون مجلہ کتاب، ۳: ۵۰۶ میں شائع ہوا ہے۔ اسے قاہرہ سے ۱۹۵۳ء میں احمد البدوی اور حامد عبدالحمید نے شائع کیا۔ دیوان مطبوعہ سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ مختار الدین احمد کے مرتب کردہ شعری مجموعے میں بہت سے ایسے اشعار موجود ہیں جن کا پتا دیوان مطبوعہ میں نہیں، اس لیے اس مجموعے کی اہمیت اب بھی باقی ہے۔ دیوان کے کچھ اور نسخے بھی بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں، جن کا علم دیوان کے مرتبین کو نہیں۔ دیوان اُسامہ کے ایک مکمل اور علمی تنقیدی ایڈیشن کی ضرورت اب بھی باقی ہے]۔ اس کی تصانیف میں بارہ کے قریب کتابوں کا ہمیں

ہم اب ایک اور نسخے کا بھی اضافہ کر سکتے ہیں جو لینن گراڈ کے Asiatic Museum میں موجود ہے (دیکھیے Kratschkovskysky، [درمجلۃ المجمع العلمی العربی، دمشق ۱۹۲۵ء، ص ۳۳۵] و [Zapiski، طبع دوم، ۱: ۳-۴]۔) [یہ کتاب اب احمد البدوی، حامد عبدالجید کی تحقیق اور ابراہیم مصطفیٰ کی مراجعت کے بعد قاہرہ سے ۱۹۶۰ء میں شائع ہو گئی ہے، اس کا ایک اختصار، بعنوان مختصر مقدمة الشعر، لائڈن میں محفوظ ہے۔ یہ رسالہ بھی اب مصر سے شائع ہو گیا ہے]۔ اُسامہ کی ایک تصنیف کتاب العصاء بھی ہے۔ [مرجلیوٹ (D. S. Margoliouth) نے اپنی معجم الادباء [از یاقوت] کی طباعت (۱۸۱:۲) اور احمد محمد شاہ کرنے مقدمہ لباب الاداب میں غلطی سے اس کتاب کا نام کتاب القضاء لکھا ہے۔] اس میں نثر و نظم کے متعدد اقتباسات ہیں، جن میں ان تمام ”عصاؤں“ کا ذکر ہے جنہیں تاریخ، [ادب] یا افسانے میں اہمیت حاصل ہو گئی (درانورغ (Derenbourg): کتاب مذکور، ۱: ۳۳۴-۳۳۶ اور ۴۴۹-۵۴۲)۔] اس کتاب کے نسخے لائڈن اور قاہرہ میں محفوظ ہیں۔ مختار الدین احمد، جامعہ علی گڑھ، نے ایک نسخہ کتب خانہ خدا بخش، بانکی پور میں تلاش کیا ہے، جس کا ذکر وہاں کی فہرست میں موجود نہیں۔ اس کے سرورق پر مصنف کا نام ابو الحسن یوسف بن رافع بن شذاد لکھا ہوا ہے۔ [اس پر اس قلمی نسخے کا بھی اضافہ کر سکتے ہیں جو میلان میں موجود ہے اور یمن سے آیا ہے (دیکھیے Griffini، در ZDMG، ۶۹، ۱۹۱۵ء): ۳۷] کتاب العصاء کو عبدالسلام ہارون نے نوادر المخطوطات (حصہ دوم، ص ۱۷۵-۲۱۵) میں قاہرہ سے ۱۹۵۱ء میں شائع کر دیا ہے۔

ابھی حال میں اُسامہ کی ایک اور کتاب بھی ملی ہے، جس کا اب تک علم نہیں تھا، یعنی کتاب المنازل والذیاب (مصنف کا خود نگاشتہ نسخہ، محررہ ۵۶۸ھ/۱۱۷۲ء، در حصن کیفا)۔ یہ نسخہ لینن گراڈ کے ایشیا ٹک میوزیم میں ملا ہے۔ اس انتخاب کا باعث وہ زلزلہ ہوا جو اگست ۱۱۰۷ء میں آیا تھا اور اس میں منازل، دیار، مغانی، اطلال، ریح، دمن اور رسم وغیرہ کے بارے میں ہر قسم کے اقتباسات ہیں۔ اس قلمی نسخے کا حال Kratschkovsky نے شائع کیا ہے اور متن کے بہت سے اقتباسات بھی نقل کر دیے ہیں (Zapiski، طبع ثانی، ۱: ۱۸-۲۰) نیز دیکھیے اسی مصنف کا مقالہ مجلۃ المجمع العلمی العربی (جولائی ۱۹۲۵ء) میں۔ اس کتاب کا ٹکس روسی مقدمے اور حواشی کے ساتھ انس خالدوف نے ۱۹۶۱ء میں لینن گراڈ سے شائع کیا ہے۔ اس کا تحقیقی و تنقیدی متن مختار الدین احمد اشاعت کے لیے مرتب کر رہے ہیں۔ اُسامہ کی ایک اور تصنیف کا ایک قلمی نسخہ لباب الادب کے نام سے ۵۹۸ھ کا لکھا ہوا قاہرہ میں یعقوب صروف، مدیر رسالہ المقتطف، کے پاس ہے۔ اس کے متعلق ہمیں تفصیلات ابھی نہیں ملیں [یعقوب صروف نے اس کتاب پر ایک سلسلہ مضامین سپرد قلم کیا ہے، جو المقتطف کے دسمبر ۱۹۰۷ء، اپریل اور مئی ۱۹۰۸ء کے شماروں میں شائع ہوئے ہیں۔ اس کتاب کا ایک اور نسخہ، مکتوبہ ۱۰۶۲ھ، دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔ احمد محمد شاہ نے ان دونوں نسخوں کی مدد سے

علم ہے (قب درانورغ (Derenbourg)، کتاب مذکور، ص ۳۳۰-۳۳۹)، لیکن اس وقت ان میں سے صرف پانچ موجود ہیں [اب اس کی دو اور کتابوں کا پتا چلا ہے۔ یہ تجرید مناقب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب لابن الجوزی اور تجرید مناقب عمر بن عبدالعزیز لابن الجوزی ہیں۔ اول الذکر کتاب کا ایک نسخہ کتاب خانہ برلن میں دوسری عالمگیر جنگ کی ابتدا تک محفوظ تھا اور غالباً اب بھی مار برگ یا ٹوبنگن میں موجود ہوگا۔ اس کا ایک نسخہ دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔ دوسری کتاب کا نسخہ برلن (شمارہ ۹۷۵۹) اور کتب خانہ تیوریہ (تاریخ: ۱۵۱۳) میں اور اس کا مائیکروفلم مہد الخطوط قاہرہ (تاریخ: ۵۲۲؛ فلم شمارہ ۶۰۳) میں محفوظ ہے]۔

اس کی سب سے زیادہ قابل توجہ اور دلچسپ تالیف کتاب الاعتبار ہے، جس کی اہمیت ادب عربی کے عام دائرے سے بہت زیادہ دور تک پہنچتی ہے۔ اس میں اس کی یادداشتیں ہیں اور اس کے زمانے کی جیتی جاگتی تصویر ہے، جس سے امن اور جنگ دونوں زمانوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب کا صرف ایک ہی قلمی نسخہ معلوم ہے، جسے درانورغ نے اسکوریال (Escorial) میں دریافت کیا (دیکھیے Comment J' ai découvert en 1880 à l'Escorial le manuscrit arabe contenant l'autobiographie d' Ousama b. Mounkidh، جو شو مان (G. Schuman) کے جرمن ترجمے کا مقدمہ ہے، دیکھیے نیچے)۔ اس کتاب کا مکمل ترجمہ چار مرتبہ کیا گیا ہے، فرانسیسی میں درانورغ نے (پیرس ۱۸۹۵ء)، جرمن میں G. Schumann نے (Innsbruck ۱۹۰۵ء)، روسی میں سیلیبر (Salier) نے (مع مقدمہ، تعلیقات و فہرست کتب متعلقہ، از I. Kratschkovsky، پیٹرو گراڈ (Petrograd) ۱۹۲۲ء) اور انگریزی میں جتی (Hitti) نے (نیویارک ۱۹۲۹ء) [اس کتاب کا ایک اور انگریزی ترجمہ G. R. Potter نے ۱۹۲۹ء ہی میں لائڈن سے شائع کیا۔ کتاب الاعتبار کا اردو ترجمہ مختار الدین احمد جامعہ علی گڑھ نے مکمل کر لیا ہے اور عنقریب شائع ہوگا۔ اس کتاب کا عربی متن پہلی مرتبہ درانورغ نے لائڈن سے ۱۸۸۴ء میں اور فلپ جتی نے جامعہ پرنسٹن (امریکہ) سے ۱۹۳۰ء میں شائع کیا۔ ابھی حال میں جتی (Hitti) کے ایڈیشن کو ٹکس کے ذریعے چھاپ کر شائع کیا گیا ہے]۔

اُسامہ کی بقیہ تصنیفات صرف قلمی نسخوں کی شکل میں پائی جاتی ہیں۔ اس نے فن شعر پر بھی ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام البدیع فی البدیع ہے (بعض نسخوں پر نام البدیع فی نقد الشعر درج ہے، دیکھیے مخطوطات دارالکتب المصریہ، ۴: ۱۲۴)۔ درانورغ نے (برلن، لائڈن اور قاہرہ کے) تین نسخوں کی مدد سے اس کا حال لکھا اور اس کے اقتباسات دیے ہیں (کتاب مذکور، ص ۲۳۰-۳۳۱، ۶۹۱-۷۲۲)۔ [اس کتاب کا ایک قدیم نسخہ، ۱۱۷۷ھ کا لکھا ہوا، مکتبہ بلدیہ اسکندریہ میں محفوظ ہے، اس کی کتابت یوسف بن نعمان بن یوسف الماردینی نے کی ہے]۔ ان نسخوں میں

أسامة بن منقذ؛ (۸) مختار الدین احمد: دیوان أسامة بن منقذ (دیکھیے اوپر)؛ (۹) الزرکلی: الاعلام، طبع ثانی، ۱۹۵۹ء، ۲۸۲:۱؛ (۱۰) عمر رضا کتال: معجم المؤلفین، دمشق ۱۹۵۷ء، ۲۲۵:۲؛ (۱۱) احمد البدوی: الحياة الادبية في عصر الحروب الصليبية بمصر والشام، ص ۱۷۱-۱۸۸؛ (۱۲) عماد الاصفهانی: خريدة القصر (قسم الشام، ۱: ۴۹۸-۵۷۲)، تحقیق الدكتور شكري فيصل، دمشق ۱۹۵۵ء.]

(IGN. KRATSKHOVSKY [ومختار الدین احمد])

اسپرتہ: (ابن بطوطہ میں سبرتا؛ عہد نامہ جدید، اعمال رسل، باب ۲۱، * آیت ۱ کے عربی ترجمے میں یونانی پیخرہ (Patara) کی جگہ سبارطہ (قَب) ZDMG، ۱۹۰۹: ۳۱۷)، قدم (Nat. Hist. Pliny) Baris Pisidiae، ج ۵، فصل ۱۴؛ Potlemy، ج ۵، فصل ۵)، تونیہ کے سلجوقیوں نے قلیج آرسلان ثالث (۶۰۰-۶۱۰ھ/۱۲۰۳-۱۲۰۴ء) کے عہد میں فتح کر کے بوزنطیوں سے لے لیا (Houtsma: Rec. de textes rel. à l' Hist. des Seldjoucides، ۳: ۶۲ = ۲۶: ۴)۔ تونیہ کی سلطنت کے زوال کے بعد اسپرتہ حمید اوغلو [رٹ بان] کے قبضے میں چلا گیا اور ۷۸۳ھ/۱۳۸۱-۱۳۸۲ء میں اس خاندان کے آخری حکمران نے اس شہر کو اپنی املاک کے بیشتر حصے کے ساتھ سلطان مراد اول کے ہاتھ فروخت کر دیا (Leunclavius: Hist.، ص ۲۳۸؛ سعد الدین، ۱: ۹۸)۔ سلطنت عثمانیہ کے زیر حکومت اسپرتہ حمید اہلی کے سخت بے کی جائے سکونت تھا اور آج کل یہ شہر حمید آباد کے متصرف اور پسی ڈیا (Pisidia) کے یونانی اُسقفِ اعظم کا صدر مقام ہے۔ اس خوش حال شہر کی آبادی تقریباً ۳۰۰۰۰ ہے، جس میں ۶۰۰۰ یونانی اور ۱۵۰۰ ارمنی ہیں۔ یہاں متعدد مساجد (۱۳ جامع، ۶۳ [عام] مسجدیں) ہیں، جن میں سے مسجد فردوس بے [مشہور ترکی معمار] سنان کی تعمیر کردہ ہے، ۹ مدرسے اور ایک کتب خانہ ہے، جس میں ۶۰۰ کتابیں ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں ۸ یونانی گرجے اور ایک ارمنی گرجا بھی ہے۔ مقدمہ الذکر دل چسپی سے خالی نہیں ہیں۔ یہاں کی مصنوعات میں قالین (۶۰۰ کھڈیاں) الجبہ اور بونفاسی (۲۵۰ کارخانے)، ریشم، عطر گلاب اور الکحل قابل ذکر ہیں۔

ماخذ: (۱) ابن بطوطہ (مطبوعہ پیرس)، ۲: ۲۶۶؛ (۲) کاتب چلبی: جہان نیا، ص ۶۳۹ بعد؛ (۳) Paul Lucas: Voyage dans la Grèce, l'Asie، ص ۱۸۲۸؛ (۴) Arundell: Mineure, la Macédoine etc.، ص ۲۴۶؛ (۵) وی مصنف: Discoveries in Asia Minor، لنڈن ۱۸۳۴ء، ص ۱۱۸-۱۳۲؛ (۶) وی مصنف: Researches، Hamilton، ۱: ۴۸۳؛ (۷) Sarre: ۳۳۶ بعد؛ (۸) Cuinet: Reisen in Kleinasien، ص ۱۶۷ بعد؛ (۹) Laborde: Voyage d'Asie، ص ۸۵۰ بعد؛ (۱۰) d'Asie، ص ۱۰۶۔

(J. H. MORDTMANN)

اس کا متن تیار کر کے ۱۹۳۵ء میں قاہرہ سے شائع کیا ہے]۔

[أسامة کی اولاد میں صرف ایک بیٹے عضد الدین ابو الفوارس مَرْهَف بن أسامة (۵۲۰ھ-۶۱۳ھ) کا ذکر معاصر مؤرخین اور بعد کے مصنفین نے کیا ہے۔ اس کے تعلقات خاندان ابوبی سے بہت گہرے تھے۔ وہ سلطان صلاح الدین کا ندیم و انیس تھا (خریدۃ القصر، ۱: ۱۴۹۹) اور وہ اور ملک العادل سے عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے (معجم الأدباء، ۱: ۱۹۷)۔ یا قوت الحموی سے مرہف کی ملاقات قاہرہ میں ۶۱۳ھ میں ہوئی، جبکہ اس کی عمر ۹۲ سال کی ہو چکی تھی۔ اس عمر میں بھی اس کی یادداشت، ذہانت اور ظرافت لوگوں کے لیے حیران کن تھی۔ ابو شامہ (کتاب الروضین فی اخبار الدولین، ۱: ۲۲۵)، عماد الاصفهانی (خریدۃ القصر، قسم الشام، ۱: ۴۹۹، ۵۷۱) اور یا قوت الحموی (معجم الأدباء، ۵: ۱۴۳) نے اس سے ملاقات کا حال اور اس کے اشعار اپنی کتابوں میں درج کیے ہیں۔

أسامة کے ایک اور بیٹے ابوبکر کا پتا دیوان أسامة بن منقذ (قاہرہ ۱۹۵۱ء) کی داخلی شہادتوں سے چلتا ہے۔ ابوبکر کا انتقال صغریٰ میں ہو گیا تھا اور معلوم ہوتا ہے أسامة کو اس سے بڑی محبت تھی۔ اس کے متعلق اس نے جو درد بھرے شعر لکھے ہیں وہ دیوان میں دیکھے جاسکتے ہیں (دیوان، قطعات، شمارہ ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۱۵، ۵۱۶، خریدۃ القصر، ۱: ۵۱۳)۔

أسامة کے ایک بیٹے متیق کے مرثیے کے تین شعر عماد الاصفهانی نے خریدۃ القصر (۱: ۵۴۶) میں نقل کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا بھی أسامة کی زندگی میں اسے داغ مفارقت دے گیا تھا۔ اس بیٹے کے متعلق کسی اور ماخذ سے کوئی اطلاع نہیں مل سکی]۔

ماخذ: (۱) أسامة کے سوانح حیات اور اس کی تالیفات و تصنیفات کے متعلق اہم ترین مواد درانورخ (Derenbourg) نے اپنی مبسوط تالیف میں جمع کر دیا ہے (دیکھیے اوپر)۔ اسی نے أسامة کے متعلق الگ الگ متعدد مقالے بھی لکھے ہیں (قَب براکلمان، ۱: ۳۲۰)۔ یہ مقالے اس کی کتاب Opuscules d' un arabisant (پیرس ۱۹۰۵ء، ص ۳۱۳-۳۳۶) میں دوبارہ شائع ہوئے: (۲) ان مقالوں اور ان کے بعد کی تصنیفات، نیز اہم تیسروں کا، جو ان کتابوں پر لکھے گئے، ذکر Ign. Kratschkovsky نے کتاب الاعتبار کے اس روسی ترجمے کے ضمیمے میں کر دیا ہے جو M. Salier نے کیا ہے (پیٹروگراڈ ۱۹۲۲ء، ص ۲۰۶-۲۰۷)؛ نیز دیکھیے (۳) T. Kowalski: Pamietniki arabskie z pierwszego wieku، ص ۳۸۰-۳۸۱؛ (۴) Ign. Kratschkovsky: Pzre'glad Warszawski، شمارہ ۱۸: ص ۳۸۰-۳۸۱؛ (۵) Ign. Kratschkovsky: Zapiski togograf sirijskago emira Usamy، طبع ثانی، ۱: ۱۹۲۵ء)؛ (۶) [اب ان ماخذ پر ذیل کا اضافہ کیا جاسکتا ہے (۵) مختار الدین احمد: The Bani Munqidh, their scholastic and literary pursuits, with special reference to Mu'ayyid al-Daulah Usāma b. Munqidh al-Kirāni al-Shayzari، غیر مطبوعہ، مخزنہ کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۴۹ء؛ (۶) الاستاذ محمد حسین: أسامة بن منقذ؛ (۷) طاہر الشعلانی:

* استاد سبیس: خراسان کی ایک مذہبی تحریک کے رہنما کا نام، جو عبتا سیوں * کے خلاف تھی۔ یہ بغاوت ۱۵۰ھ/۷۶ء میں شروع ہوئی اور جلد ہی ہرات، بادغیس، گنچ رستاق اور بختان کے اضلاع میں پھیل گئی۔ ماخذ سے پتا چلتا ہے کہ استاد سبیس کے پیروں کی تعداد تین لاکھ تھی۔ اس تحریک کو پہلی مزاحمت کا سامنا مروا کر وڈ میں کرنا پڑا، لیکن باغیوں نے عرب سردار الاختم اور اس کے بہت سے افسروں کو مار ڈالا۔ اس واقعے کی اطلاع پانے پر خلیفہ المنصور نے اپنے سپہ سالار خازم بن نجیمہ کو اپنے بیٹے المہدی کے پاس نیشابور (نیشاپور) روانہ کیا اور اس نے خازم کو میں ہزار فوج کے ساتھ باغیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ کئی چھوٹی چھوٹی شکستوں کے بعد، جو ماتحتوں کی غداری کا نتیجہ تھیں، خازم نے ایک ایسی جگہ ڈیرا بجالایا جس کا نام نہیں بتایا گیا اور کئی حربی چالوں کے ذریعے، نیز مخارستان سے آنے والی کمک کی مدد سے، وہ باغیوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا۔ باغیوں کی بہت بڑی تعداد ماری گئی۔ استاد سبیس پہاڑوں میں بھاگ گیا، لیکن اگلے سال کے دوران میں گرفتار کر لیا گیا۔ ان تیس ہزار لوگوں کو جو اس کے ہمراہ گئے تھے رہا کر دیا گیا، لیکن اسے اور اس کے بیٹوں کو بغداد بھیج دیا گیا، جہاں وہ قتل کر دیے گئے۔ استاد سبیس کی بغاوت مذہبی رنگ کی تھی۔ وہ اپنے آپ کو پیغمبر بتاتا اور لوگوں کو کفر کی تلقین کرتا تھا (الطبری، ۳: ۷۳)۔ وہ ان طہ باغی سرداروں کے سلسلے میں سے تھا جو ابو مسلم (رتک بان) کی موت کے بعد خراسان میں پیدا ہوئے، مثلاً سبناذمغ (magian)، پے آفرید (رتک بان)، یوسف البرزم اور المقتع۔ اس کے خیالات غالباً زردشت کے اصولوں پر مبنی تھے۔ الطبری نے سردار کا نام استاد سبیس دیا ہے۔ سبیس اکثر ایرانی ناموں میں پایا جاتا ہے (رتک بان: Justi - Altiran. Name - nbuch، ص ۳۳۶؛ الفہرست، ص ۳۳۴، کے مطابق مانی کا جانشین سبیس الامام کہلاتا تھا، اور یونانی ماخذ اسے Sisinnios کہتے ہیں)۔ دوسری جانب کتاب البدء والناریخ (طبع ہوار (Huart)، ۶: ۸۶) کے بیان کے مطابق غزرتوکوں کی ایک بڑی تعداد اس طہ کے تابعین میں شامل تھی، جیسا کہ باغی اسلحہ التکرک کے معاملے میں ہوا، جو ابو مسلم کو خدا کا اوتار مانتا تھا۔ الیقوتی راوی ہے کہ استاد سبیس نے المہدی کو [المنصور کا] ولی عہد ماننے سے انکار کر دیا تھا؛ مگر سب سے تعجب انگیز بیان ابن الاثیر کا ہے، جو کہتا ہے کہ استاد سبیس ہارون الرشید کی بیوی اور المأمون کی والدہ حراجل کا باپ تھا اور یہ کہ اس کے بیٹے، یعنی المأمون کے ماموں غالب، نے مؤخر الذکر کے مشہور وزیر الفضل بن سہل ملقب بہ ذوالریاستین کو قتل کر دیا تھا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کہانی کی بنیاد کیا ہے، لیکن غالباً ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ اس کی تہ میں ایک ایرانی روایت کا فرما ہے، جس کا مدعا المأمون کو ایک شاہانہ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ بزرگانہ حسب و نسب دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ استاد سبیس کا خروج اشکانی خاندان کی تاسیس کے پانچ سو سال بعد وقوع میں آیا اور اس کی تحریک کا ایک مرکز بختان بھی تھا، جہاں اسے شاید وہ نجات دہندہ (سوشیالیٹ) متصور کر لیا گیا ہوگا جس کا انتظار زرتشتی مذہبی روایت کی رو سے کیا جا رہا ہے (رتک بان)

* اسپندارمذ: (ف) ایرانی شمسی مہینوں کا بارہواں مہینہ، نیز ہر ماہ کے پانچویں دن کا نام۔

* اسپہان: رتک بہ اصفہان۔

* اسپہبد: (پہلوی: سپاہ پت (spāh pat) [رتک سنسکرت: سیناپتی]، سپہ سالار، (Procopius = ασιπρέβεδης)، سوار فوج کا افسر اعلیٰ۔ ساسانیوں کے عہد میں یہ لفظ اسم علم کے طور پر ان سات اڑسکی الاصل خاندانوں میں سے ایک خاندان کے لیے استعمال ہوتا تھا جنہیں خاص مراعات حاصل تھیں۔ لقب کے طور پر اس کا استعمال موروثی عہدوں میں سے پانچویں عہدے سرخیل کے لیے ہوتا تھا (Theophylactes، ۳: ۸)، ان میں سے دوسرے درجے، یعنی فوج کے عام معاملات کی نگرانی و انتظام کرنے والے منصب دار کو 'ایران سپاہ بند' کہتے تھے۔ خسرو اول انوشروان کے عہد میں ایرانی فوج چار بڑی فوجی قیادتوں میں منقسم تھی، جن میں سے ہر ایک کے سالار کو اسپہبد کہتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کے ماتحت ایک پاڈوسپان (وائسراے) ہوتا تھا، جو پہلے مطلق العنان ہوا کرتا تھا۔ ایران کی فتح کے بعد طبرستان کا علاقہ، جو باقی علاقوں سے کوہ البرز کے بلند سلسلہ کوہ کے باعث جدا تھا، مدت دراز تک ان امرا کے ماتحت جنہیں اسپہبد (عربی: الأصفہد، البلاذری، ص ۳۳۶ بعد) کہتے تھے آزاد رہا۔ خلیفہ المأمون نے ما زیار (میز دیار) بن قارن کو یہی لقب دے کر (حوالہ مذکور، ص ۳۳۹) اس صوبے کا والی مقرر کیا۔ ان شہزادوں نے جو سکے ضرب کرائے ان پر یہ نام پائے جاتے ہیں: خوزشید اول، ۹۳ھ/۱۱ء و ۹۷ھ/۱۵ء میں؛ قزخان (۱۰۵ - ۱۱۰ھ/۲۳-۲۸ء)؛ دادبزرج مہر، ۱۲۰ھ/۳۸ء میں؛ خوزشید ثانی (۱۲۲ - ۱۳۸ھ/۴۰-۶۵ء)؛ ۱۵۱ھ/۶۸ء کے بعد سے مسلم والیوں کے نام شروع ہو جاتے ہیں۔ چھٹی صدی ہجری ر بارہویں صدی عیسوی میں جب باوند خاندان نے طبرستان میں ازسرنو ایک آزاد ریاست قائم کی تو ان امرانے، جو اپنے ایرانی ناموں کے ساتھ اسلامی القاب کا اضافہ کرنے لگے تھے، اسپہبد کے لقب کو دوبارہ استعمال کرنا شروع کر دیا (علاء اللہ علی بن شہریار بن قارن، نصرۃ الدین رستم، تاج الملوک علی بن مرز داؤد، حسام الدولہ اژد شیر بن حسن)۔

ماخذ: (۱) Arthur Christensen: *L'empire des Sassanides*, *Danske Vidensk. Selsk. Skrifter* 7. række, ۱۸۱، ۱۹۰۷ء، ص ۲۷، ۴۲؛ (۲) Fr. Spiegel: *Eränische Alterthums*، A. D. Mordtmann (۳)؛ *ZDMG*، ۱۹، ۱۸۶۵ء؛ ۲۴۷، ۳۰؛ *kunde*، ۲۴؛ (۳) ۱۱۰-۱۱۲ (اسپہبدوں کے سکے)؛ (۴) ابن اسفندیار: *History of Tabaristān*، مترجمہ E. G. Browne، ص ۲۲، بعد، ۵۸-۷۳، بعد؛ (۵) نورلڈیکہ (Nöldeke): *Gesch. d. Perser u. Araber*؛ *z. Zeit d. Sasaniden*، ص ۱۳۹، ۱۵۱، بعد، ۱۵۵، ۲۷۹، ۲۳۷، ۲۲۲، بعد۔ (CL. HUART)

Essai sur les Systèmes métriques : Vasquez Queipo، ج ۱،
(E. V. ZAMBAUR ذمہ دار)

استیناف: شریعت اسلامیہ میں اس سے مراد ہے کسی ایسے شرعی کام * (مثلاً نماز) کو شروع سے دوبارہ ادا کرنا جس کا سلسلہ کسی وجہ سے منقطع ہو گیا ہو۔ برخلاف اس کے اگر صرف اسی حصے کو جو انقطاع سلسلہ کی وجہ سے رہ گیا تھا بعد میں ادا کیا جائے تو اسے بنا کہتے ہیں (یعنی اس کام کا جاری رکھنا جس کا سلسلہ درمیان میں ٹوٹ گیا تھا)۔ [لغوی معنی: کسی امر کی پھر سے ابتدا (دیکھیے صراح)؛ ایک فقہی اصطلاح، جس سے مراد ہے پہلی تکبیر تحریمہ کے ابطال کے باعث اس کی تجدید، یعنی دوبارہ ابتدا، مثلاً یوں کہ اگر حالت نماز میں حدت واقع ہو گیا اور اس لیے وضو کی ضرورت پیش آئی، لہذا وضو کے بعد نماز کی پھر ابتدا کی گئی اور اس حصے (رکن) کو پورا کیا گیا جس میں حدت واقع ہوا تھا تو اسے استیناف کہا جائے گا۔ نماز کے باقی حصے کے اتمام کو، جو سبب حدت پورا ہونا رہ گیا تھا، ”بنا“ کہتے ہیں۔ استیناف گویا پھر سے ابتدا ہے کسی امر کی اور بنا ہے اس کا سلسلہ جاری رکھنا۔ استیناف علم معانی میں بھی ایک اصطلاح ہے، مثلاً آپ نے ایک جملے کو اس کے پہلے جملے سے الگ کر دیا، اس لیے کہ یہ جواب تھا اس جملے کا تو اس دوسرے جملے کو مستأنفہ کہا جائے گا۔ اندریں صورت استیناف کا اطلاق اگرچہ دونوں جملوں پر ہوتا ہے لیکن مستأنفہ کا صرف اس جملے پر ہوگا جسے الگ کر لیا جائے۔ ایسے ہی نحو میں بھی استیناف کا استعمال بطور ایک اصطلاح کے ہوتا ہے، لیکن نحوی اس ابتدائی جملے کو مستأنفہ کہتے ہیں جس کا تعلق ”لما“ یعنی کسی سوال کے جواب سے ہے۔ وہ اس قسم کے استیناف کی تین صورتیں بیان کرتے ہیں: ایک یہ کہ کسی بات کے سبب کے متعلق مطلقاً سوال کیا جائے اور جس کا ظاہر ہے کوئی بھی سبب ہو سکتا ہے، مثلاً شاعر کہتا ہے:

قَالَ لِي كَيْفَ أَنْتَ قُلْتُ عَلِيْلٌ

سَهْوٌ دَائِمٌ وَ حُزْنٌ طَوِيلٌ

یہاں سوال محض یہ تھا ”تم کیسے ہو؟“، جواب ملا ”طویل ہوں“ اور علالت کی کیفیت بھی بیان کر دی گئی۔ کوئی خاص سبب مذکور نہیں ہوا؛ استیناف کی دوسری صورت یہ ہے کہ سبب خاص کی وضاحت کی جائے، مثلاً آ یہ شریفہ إِنَّ النَّفْسَ لَا تَمَارُ بِالشُّؤْءِ۔ صورت اول میں سبب کے متعلق تاکید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن دوسری صورت میں تاکید لازم آتی ہے؛ تیسری صورت، جس کا تعلق نہ سبب مطلق سے ہے نہ سبب خاص سے، یہ ہوگی جیسے قرآن پاک کی اس آیت میں وَلَقَدْ جَاءَتْ زُجَيْلًا آيْرِهِمْ بِالْبَشْرَى قَالُوا سَلْمًا قَالِ سَلْمًا (۱۱ [هود: ۶۹])، یعنی جب ابراہیم علیہ السلام کو سلام کہا گیا تو آپ نے بھی کہا تم پر سلام ہو۔ مختصراً یہ کہ استیناف کا باب نہایت وسیع ہے اور اس کے محاسن بھی کئی ایک ہیں، مثلاً بعض جملے ایسے ہوتے ہیں جن میں استیناف مقدر ہوتا ہے، جیسے اس صورت میں: أَحْسَنْتَ أَنْتَ إِلَى زَيْدٍ،

Recherches sur la domination arabe: G. van Vloten
Verh. Ak. Amstرد، ۱: ۳، ۱۸۹۳ء: ۶۸)۔

مآخذ: (۱) اليعقوبي: تاريخ، طبع هوتسما (Houtsma)، ۲: ۴۵۷؛ (۲) الطبري، ۳: ۳۵۴-۳۵۸؛ (۳) ابن الأثير، ۵: ۴۵۲؛ (۴) Gesc-: Wiel؛ (۵) hichte der Chalifen، ۲: ۶۵۔

(J. H. KRAMERS کرامرز)

* **استاذ:** فارسی میں آقا، مُعَلِّم، کاریگر۔ یہ لفظ معرب ہو گیا ہے اور اس کی جمع استاذون اور استاذہ ہے۔ اس لفظ کے معنی خواجہ سرا، ماہر موسیقی اور تاجر کے کھاتے کے بھی ہیں، لیکن حال کی زبان میں اس کا مفہوم بالخصوص مُعَلِّم ہی کا ہو گیا ہے۔ دار کے لفظ کے ساتھ اس کی ترکیب، یعنی استاذ دار ”مہتمم امور خانہ“ (major domo) کے معنوں میں استعمال ہوتی تھی اور اس اصطلاح کا اطلاق مملوک [رک بآ] سلاطین مصر کے بڑے امرا میں سے ایک پر کیا جاتا تھا۔ ہمیں اس لفظ کی محقق صورتیں، یعنی اُستَا، اُسطَا اور اوسطَا بھی ملتی ہیں، جن کی جمع اُستُوَات، اُسطُوَات اور اوسطُوَات ہیں۔ قاہرہ میں یہ اصطلاح گاڑی بانوں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

مآخذ: (۱) ولرز (Vullers)، لین (Lane) اور ڈوزی (Dozy) کی فرہنگیں؛ (۲) نالیو (C. A. Nallino): L'arabo parlato in Egitto، طبع ثانی، میلان ۱۹۱۳ء، ص ۱۸۵-۱۸۶۔

(A. J. WENSINCK ورنسک)

* **استار:** (στατήρ) دواؤں یا سونے چاندی کو تولنے کا ایک وزن، جو یونانیوں سے لیا گیا اور جس کا اندازہ بالعموم دو مختلف پیمانوں سے لگایا جاتا ہے۔ ایک معادلہ (equation) تو یہ ہے کہ ۱ استار = ۶ درہم اور ۲ وائِق = ۴ مثقال (دوا فروشوں کا استار) اور دوسرا یہ کہ ۱ استار = ۶ ۱/۲ درہم = ۳ ۱/۲ مثقال (مشرق کا تجارتی مثقال)۔ پہلی مساوات صرف اس صورت میں درست ہوگی کہ درہم مسکوک اور مثقال میٹال کو یوں سمجھا جائے:

$$18618 = \frac{(2696 \times 2 + 2696)}{6} = 2 \times 2696 = 5392 = 18618$$

دوسری مساوات تقریباً یوں درست ہوگی کہ ہم درہم مسکوک اور قدیم مثقال (دینار طائی) کو لیں (۲۶۹۷ × ۶ = ۱۹۶۳ = ۲۶۵ × ۴ = ۱۰۶۰)؛ دونوں صورتوں میں نتیجہ عام یونانی وزن (stater) سے بہت زیادہ نکلتا ہے۔ ایک اور نسبت، یعنی یہ کہ ۲۰ استار کا ایک رطل (پونڈ) ہوتا ہے، اس وقت درست ہوتی ہے جب استار ۶ ۱/۲ درہم کا ہو اور رطل سے مراد بغدادی رطل ہو، جو ۱۳۰ درہم کا ہے۔

مآخذ: (۱) H. Sauvaire: Matérielux، بذیل ماڈہ؛ (۲) Don

قنٹیہ، ص ۲۷۵)۔ مسلمہ کی بابت کہا گیا ہے کہ اس نے قصر شاہی کے پاس عرب قیدیوں کے لیے ایک عمارت بنائی تھی، کیونکہ اس کی تعمیر معاہدہ صلح کی شرطوں میں شامل تھی اور اسی نے استانبول میں پہلی مسجد بھی تعمیر کی (المقدسی، ص ۱۴: ابن الاثیر، ۱۸: ۱۰؛ الدمشقی، ص ۲۲۷)؛ سب سے آخر میں غلطہ کا منار تعمیر کرنے والا بھی اسی کو بتایا گیا ہے (الدمشقی، ص ۲۲۸) اور غلطہ کی ”جامع عرب“ بنانے کا سہرا بھی اسی کے سر ہے (حاجی خلیفہ: تقویم التواریخ، سال ۹۷ھ)۔ اولیا اور اس کے ماخذ میں مسلمہ کی مہم کے دوران میں دو محاصروں کا ذکر ہے اور ان کا بیان ایسی حکایات سے مزین ہے جو ناقابل یقین ہیں۔ زکسی (۱۰۴۴ھ/ ۱۶۳۴ء) نے مسلمہ کے غزوات سے اپنے *Pentast* [خمسہ] کی چوتھی فصل میں بحث کی ہے اور اس میں اس نے محی الدین ابن العربی کی مسامرات کا تتبع کیا ہے۔

عرب لشکر قسطنطنیہ کی حدود میں صرف ایک موقع پر اور نمودار ہوا، یعنی ۸۲ھ میں، جب کہ خلیفہ المہدی کے فرزند ہارون نے اپنے لشکر کے ہمراہ ایشیائے کوچک میں سے کوچ کیا اور بلا مزاحمت بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ کریموپولس (Chrysopolis) (سقوٹری، اشقودہ) میں جا کر ڈیرا ڈال دیا۔ ملکہ آیرین (Irene) نے، جو اپنے لڑکے قسطنطین (Constantine) کی کارکن نائب تھی، فوز صلح کر لی اور خراج ادا کرنا منظور کیا (تھیوفینیس، ص ۴۵۵، بعد، بذیل ۲۷۴ سال عالمی ۸۱۷-۸۲۷ء؛ البلاذری، ص ۱۶۸؛ الطبری، ص ۵۰۴، بعد؛ ابن الاثیر، ۶: ۲۴۴ تحت ۱۶۵ھ، جو ۲۶ اگست ۷۸۱ء سے شروع ہوا)۔ اولیاء اور اس کے ماخذ (محی الدین جمالی، م ۹۷ھ/ ۱۵۵۰ء بموجب Rieu: *Catalogue, etc.*، ص ۴۶ بعد) میں یونانیوں کے خلاف المہدی اور ہارون کے غزوات کے دوران میں قسطنطنیہ کے چار باقاعدہ محاصرے بیان کیے گئے ہیں۔ [بقول ان کے] ان میں سے دوسرے محاصرے کے بعد ہارون نے اسی طرح کے ایک حیلے سے استانبول کے ایک حصے کو اپنے قبضے میں کر لیا جیسا کہ ڈیڈو (Dido) نے کارٹیج حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا تھا (لیون کلاویس (Leunclavius): *Travels etc.*، ۱: ۱۰، ۲۵)؛ ایسی ہی حکایت کلاویجو (Clavijo)، ص ۲۳، نے اہل جینووا کے غلطہ میں آ کر بس جانے اور اولیاء: *Travels etc.*، ۲: ۶۶، نے محمد ثانی کے رومیلی حصار بنانے کی بابت دی ہے۔

قسطنطنیہ کے متعلق عرب بیانات دسویں صدی سے شروع ہوتے ہیں۔ وہ درہ دانیال، نجیرہ مارمورا اور باسفورس کو ایک ہی آب نامی (خلیج) سمجھتے تھے، جو بحر متوسط کو بحر اسود سے ملاتی ہے۔ الاصحری اور دیگر مصنفین نے اس بڑی زنجیر کا ذکر کیا ہے جس نے عربوں کے جہازوں کو داخلے سے روک دیا تھا۔ اس سے غالباً اس زنجیر کی طرف اشارہ ہے جو غلطہ اور استانبول کے درمیان جنگ کے زمانے میں پھیلا دی جاتی تھی (دیکھیے بیان آئندہ)۔ انھوں نے شہر کے گرد کی بلند دوہری فصیلوں مع ان کے بڑوں اور بڑے پھانکوں کے، بشمول ”باب زریں“

دنیاے عرب میں اس محاصرے کو خاص شہرت حاصل ہوئی، اس لیے کہ اس میں ابو ایوب خالد بن زید انصاری^[۱۲] [رکبان] شہید ہوئے اور قسطنطنیہ کی دیواروں کے سامنے دفن کیے گئے؛ سلطان محمد ثانی نے اس شہر کے آخری بار محاصرے کے دوران میں ان کی قبر دریافت کی۔ یہ واقعہ کچھ اسی قسم کا ہے جیسا کہ ابتدائی صلیبی محاربتوں کو انطاکیہ کے محاصرے کے دوران میں ”مقدس نیزہ“ مل گیا تھا۔ ([حضرت] ابو ایوب^[۱۳] کی قبر کا ذکر پہلی بار ابن قنٹیہ، ص ۱۴۰، میں پایا جاتا ہے؛ الطبری، ص ۲۴۲، ابن الاثیر، ۳: ۳۸۱-۳۸۲، ابن الجوزی اور القزوینی، ص ۲۰۸ نے لکھا ہے کہ بوزنطی اس قبر کا احترام کرتے تھے اور خشک سالی میں بارش کے لیے دعا کرنے (استقاء) کی غرض سے اس کے گرد جمع ہوا کرتے تھے۔ ترکی روایت بہت تفصیل کے ساتھ لی انکلیویس (Leunclavius): *Hist. Mus.*، ص ۴۱، بعد، میں اور خاص اس موضوع پر محنت سے لکھی ہوئی کتاب حاجی عبداللہ: الآثار المجیدۃ فی المناقب الخالدیۃ، استانبول ۱۲۷۵ھ میں مندرج ہے)۔

اس کے بعد بوزنطیوں اور عربوں کے درمیان چالیس سال تک جنگ ملتوی رہی، یہاں تک کہ ۹۷ھ میں (جس کا آغاز ۱۵ اکتوبر ۷۱۵ء کو ہوا) سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں ایک ”حدیث“ مشہور تھی، جس کی رو سے کوئی خلیفہ، جس کا نام ایک نبی کے نام پر ہوگا، قسطنطنیہ کو فتح کرے گا۔ سلیمان سمجھا کہ اس پیش گوئی کا اشارہ اسی کی طرف ہے، چنانچہ اس نے قسطنطنیہ کے خلاف ایک بڑی مہم کی تیاری کی۔ اس لشکر کا سالار، جس میں محاصرے کی توہین موجود تھیں، سلیمان کا بھائی مسلمہ تھا۔ ایشیائے کوچک میں سے گزر کر اس نے درہ دانیال (Dardanelles) کو ایڈوس (Abydos) کے پاس سے عبور کیا اور قسطنطنیہ کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ عربوں کے بڑے بحری بیڑے کا ایک حصہ تو نجیرہ مارمورا کے ساحل پر کی دیواروں کے سامنے لنگر انداز ہوا اور ایک حصہ باسفورس میں؛ قرن الذہب (شاخ زریں Golden Horn) کو ایک زنجیر سے بند کر دیا گیا۔ محاصرہ ۲۵ اگست ۷۱۶ء کو شروع ہوا اور مکمل ایک سال تک جاری رہا۔ آخر مسلمہ کو واپس ہونا پڑا، اس لیے کہ ادھر تو بلغاریوں نے حملہ کر دیا اور ادھر سامان رسد کم پڑ گیا (تھیوفینیس، ص ۳۸۶-۳۹۹)؛ پوری تفصیل ابن مسکونیہ، طبع دخویہ (de Goeje): ص ۲۴-۳۳، میں ملے گی؛ قب نیز الطبری، ص ۱۳۱۴، بعد؛ ابن الاثیر، ۴: ۱۷۷ بعد؛ قب Pergamon unter: Gelzer: *Byz- antinern und Osmanen*، ص ۴۹-۶۴، میں بڑا واضح بیان۔ متأخر عرب مصنفین کے ہاں مسلمہ کے پُرخطر جنگی کوچ کا ذکر بہت سی جگہ آیا ہے۔ چند صدیوں کے بعد تک بھی وہ ”بزر مسلمہ“ سے واقف تھے، جو ایڈوس (Abydos) میں اس جگہ واقع تھا جہاں مسلمہ نے پڑاؤ ڈالا تھا (المسعودی، ۲: ۳۱۷؛ ابن خردادبہ، ص ۱۰۴) اور اُس مسجد کو بھی جانتے تھے جو اُس نے وہاں بنائی تھی (یاقوت، ۱: ۳۷۴)۔ عبداللہ بن طیب پہلا مسلمان تھا جس نے ”باب قسطنطنیہ“ پر حملے کی قیادت کی۔ وہ مسلمہ کے ساتھیوں میں سے ایک تھا (ابن

عربوں کی دیگر تعمیرات کی بابت بیانات اساطیر کے زمرے میں آتے ہیں۔

قسطنطنیہ اور آل عثمان

فتح قسطنطنیہ: اس وقت سے جب ہارون کے زیر قیادت عربوں نے باسفورس پر ڈیڑھا لاکھ سو سے زیادہ سال گزر چکے تھے کہ ترکوں نے قسطنطنیہ پر، جو مع اپنے متصل قُرب و جوار کے عظیم مشرقی سلطنت کا وہ تنہا حصہ تھا جو ابھی تک بچ رہا تھا، قبضہ کرنے کی پہلی کوشش کی۔ بائیزید اول نے ۱۳۹۶ء میں اس شہر کا محاصرہ کیا، جو چند ماہ تک جاری رہا، لیکن یہ سن کر کہ فرانسسیوں اور ہنگری والوں کی کمکی فوج سبجسمنڈ (Sigismund) اول کے تحت پہنچ رہی ہے اس نے محاصرہ اٹھالیا۔ پھر اس فوج کی نیکوپولیس (Nikopolis) پر شکست (۲۵ ستمبر ۱۳۹۶ء) کے بعد ترکی محاصرے نے ایک تنگ گھیرے کی شکل اختیار کر لی، جو کئی سال تک جاری رہا، یہاں تک کہ قیصر نے بائیزید کے مطالبات مان لیے (تقریباً ۱۴۰۰ء)؛ دیگر مراعات کے ساتھ ساتھ ترکوں کو یہ اجازت مل گئی کہ وہ اپنا ایک الگ محلہ بسائیں، جس میں ان کا اپنا ایک علیحدہ قاضی ہو اور وہ شہر میں ایک مسجد بھی بنا سکیں۔ تیور کے نمودار ہونے اور انقرہ کی جنگ میں بائیزید کی گرفتاری کی بدولت بوزنطیم کو اپنے ستانے والوں سے وقتی طور پر نجات مل گئی۔ (جو تاریخ یقینی طور پر معلوم ہے وہ ۱۳۹۶ء کے محاصرے کی ہے؛ جنگ نیکوپولیس (Nikopolis) کے بعد کے واقعات کے بیانات ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان کی تاریخی ترتیب معین نہیں کی جاسکتی)۔

جس حکمران نے اس شہر کا دوبارہ محاصرہ کیا وہ مراد ثانی تھا، لیکن اس نے جون ۱۴۲۲ء سے لے کر ستمبر ۱۴۲۲ء تک شہر پر جتنے حملے کیے وہ سب بے سود ثابت ہوئے۔ بعد میں باہم صلح ہو گئی، جو اس سلطان کی وفات تک قائم رہی۔ قسطنطنیہ کی فتح اور بوزنطی سلطنت کا تختہ الٹنا مراد ثانی کے فرزند محمد ثانی کے نام مقدر ہو چکا تھا۔

اس نے سمندر کی طرف سے سامان رسد اور ہر ممکن کمک کا راستہ بند کرنے کے لیے ۱۴۵۲ء میں باسفورس کے یورپی ساحل پر قلعہ رومیلی حصار بنایا (جس کا نام اس وقت بوغاز کسن = boghaz-kesen = قاطع آب نائے) تھا۔ شہر کا محاصرہ ۱۹ اپریل ۱۴۵۳ء کو شروع ہوا اور جمعرات ۲۹ مئی کو ختم ہوا۔ حملے کا خاص زور شہر کی خشکی کی طرف کی ان فصیلوں پر تھا جو ”طوپ قیو“ (توپ دروازہ) اور ادرند دروازہ کے درمیان تھیں، جہاں محاصرہ کرنے والوں کی بھاری گولہ باری نے فصیل کا بڑا حصہ منہدم کر دیا تھا۔ اس محاصرے کے زمانے کے دو اہم حادثے خاص شہرت حاصل کر چکے ہیں: (۱) ترکی بیڑے کا شاخ زریں میں، جو ایک بھاری زنجیر کے ذریعے بند کر دی گئی تھی، اس طرح داخل ہو جانا کہ اسے زمین پر گھسیٹ کر شاخ زریں میں پہنچایا گیا (خلج دولمہ باغچہ Dolma Baghche سے پیرا (Pera) کی پہاڑی پر ہوتے ہوئے وادی قاسم پاشا تک)۔ یہ واقعہ ۲۱-۲۲ اپریل کی درمیانی رات کا ہے؛ (۲) شیخ آق منس الدین کا ابوالیوب انصاریؒ کی

[آلتون قیو]، آیا صوفیا، گھڑ دوڑ کے میدان مع اس کی یادگار عمارتوں کے (جس میں مصری محرومی منار (obelisk) زیادہ نمایاں ہے)؛ محل کے دروازے پر کے چار کانس کے گھوڑوں اور قیصر ”قسطنطین“ کے (درحقیقت جستینین (Justinian) کے، جو آغسطس (Augustus) کہلاتا تھا) گھوڑے پر سوار مجسمے کا ذکر کہیں زیادہ تفصیل کے ساتھ اور کہیں بالاجمال کیا ہے۔ ابن حوقل اور المقدسی نے خاصی توجہ پری ٹوریم (Praetorium) پر دی ہے، جہاں ان کے اہل وطن، جو جنگ میں اسیر ہوئے تھے، قید محض میں رکھے جاتے تھے اور اس مسجد پر بھی جو مسلمہ کی طرف منسوب ہے (قب یاقوت، ۱: ۷۹، بذیل مادہ ”بکلاط“ اور Constantinos Porphyrogenitus: ۱۰۵۹، ۷۶۷)۔ ابن الوزدی (چودھویں صدی عیسوی) کا بیان سب سے زیادہ مفصل ہے)۔ وہ پروفانرو جینیٹس (Pro-phrogenitus) کے کانس کے محرومی منار، آرکیڈیس (Arcadius) کے ستون اور ویلنز (Valens) کے کاریز (Aqueduct) کا ذکر کرتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ باب زریں بند کر دیا گیا تھا۔ ابن بطوطہ (۲: ۴۳۱-۴۴۴) نے اپنے زمانے کی کلیسائی زندگی کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے؛ سب سے آخری ملاحظت فیروز آبادی (۸۱۷ھ) نے اپنی لغت کی کتاب [القاموس، بزیر مادہ قسط] میں دیے ہیں۔

جنگی قیدیوں کے علاوہ بہت سے مسلمان سوداگر اور خلیفہ اور دیگر مسلم فرمانرواؤں کے سفیر بوزنطیم میں بود و باش رکھتے تھے؛ مملوک سلاطین بعض مواقع پر فتنہ پرداز افراد کو مع ان کے گھر بار کے یہاں جلاوطن کر دیتے تھے؛ سلجوق سلاطین اور مدعیان تخت (قلج ارسلان ثانی، کچنسر و اول، کیاؤس ثانی) نے متعدد بار طویل مدت تک قسطنطنیہ میں آکر قیام کیا؛ دارالسلطنت میں ان کی زندگی کے حالات بوزنطی مصنفین اور سلجوق مؤرخین نے بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔

عربوں کے قسطنطنیہ پر دونوں حملوں نیز ان کے اور دیگر مسلمانوں کے وہاں بود و باش رکھنے کے واضح آثار ابھی تک دست یاب نہیں ہوئے؛ بالخصوص مسجد منسکہ کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ اس کا ذکر پہلی دفعہ Const. Porphyr. de Adm. باب ۲۲: Bonn Corpus، ص ۱۰۱، ۲۲ [؟] نے کیا ہے؛ یہ ایک عوامی شورش کے دوران میں ۱۲۰۰ء میں تباہ ہو گئی اور ۱۲۰۳ء میں صلیبی محاربوں نے اسے تاراج کیا (Nicetas chon.، ص ۶۹۶، ۷۳۱، مطبوعہ بون Bonn)۔ ابن الاثیر، ۹: ۳۸۱، قب ۱۰: ۱۸) جس سے ابوالفدا نے استفادہ کیا ہے) کے بیان کے مطابق اس مسجد کو ۴۴۱ھ/۱۰۴۹-۱۰۵۰ء میں مرمت کر کے بحال کیا گیا اور یہ کام کسٹنٹائن مونو مے کس (Constantine Monomachos) نے ظفرل بیگ سلجوق کی درخواست پر کیا۔ المقریزی (۱: ۷۷، طبع کا ترمیمز Quatremere) نے کہا ہے کہ میکائل ہشتم پیلو لوگس (Michael VIII Palaeologus) نے ۶۶۰ھ/۱۲۶۱-۱۲۶۲ء کے قریب ایک مسجد تعمیر کی، جسے مملوک سلطان بیہرس نے نہایت شان دار طریقے سے آراستہ کیا۔ ”عرب جامع“ اور استانبول میں

تبر کا دریافت کرنا۔

مفتوح شہر کے اندر تین روز تک تاخت و تاراج کا بازار گرم رہا۔ اس کے بعد سلطان شہر میں داخل ہوا، اس نے آیا صوفیا میں جمعے کی نماز پڑھی اور ایک صوباشی (حاکم شہر) مقرر کر کے ادرند واپس چلا آیا۔ قسطنطنیہ کی فتح کے چند روز بعد اہل جینوا کی غلط نامی نواحی بستی نے بھی، جو محاصرے کے دوران میں غیر جانب دار رہی تھی، اطاعت قبول کر لی۔

دارالسلطنت (قسطنطنیہ) کے عثمانی ترکوں کے زیر حکومت آ جانے کے بعد فقط دو مرتبہ کوئی بیرونی دشمن فوج اس کے سامنے نمودار ہوئی: ۲۰ فروری ۱۸۰۷ء کو انگریزی امیرالبحر ڈک ورتھ (Duckworth)، جو کوئی اہم حملہ کیے بغیر دس دن بعد واپس ہو گیا اور ۱۸۷۷ء میں روسی لشکر، جس نے شہر پر قبضہ نہ کیا، بلکہ سان سٹیفانو (San Stefano) کے اطراف میں ڈیرہ ڈالا [تیسری دفعہ پہلی عالمی جنگ کے دوران میں انگریزی اور فرانسیسی فوجوں نے ۱۶ مارچ ۱۹۲۰ء کو کچھ عرصے کے لیے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا]۔

قسطنطنیہ ترکوں کے زیر حکومت، محل سلطانی (سرائے) اور سرکاری عمارتیں: فتح کے فوراً بعد کے سالوں میں محمد ثانی ویران شدہ شہر کے دوبارہ آباد کرنے اور اسے شاہی مسکن بنانے میں ہمدن مصروف رہا، جو لوگ یہاں بسانے کے لیے قرہ مان سے لائے گئے ان سے استانبول کے دو محلوں قرہ مان اور آق سرائے کے نام نکلے، فاتح سلطان نے کفہ (Kaffa)، مدلی (Mytilene) اور دیگر جزائر سے بھی لوگوں کو دارالسلطنت میں بسانے کے لیے بلوایا؛ ارمن، ایرانی اور دیگر نسل کے لوگ بھی یہاں بڑی تعداد میں آ گئے۔ بعد کے زمانے میں وہ یہودی اور عرب بھی جو ہسپانیہ سے نکال دیے گئے تھے بڑی تعداد میں یہاں آئے (قب و خیالی اور دراز کار بیانات جو اولیاء: Travels etc.: ۴۸:۱ بعد میں دیے گئے ہیں)۔ وہ یہودی جو محاصرے سے پہلے یا اس کے بعد شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے رفتہ رفتہ پھر واپس آ گئے۔

بوزنظیم کے شاہی محلات کو ویران ہی چھوڑ دیا گیا۔ بجائے ان کے محمد ثانی نے شہر کے بچوں بیچ تیسری پہاڑی پر ایک محل تعمیر کیا (Critobubus، ج ۲، باب ۱، فصل ۲: Ducas، ص ۳۱۷؛ بموجب اولیاء: Travels etc.: ۵۰:۱، ۸۵۸-۸۶۲ھ/۱۴۵۳-۱۴۵۸ء)۔ اس محل کی تکمیل کے بعد ایک زمانے میں یہ محل اسکی سرائی [قدیم محل] کہلانے لگا اور صدیوں تک۔ محمود ثانی کی حکومت تک۔ یہ اس کام آیا کہ معزول شدہ سلاطین کے حرم کے لیے رہنے کا ٹھکانا مہیا کرے۔ اس کے بعد یہ سرعسکر کی جائے سکونت بن گیا، اور ۱۸۷۰ء کے ابتدائی ایام میں اسے گرا اس کی جگہ سرعسکر یہ کی (نئی) عمارت بنائی گئی، لیکن اس کا قدیم نام 'اسکی سرائی' عوام میں ابھی تک موخر الذکر عمارت کے لیے مستعمل ہے۔

مقابلہ ابتدائی زمانے میں۔ یعنی کہا جاتا ہے کہ ۸۷۲ھ/۱۴۶۷-۱۴۶۸ء میں۔ سلطان محمد نے ایک دوسرا محل، دور تک پھیلے ہوئے باغوں کے درمیان

اس پہاڑی کی چوٹی پر بنانا شروع کیا، جو بحیرہ مارمورا، باسفورس کے داخلے کے دروازے اور شاخ زریں کے درمیان ہے اور خشکی کی طرف سے اس تمام خطے کو ایک مضبوط اور بلند دیوار بنا کر الگ کر دیا (رمضان ۸۸۳ھ میں، جو ۲۶ نومبر ۱۴۷۸ء کو شروع ہوا، اس کی تکمیل ہوئی)؛ سمندر کے رخ ساحل سمندر کی دیواریں محل کی حدود بنائی تھیں۔ فاتح کی تعمیر کردہ عمارتوں میں سے اب فقط چینی لی کوٹشک (چینی محل) کی عمارت باقی ہے، جو ستمبر ۱۴۷۲ء میں بن کر تیار ہوئی تھی؛ اس عمارت کو اب شاہی عجائب خانوں سے متعلق کر دیا گیا ہے۔ نئے محل کی جائے وقوع اور اس کی الگ الگ عمارتوں کے لیے قسطنطنیہ شرف کا مستند مقالہ Revue Historique de l' Institut d' Histoire Ottomane، ج ۲ اور ۲ (مع ایک نقشے کے)۔

اس رقبے کے اندر اصل محل، جو بوزنطیوں سے پہلے کے بالا حصار (Acropolis) کی چوٹی پر واقع ہے، الگ الگ عمارتوں کے ایک پیچیدہ مجموعے پر مشتمل ہے اور اس میں تین بڑے صحن ہیں، جن میں داخل ہونے کے تین ہی دروازے بھی ہیں: (۱) باب ہمایون، (۲) اور تہ قیوسی، جسے باب السلام بھی کہتے ہیں اور (۳) باب سعادت۔ ان میں سے تیسرے صحن کے گرد اگر سلطان کے نجی مکانات ہیں، جن میں حرم، خزانہ اور وہ کمرے ہیں جن میں اسلام کے مقدس تبرکات محفوظ ہیں (خرقہ شریف اوطسی) اور خود صحن کے اندر دیوان عام (عرض اوطسی) ہے۔ اس دیوان کا بڑا ایوان دوسرے صحن میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ بیرونی خزانہ (طشرہ خزینہ سی) بھی۔ پہلے صحن میں علاوہ دیگر عمارت کے محل کا اسلحہ خانہ (جب خانہ) ہے، جو پہلے آیرین (Irene) کا گرجا تھا اور اب اسلحہ کا عجائب خانہ ہے؛ ۱۶۲۳ء کے بعد یہیں کسکال (ضرب خانہ) بھی بنی۔ بعد کے سلاطین نے یہاں قسروں اور کوشکوں کا ایک پورا سلسلہ قائم کیا، جن میں کچھ محل کے بلند مقامات میں اور کچھ پست مقامات میں سمندر کے قریب طوپ قیو پر تھے؛ ان میں سے سب سے زیادہ مشہور یہ ہیں: (۱) بغداد کوٹشک، جو محل کے تیسرے صحن کے باہر کے رخ ہے؛ اسے مراد رابع نے تعمیر کیا؛ (۲) اسنجولی کوٹشک (موتی محل) بحیرہ مارمورا پر اور (۳) یالی کوٹشک (گرمانی محل)، شاخ زریں پر۔ ان میں سے دو موخر الذکر اب برباد ہو چکے ہیں۔ قصر طوپ قیو، جو انیسویں صدی کے آغاز تک سلطان کی موسم سرما کی قیام گاہ تھا۔ ۱۸۶۲ء میں نذر آتش ہو گیا۔ مراد ثانی پہلا سلطان تھا جس نے بٹشک طاش میں سکونت اختیار کی۔ اس کے جانشین عبدالحمید نے وہاں دولہ باغچہ کا شان دار قصر تعمیر کیا اور اس کے بعد عبدالعزیز نے، جو عبدالحمید کا جانشین تھا، قصر چراغاں بنایا، جو ۱۹۱۰ء میں آگ لگ کر تباہ ہو گیا۔ عبدالحمید ثانی نے (جو ۱۹۰۹ء میں تخت سے معزول کیا گیا) دوبارہ قصر یلدرم میں سکونت اختیار کی، جو بٹشک طاش کے اوپر کی بلندیوں پر تھا۔ اس وقت سے محمد خاص قصر دولہ باغچہ میں رہتا چلا آ رہا تھا۔ آج کل کے جدید محلات سے ممتاز کرنے کے لیے اس رقبے کو، جس کا ابھی ذکر ہوا، مع اس کی عمارتوں کے، یورپ والے

Reiches، ص ۱۵۸ اور اولیاء: Travels etc.: ۶۸:۱ کہا جاتا ہے کہ فاتح کی سوتیلی ماں، یعنی سربیا کی شہزادی ماریا (Maria)، جو جارج برانکوویچ (George Brancovic) کی دختر تھی اور جو سلطان کے حرم میں داخل ہونے کے بعد عیسائی رہی، ان میں سے پہلی ”تربت“ میں مدفون ہے۔

۲۲ مئی ۱۷۶۶ء کے زلزلے سے مسجد کا گنبد گر گیا، جس سے فاتح کی ”تربت“ کو صدمہ پہنچا۔ اس کے بعد اس مسجد کو مکمل طور پر از سر نو تعمیر کیا گیا، جس میں قریب قریب پانچ سال لگے (۱۷۶۷-۱۷۷۱ء)۔

(۳) مسجد بایزید ثانی، جو بڑے بازار میں ہے اور جس میں بانی مسجد کی اور اس کی دختر سلجوق سلطان کی تربتیں ہیں۔ یہ مسجد ۱۵۰۱-۱۵۰۶ء میں تعمیر کی گئی اور اس بازار کی وجہ سے جو ماہ رمضان میں اس کے صحن میں لگتا ہے نیز ان کبوتروں کی وجہ سے جنہوں نے اس میں اپنے ٹھکانے بنا رکھے ہیں مشہور ہے۔

(۴) جامع سلیمیہ، جو پانچویں پہاڑی پر محلہ فنار میں واقع ہے اور جس میں سلیم اول کی قبر ہے، سلیمان اول نے ۱۵۲۲ء میں مکمل کی؛ اسی میں سلطان عبدالحمید کی قبر بھی ہے۔

(۵) جامع شہزادہ، تیسری پہاڑی پر سلیمان اول کے لیے معمار سنان [رتک بان] نے ۱۵۴۸-۱۵۴۹ء میں شاہزادہ محمد کی یادگار میں، جو ۱۶۰۹ء میں فوت ہوا، تعمیر کی۔ اسی میں اس شاہزادے کی اور اس کے بھائی جہانگیر (م ۹۶۰ھ) کی تربتیں اور متعدد دوزیروں کی قبریں بھی ہیں۔

(۶) جامع سلیمانیہ، اپنے بلند محل وقوع، جو شہر کی سب سے اونچی پہاڑی پر ہے، اور اپنی عظیم جسامت کی وجہ سے بہت شان دار معلوم ہوتی ہے۔ اسے سلیمان کی فرمائش پر سنان نے ۱۵۵۵-۱۵۵۷ء میں تعمیر کیا۔ اس میں چار مدرسے، ایک ”عمارت“ [لنگر خانہ] اور دیگر مکانات ہیں۔ چاروں مناروں میں بل کھاتے ہوئے دس زینے (شرف) ہیں، بظاہر اس لیے کہ اس کا بانی دسواں عثمانی سلطان تھا۔ سلیمان اول کی تربت مسجد کے صحن میں ہے اور اسی میں سلیمان ثانی، احمد ثانی اور بہت سی سلطانی خواتین بھی مدفون ہیں۔

(۷) جامع احمدیہ، جو آت میدان میں ہے، اپنے مناروں کی تعداد (چھ) کی وجہ سے مشہور ہے۔ اسے احمد اول نے ۱۶۱۷ء میں پورا کیا۔ اس کے اندر اس کے بانی کی قبر ہے، جس کی وفات اسی سال ہوئی اور اسی میں اس کے فرزند عثمان ثانی، مراد رابع اور ان کی مشہور ماں کو ستم والدہ [ماہ پیکر، دختر سلطان احمد اول] اور چند دیگر شاہزادوں کی قبریں بھی ہیں۔ ایام ماضیہ میں یہ مسجد ”شہابی مسجد“، مسجد جامع، بہت سے مذہبی تہواروں کے منانے کی جگہ اور بہت سے درباری رسمی جلوسوں کی گزرگاہ رہ چکی ہے (Const. u. Bosp.: von Hammer، ۴۲۱:۱)۔

(۸) نیکی (نئی) جامع، شاخ زریں کے ساحل پر باب یہود (چھت قیوسی) کے پاس، جو اب غائب ہو چکا ہے، اسے کو ستم والدہ نے شروع کیا اور اس کے بعد ترخان خدیجہ سلطان نے، جو محمد رابع کی والدہ تھی، ۱۷۶۳-۱۷۶۴ء

”پرانی سرای“ (Old Serai) کہتے ہیں۔ خود ترکوں نے اسے طوپ قیوسرای کا نام دے رکھا ہے؛ پہلے یہ نیکی [پنی] سرای کہلاتا تھا۔

۱۶۵۴ء تک صدر اعظم کے دفتر کے لیے کوئی سرکاری عمارت مخصوص نہیں کی گئی تھی۔ وہ سرکاری کام جو دیوان میں پیش نہیں ہوتے تھے وزیر کے نجی مکان میں طے کیے جاتے تھے۔ ۱۶۵۴ء میں محمد رابع نے صدر اعظم درویش محمد پاشا کو محل شہابی کے قریب ایک بڑی عمارت علانی کو شنگ کے سامنے مرحمت فرمائی۔ یہ صدر اعظم کا دفتر بن گیا اور باب عالی (Sublime Porte) کہلایا (عوامی زبان میں باہلی یا پاشا قیوسی)۔ گزشتہ صدیوں کے دوران میں یہ عمارت کئی بار پوری کی پوری یا جزوی طور پر آتش زدگی سے تباہ ہوتی رہی ہے۔ سب سے آخری مرتبہ ۶ فروری ۱۹۱۱ء کو۔

صدر اعظم کے علاوہ نیکی [پنی] چریوں کے آغا کا بھی ایک الگ Porte (دفتری مکان) تھا، جو آغا قیوسی کہلاتا تھا۔ یہ نیکی [پنی] چریوں کی بارکوں اور مسجد سلیمانیہ کے نزدیک تھا؛ اسے سلیمان اول [قانونی] نے تعمیر کیا تھا۔ ۱۷۵۰ء میں ”قصر آتش زدہ“ (یانغین کوشکی) کے ساتھ یہ بھی آگ سے جل گیا اور پھر مراد اول نے اسے دوبارہ تعمیر کیا۔ جب نیکی [پنی] چریوں کا دسواں فوج معطل کر دیا گیا تو یہ عمارت ۱۸۲۵ء میں شیخ الاسلام کو سرکاری قیام گاہ کے طور پر دے دی گئی (شیخ الاسلام قیوسی، باب فتویٰ پناہی) اور مشہور و معروف قصر آتش زدہ کو منہدم کر کے اس کی جگہ پر سرعسکری برج تعمیر کر دیا گیا۔

سرکاری دفاتر کو، جو انیسویں صدی میں یورپ کے نمونے پر قائم کیے گئے تھے، آج کل متفرق عمارات میں جگہ دے دی گئی ہے۔ ان میں سے اکثر بالکل جدید طرز کے ہیں اور ان میں تاریخی دلچسپی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ان میں سے فقط ”دفتر خانہ“ (دفتر تحمیل اراضی)، جو آت میدان میں ہے اور جس کے رجسٹر ”کونکات“ کہلاتے ہیں، جو سلیمان اول نے ساری مملکت کے لیے مرتب کیے تھے، ذکر کے قابل ہے۔

مساجد: (۱) جامع آیاصوفیا، اس کے لیے دیکھیے جداگانہ مقالہ بذیل ماڈہ۔
(۲) جامع محمدیہ، جسے سلطان فاتح نے کینسہ حواریین اور بوزنطی شہنشاہوں کے مقبرے کی جگہ چوتھی پہاڑی پر ۸۶۷ھ/ ۱۴۶۲ء - ۸۷۵ھ/ ۱۴۷۰ء میں تعمیر کیا۔ یہ ان متفرق اوقاف کی وجہ سے جو اس کے لیے مخصوص کیے گئے مشہور ہے، جن میں ”آٹھ مدرسے“ بھی شامل ہیں۔ اسی مسجد کے پاس فاتح کی ”تربت“ (مقبرہ) بھی ہے۔ ایک دوسری ”تربت“ اور بھی ہے، جس میں بایزید ثانی کی والدہ گل بہار سلطان نیز دوسرا بیلی کینزوں (حرم) اور محمد ثانی کی ایک دختر کی قبریں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق، جس کی اور کہیں سے تصدیق نہیں ہوتی، ان کا معمار ایک یونانی تھا، جس کا نام کرسٹوڈولوس (Christodoulos) تھا۔ ان مختلف افسانوں کے لیے جن میں کہا گیا ہے کہ سلطان نے اسے قتل کر دیا تھا، یا اس کے اعضا کاٹ دیے تھے، دیکھیے Gesch. des Osm.: Kantemir

(۹) مسجد مہر ماہ سلطان، دختر سلیمان اول، جس کی وفات ۹۶۵ھ/ ۱۵۵۷-۱۵۵۸ء میں ہوئی، شہر کی سب سے اونچی چوٹی پر ادرنہ دروازے کے قریب ہے اور اسی وجہ سے اسے ادرنہ قیوسی جامع کہتے ہیں۔ یہ سان کی بنائی ہوئی عمارتوں میں سے ہے۔

(۱۰) مسجد رستم پاشا، محلہ تختہ قلعہ میں شاخ زڑیں پر ہے۔ یہ اپنے کاشی نقش و نگار (faience work) کی وجہ سے مشہور ہے، اس کا بانی، جو بہت دن تک سلیمان اول کا وزیر اعظم رہا، مہر ماہ سلطان کا خاندان تھا۔ بسبک (Basbek) نے اس کے جو حالات لکھے ہیں ان کی وجہ سے وہ مشہور ہے۔ اس پاشا کی وفات ۱۵۶۱ء میں ہوئی۔ یہ مسجد سان نے تعمیر کی۔

(۱۱) وزیر اعظم صوفولی محمد پاشا کی مسجد، آت میدان (Hippodrome) کے جنوب میں؛ یہ پہلے ایک بوزنطی کنیسہ تھا؛ ۹۷۹ھ/ ۱۵۷۱-۱۵۷۲ء میں مکمل ہوئی۔ (۱۲) جامع فتحیہ، پانچویں پہاڑی پر۔ پہلے یہ پاما کرسٹوس (Pammaka-ristos) کا کلیسا تھا، جو فتح کے بعد یونانی بطریق کا مستقر بنا اور مرثالث نے اسے ۱۵۸۷ء میں مسجد میں بدل دیا؛ اسی وجہ سے کچھ عرصے تک یہ مراد یہ کے نام سے معروف رہی۔

(۱۳) مسجد جراح محمد پاشا، ساتویں پہاڑی پر، عورت بازار کے قریب، ۱۰۰۲ھ/ ۱۵۹۳-۱۵۹۴ء میں تعمیر ہوئی۔

بوزنطی کلیساؤں میں سے، جن کی تعداد چار سو تھی اور جو از روے روایت کبھی موجود تھے، صرف پچاس کی اب بھی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ ان میں سے فقط ایک (جسے "Muchliótissa" کہتے ہیں) یونانیوں کے قبضے میں باقی ہے۔ ایک پروسٹھویوں صدی میں ارمنوں نے قبضہ کر لیا تھا (صولومناستر)، باقی سب کے سب فتح کے بعد کی دو صدیوں میں مسجد بنا دیے گئے۔ آئرین (Irene) کا ایک کلیسا، جو سرائے (محل شاہی) میں ہے، اب دنیوی اغراض کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جو کلیسا با مسجد بن چکے ہیں ان میں سے چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

کلیسا جامع، یہ پہلے St. Theodor تھا اور پندرہویں صدی کے آخری ایام سے بطور مسجد استعمال ہوتا رہا ہے؛ (۲) جامع خیرہی، جو اپنے نقش و نگار کی وجہ سے مشہور ہے، پہلے باب ادرنہ کے پاس τῆς Χώρας خانقاہ تھی؛ اسے بایزید ثانی کے عہد میں مسجد بنایا گیا؛ (۳) اسی کے عہد میں سٹوڈیوس کی خانقاہ کو بھی، جو پیدی قلہ کے پاس ہے، مسجد بنایا گیا اور (۴) آخر میں "گل جامع" (گلاب مسجد) شاخ زڑیں پر آیا قیوسی کے پاس، جسے سلیم ثانی کے عہد میں مسجد بنایا گیا۔

باب ایوان سرائے کے سامنے، جو [گورستان] ایوب کے قریب ہے، [حضرت] ابوالیوب انصاریؓ کی مسجد ہے، جسے خاص طور پر مقدس مانا جاتا ہے اور ان کی تربت اسی کے قریب اس جگہ پر ہے جہاں آق شمس الدین نے اسے محمد ثانی کے محاصرے کے زمانے میں دریافت کیا تھا۔ ۸۶۳ھ/ ۱۴۵۸-۱۴۵۹ء میں فاتح نے اسی مقام پر مسجد تعمیر کی تھی، جس کی جگہ ۱۲۱۳-۱۲۱۵ھ/ ۱۷۹۸-۱۸۰۰ء

میں پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ علاوہ دیگر مقابر کے اس میں محمد راج، مصطفیٰ ثانی، احمد ثالث اور عثمان ثالث کی قبریں ہیں۔

(۹) نور عثمانیہ، دوسری پہاڑی پر بڑے بازار کے پاس؛ اسے محمود اول نے ۱۷۴۸ء میں شروع کیا اور عثمان ثالث نے ۱۷۵۵ء میں پورا کیا۔

(۱۰) مسجد لالہ لی، شاہی مسجدوں میں سب سے چھوٹی مسجد، شہر کے اندرونی حصے میں بحیرہ مارمورا کی جانب لالہ لی چشمہ (چشمہ لالہ) کے قریب سال ۱۷۶۱-۱۷۶۲ء میں سلیمیہ کے نمونے پر تعمیر کی گئی۔ اس میں دو "تربتیں" ہیں، جن میں بانی مسجد، اس کے بچے (بشمول سلیم ثالث) اور ان کی بیویاں مدفون ہیں۔

یہ مسجدیں جن کا ذکر اوپر ہوا وہ بڑی بڑی شاہی مسجدیں ہیں جو استانبول کی فصیلیوں کے اندر واقع ہیں۔ باقی ماندہ مسجدوں میں سے، جو کل ملا کر پانچ سو سے زائد ہیں، مندرجہ ذیل خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں:-

(۱) آیا صوفیا کوچک (چھوٹی آیا صوفیا)، بحیرہ مارمورا کے اوپر واقع ہے۔ پہلے یہ S. Bacchus اور S. Sergias کا کنیسہ تھا، لیکن فاتح کی حکومت کے دوران میں اسے مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔

(۲) جامع زیرک، شاخ زڑیں پر اون کپان کے اوپر ہے۔ پہلے یہ پینٹو کرٹر (Pantokrator) کی خانقاہ تھی، فتح کے بعد کچھ دن تک چڑا رکھنے کے کارخانے کے طور پر کام میں آتی رہی اور بعد ازاں فاتح نے اسے مسجد بنا دیا۔ اس کا نام زاویہ زیرک ملا محمود کے نام پر رکھا گیا ہے، جو اس کے پاس ہی ہے۔

(۳) جامع محمود پاشا، نور عثمانیہ کے قریب اس کنیسہ کی جگہ پر ہے جسے ۸۶۸ھ/ ۱۴۶۳-۱۴۶۴ء میں منہدم کر دیا گیا تھا۔ اسے اس صدر اعظم نے مکمل کیا جس کے نام پر اس کا نام رکھا گیا اور اسی میں اس کی تربت بھی ہے۔

(۴) جامع مراد پاشا، جو آق سرائے کے محلے میں ہے، ۸۷۰ھ/ ۱۴۶۵-۱۴۶۶ء میں بنائی گئی؛ اس کی بنیاد رکھنے والا فاتح کے وزیروں میں سے ایک تھا۔

(۵) جامع وفا، شاخ زڑیں پر بایزید ثانی نے ۸۸۱ھ/ ۱۴۷۶-۱۴۷۷ء میں زینبیہ شیخ مصطفیٰ کے لیے بنائی۔

(۶) جامع داؤد پاشا، ساحل مارمورا پر، ۸۹۰ھ/ ۱۴۸۵-۱۴۸۶ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔

(۷) جامع قوجہ مصطفیٰ پاشا، محلہ پسمتیہ (Psamatia) میں؛ ۸۹۵ھ/ ۱۴۸۹-۱۴۹۰ء میں ایک بوزنطی گرجا سے مسجد میں تبدیل کی گئی۔ اس کا بانی، جس کے نام پر اس کا نام رکھا گیا، پہلے عیسائی تھا۔ اس کی بابت کہا گیا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے شہزادہ جم (پسر سلطان محمد فاتح) کو زہر دیا تھا۔ یہ مسجد ان حکایات کی وجہ سے مشہور ہے جو زنجیر دار سرو کے درخت سے اور بیرونی صحن کے کنوؤں سے متعلق ہیں۔

(۸) ایسکی (یا عتیق) جامع علی پاشا، چنبرلی طاش پر۔ ۹۰۲ھ/ ۱۴۹۶-۱۴۹۷ء میں تعمیر ہوئی، اس میں متعدد وزرائے اعظم کی تربتیں ہیں۔

کتب خانے: ۱۸۸۲ء میں استانبول، ایوب اور طوط خانہ میں عوامی کتب خانوں کی تعداد پینتالیس تھی، جن میں بحیثیت مجموعی کل ۶۴۱۶۲ کتابیں تھیں اور تقریباً سب کی سب مخطوطات کی شکل میں۔ ان میں سے بیشتر کتب خانے مسجدوں سے یا زیادہ صحیح معنوں میں ان مدارس سے تعلق رکھتے تھے جو مسجدوں کے ساتھ وابستہ تھے۔ ان میں سے سب سے زیادہ کتابیں ان میں تھیں: کتب خانہ آ یا صوفیا (۴۸۶۴)، محمدیہ (۴۸۸۵)، نوری عثمانیہ (۴۳۸۲)، اِسعد افندی (۳۸۵۳)، کوپرولی (۲۷۷۷) اور راغب پاشا (۱۷۳۳)؛ ان اعداد میں وہ مجموعے شامل نہیں ہیں جو اسکی (طوط قبو) سرائے اور ان ”عوامی“ (عمومی) کتب خانوں میں تھے (جن میں بہت سی کتابیں مطبوعہ ہیں) جو اس وقت سے اب تک قائم کیے گئے ہیں۔ ان کتب خانوں کی فہرستیں (بہ استثناء کتب خانہ جات سرائے) استانبول میں طبع ہو چکی ہیں۔ ان کی سب سے پہلی خاصی صحیح فہرست (von Hammer) نے اپنی کتاب *Gesch. d. Osm. Reiches*، ۱۶۹:۹، بعد میں دی ہے۔ مخطوطات اور مطبوعات دونوں کی قدیم فہرستوں (قبّ حاجی خلیفہ، طبع فلوجل (Flügel)، ج ۷) کی قدر و قیمت اب بھی باقی ہے، اس کے باوجود کہ جدید فہرستیں چھپ چکی ہیں۔ سرائے کے مجموعہ ہائے کتب کے دو سب سے زیادہ اہم مجموعے بغداد کو شک (تقریباً پندرہ سو جلدیں) اور اس کتب خانے میں ہیں جو احمد ثالث نے ۱۹۷۱ء میں تعمیر کیا تھا (اندرون ہمایون کتب خانہ سی: تقریباً تین ہزار جلدیں)۔ یورپ میں محلّ شاہی کا کتب خانہ سوھویں صدی سے مشہور رہا ہے، کیونکہ اس میں یونانی اور لاطینی مخطوطات بڑی تعداد میں موجود تھے (اب ۳۷) اور یہ امید کی جاتی تھی کہ ان میں کلاسیکی مصنفین کی بعض گم شدہ کتابیں مل سکیں گی۔

استانبول کے مسقف بازار، جن میں کھلی دکانیں ہیں (چارشو، بڑتین)، نیز خانات (جو اطالوی Fondachi کی طرح بیک وقت گودام بھی ہیں اور دکانیں بھی) بظاہر سب کے سب ترکی زمانے کے ہیں۔ بڑا بازار، جس کی بنیاد محمد ثانی نے ڈالی تھی، قدیم تریام میں کئی بار آتش زدگی سے تباہ ہوا؛ اسے ۱۰ جولائی ۱۸۹۴ء کے زلزلے سے بھی بڑا نقصان پہنچا تھا۔ ”بڑے بازار“ سے ملتی جلتی طرز ”مصری بازار“ کی بھی ہے، جو سلیمان اول نے ۱۵۶۰ء میں بنایا تھا اور جسے آگ لگ جانے کے بعد ۱۶۰۹ء میں احمد اول نے دوبارہ پتھر سے بنایا (مصر چارشوی: دوواؤں اور گرم مسالے کا بازار)؛ یہ نیگی [پنی] جامع کے قریب بندرگاہ کی جانب واقع ہے۔

سب سے پرانی اور سب سے بڑی سرائیں (خان) ان سڑکوں پر ہیں جو بندرگاہ سے بڑے بازار کو جاتی ہیں، مثلاً (۱) مشہور ”والدہ خان“ (جو ۱۶۲۶ء میں کوسیم والدہ سلطان نے تعمیر کر کے ”نیگی [پنی] جامع“ کے لیے وقف کی)، ایرانی سوداگروں کے ٹھہرنے کی بڑی جگہ ہے اور اس میں تقریباً ۴۰۰ کمرے ہیں؛ (۲) بیوک نیگی [پنی] خان، جو مصطفیٰ ثالث نے تعمیر کی اور جس میں ۳۲۰ سے ۳۵۰ تک کمرے ہیں؛ (۳) سنبلو خان؛ (۴) محمود پاشا خان وغیرہ۔ دوسری سرائوں میں سے ”وزیر خان“ کا ذکر کر سکتے ہیں (جو طوق بازار کے محلّے میں ہے) اور جسے

میں ایک اور مسجد نے لے لی، جو اصل عمارت ہی کے نمونے پر بنائی گئی تھی، [حضرت] ابویوب انصاریؓ کے مقبرے کی آخری بار مرمت محمود ثانی نے ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء۔ ۱۸۲۰ء میں کی۔ اس مسجد میں جو تہذیب کا محفوظ ہے ان میں سے ایک رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] کا نقش قدم [قدم شریف] ہے۔ خود مقبرے میں وہ بانس محفوظ ہے جس پر (آپ کا) مقدس جھنڈا لہراتا تھا (سخن شریف)؛ اسی میں جشن تخت نشینی کے موقع پر [سلاطین کی] رسم شمشیر بندی (تقلید شریف) ادا کی جاتی تھی۔ گورستان ابویوب، جس میں متعدد سلاطین کی بیگمات، فضلا، شعرا، وزرا وغیرہ کی قبریں ہیں، بہت مشہور ہے۔

زیادہ تر سلاطین کے مقبرے شاہی مساجد میں ہیں؛ اس سے مستثنیہ ہیں: (۱) سلطان عبدالحمید اول (م ۱۸۹۶ء) کا خوب صورت مقبرہ (باغچہ قبوی کے پاس)؛ اسی میں مصطفیٰ چہارم (م ۱۸۰۷ء) بھی مدفون ہے؛ (۲) محمود ثانی (۱۸۳۹ء) کا شان دار مقبرہ؛ دیوان یولور؛ اسی میں عبدالعزیز (م ۱۸۷۷ء) بھی مدفون ہے۔

درویشوں کی خانقاہیں (تکد، تکلیہ، زاویہ) بھی یہاں بڑی تعداد میں موجود ہیں، جن میں سے کچھ بڑی ہیں اور کچھ چھوٹی۔ ۱۸۸۵ء میں ان خانقاہوں کی تعداد، جو استانبول اور اس کے اطراف میں موجود تھیں، دو سو ساٹھ تھی۔ ان اطراف میں وہ گاؤں بھی شامل ہیں جو باسفورس پر واقع ہیں۔ یہ خانقاہیں بہت ہی مختلف قسم کے سلسلہ ہائے صوفیہ سے تعلق رکھتی ہیں اور ان میں سب سے زیادہ اہم یہ ہیں: (۱) خانقاہ مولویہ، جو نیگی [پنی] قبوی میں ہے (یہ ۱۰۰۶ھ/۱۵۹۷-۱۵۹۸ء میں تعمیر کی گئی)؛ (۲) مرکز افندی کی خانقاہ سنبلویہ، جو اسی مقام پر واقع ہے اور جسے شیخ مصلح الدین مرکز مولوی نے بنایا تھا، جس کی وفات ۹۵۹ھ/۱۵۵۲ء میں ہوئی؛ (۳) پیرا کا مولوی خانہ، جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

مدارس (کالج): *Gesch. d. Osm. R.: von Hammer*، ۱۴۵:۹، بعد، میں ۲۷۵ مدرسوں کے نام دیے گئے ہیں؛ ۱۸۸۵ء میں ان میں سے استانبول اور ابویوب میں ۱۶۸ تھے اور بیشک طاش، طوط خانہ اور سقوطری میں ایک ایک؛ یعنی کل ملا کر صرف ۱۷۱، جن میں ۱۴۸ طلبہ مقیم تھے۔ ان میں سے سب سے زیادہ حاضری ان مدارس میں تھی: آ یا صوفیا (۱۴۸)، سلطان احمد (۲۰۰)، مدارس سلیمانہ (کل ۶۴۴) اور وہ مدارس جو [جامع] محمدیہ سے متعلق تھے (کل ۹۰۲)۔

شفا خانے اور بیمارستان (شفا خانہ، تاب خانہ، تیمار خانہ)، جو پہلے مسجدوں سے متعلق تھے، اب ان کی جگہ جدید ہسپتال یورپی نمونے پر بنا دیے گئے ہیں (مثلاً گل خانہ، حیدر پاشا وغیرہ کے ہسپتال، قبّ ریدار پاشا (Reidar Pasha)؛ *Für Jena die Turkie*، ۱۹۰۴ء)۔ ان میں سب سے اچھے اور زیادہ مشہور [شفا خانہ] محمدیہ اور بیمارستان احمدیہ تھے۔ ”عمارتیں“ (عوامی باورچی خانے) بھی، جو مسجد کے ساتھ وابستہ ہوتی تھیں، اپنی اہمیت کھو بیٹھیں؛ ترکی پارلیمنٹ نے ۱۹۱۱ء میں فیصلہ کر دیا کہ ان کی تعداد گھٹا کر تین کر دی جائے۔

آتے تھے، یعنی خشک سالی، محاصرات وغیرہ کے دوران میں، اور جن میں بڑی بڑی کاریزوں کے ذریعے پانی لایا جاتا تھا، اس وقت فقط پرہ بائن سرائے [زمین میں دھنسی ہوئی سرائے] کا حوض باقی ہے، جو استعمال میں آ رہا ہے اور باقی حوض—کم سے کم وہ جن پر چھت نہ تھی—ترکاری کے باغیچوں (چوٹو بوستان) میں تبدیل کر دیے گئے ہیں۔ بعض اور، مثلاً ان میں سب سے بڑا، یعنی فلکو نوں (Philoxenos) کا حوض، جسے اب بگ برڈیرک (ایک ہزار ایک ستون) کہتے ہیں، اپنے مرطوب ماحول کی وجہ سے ریشم کا تنے کے کارخانوں کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ترکی عہد میں ہزاروں فوارے (چشے، سمیل خانے) بن گئے ہیں، جن میں سے بعض اپنی ساخت اور آرائش دونوں کے لحاظ سے فن تعمیر کا حقیقی نمونہ ہیں؛ ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر احمد ثالث کا فوارہ ہے، جو محل شاہی ہی جانے کے بڑے دروازے (باب ہما یوں) کے سامنے ہے اور جس پر اس کے بانی کا خود اپنا لکھا ہوا کتبہ نصب ہے (۱۱۳۱ھ/ ۱۷۲۸-۱۷۹۰ء) [دیکھیے مادہ احمد ثالث]۔

بوڑنظی غسل خانوں میں سے اب ایک بھی باقی نہیں۔ ان کی جگہ مشرقی طرز کے معروف غسل خانوں (حماموں) نے لے لی ہے۔ اٹھارہویں صدی کے قریب استانبول کے ایسے حماموں کی تعداد کا اندازہ ایک سو تیس لگایا گیا تھا۔ اس وقت بھی ان کی تعداد غالباً یہی ہے۔

قدیم بوڑنظی شہر کی فصیلیں، جو اگرچہ عرصہ دراز سے شہر کے بچاؤ کے لیے کسی مصرف کی نہیں رہیں، ابھی تک بغیر کسی عملی تغیر و تبدل کے مغربی سمت میں قائم ہیں۔ محمد ثانی نے فتح کے چند سال بعد ان کی مرمت کی اور سات بروجوں کا قلعہ (پدی قلعہ) تعمیر کیا۔ اس پدی قلعہ میں (جسے Grelot نے بجا طور پر قسطنطنیہ کا باسٹیل (Bastille) کہا ہے) محافظوں ایک ”ڈژدار“ (قلعہ دار) کے زیر قیادت رہتی تھی۔ اس کے بعد سترہویں صدی تک اسے خزانے کے طور پر کام میں لایا جاتا رہا اور انیسویں صدی تک بڑے بڑے سرکاری افسروں اور بیرونی سفیروں کی قیام گاہ اور جنگی قیدیوں کے لیے محبس بنا رہا۔ اسی میں محمود پاشا کو، جو محمد ثانی کا مشہور وزیر اعظم تھا، نظر بند اور قتل کیا گیا اور جلا دوں نے عثمان ثانی کو گلا گھونٹ کر شہید کیا۔ ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱-۱۸۳۲ء میں آت میدان کے دارالوٹوش (آرسلان خانہ) کے شیر اس میں منتقل کر دیے گئے۔ اسے اب شکستہ اور ریزہ ریزہ ہو جانے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔

۱۴ ستمبر ۱۵۰۹ء کے بڑے زلزلے نے ان فصیلوں کو بڑا نقصان پہنچایا اور بائزید ثانی ان کی مرمت کرانے پر مجبور ہو گیا (فان ہامر von Hammer: Gesch. d. Osm. Reiches, ۲: ۳۵۰-۳۵۱)۔ مراد رابع کے عہد (۱۶۳۵ء) میں سمندر کی طرف کی فصیلیں کئی بار ٹوٹیں پھوٹیں اور بیرام پاشا نے انھیں پھر سے بنایا اور ان پر سفیدی کرائی (قُب اذلیا: Travels, etc. ۱۰: ۱۲۰-۱۲۱ بعد)۔ احمد ثالث کے عہد میں سمندر کی طرف کی فصیلوں اور بندرگاہ کی دیواروں کو آگری قبو

کور پر ڈیلا احمد پاشا نے تعمیر کیا تھا اور ایک اس ”خان“ کا جسے پرتو پاشا نے تختہ قلعہ محلے میں بنایا۔ ان عمارات میں سے جو آج سے بہت دن پہلے بنائی گئیں تھیں تخمیناً ۲۰۰ ایسی ہیں جو اب تک استعمال ہو رہی ہیں۔

کاروان سرائیں (یہ بھی خان کہلاتی تھیں) اب استانبول میں بالکل ناپید ہو چکی ہیں یا سیاحوں کی قیام گاہ کی حیثیت سے ان کی کوئی اہمیت نہیں رہی ہے۔ ان میں سب سے بڑی کاروان سرائے ستوقری [اسکدار] میں تھی؛ انھیں میں سے ایک ایلچی خان (سفیروں کی خان) تھی، جسے ۱۸۸۳ء میں گرا دیا گیا۔ یہ دیوان یولو پر نام نہاد ”عمود سوختہ“ (چنبرلی طاش) کے مقابل تھی۔ سترہویں صدی کے نصف آخر تک (بقول Gesch. d. Osman. Reiches: v. Hammer, ۵: ۳۹۱، ۱۶۴۴ء تک) بوڑنظی قیصر کے سفیر یہیں ٹھیرائے جاتے تھے یا یوں کہیے کہ حراست میں رکھے جاتے تھے۔

آب رسانی: سب سے قدیم کاریزوں کی بنیاد قیصر ہیڈرین (Hadrian) اور ویلینز (Valens) نے رکھی تھی، ویلینز کی کاریز کے خوش منظر آثار ”بوڑنظی شہنشاہوں نے کمری“ تیسری اور چوتھی پہاڑی کے درمیان محفوظ ہیں۔ بوڑنظی شہنشاہوں نے پانی بہم پہنچانے کا مکمل انتظام اس طرح کیا کہ نئی کاریز اور ٹل باسفورس کے یورپی ساحل کے دور دراز چشموں سے شہر تک پانی لانے کے لیے بنائے۔ ان کی جگہ بعد میں (ترک) سلاطین آئے اور انھوں نے ان آب رسانی کے ذرائع کو آراگے تک پھیلا یا کیونکہ مسلمانوں کے (وضو، غسل اور طہارت کے) مخصوص طور طریقوں کے پیش نظر ان کی خاص اہمیت تھی۔ سب سے پہلے جس نے یہ کام انجام دیا وہ خود فاتح تھا (Kritobulos, ۲: ۱۰۰، فصل ۲)۔ سلیمان [اول] ذرائع آب رسانی کی تعمیر کو اپنی زندگی کے تین کارناموں میں سے ایک سمجھتا تھا (باقی دو کام بڑی مسجد کی تعمیر اور وی انا کا فتح کرنا ہیں)۔ اس نے اپنے خاص معمارستان کو پانچ کاریزوں (بند کبری، اوزون کبر، معلق کبر، گوزل کبر اور مدڑس کو بی کے کبر) اور ان کے ساتھ ان سے متعلق ٹل اور ایک بڑے حوض کی تعمیر کا حکم دیا۔ عثمان ثانی نے ۱۶۲۰ء میں پیرگوس (Pyrgos) کا حوض بنوایا، احمد ثالث کی طرف ایک بند کی تعمیر منسوب کی گئی ہے، جو اس نے بلغراد کے جنگل کے پُر آب رقبے میں بنوایا۔ محمود اول نے ۱۷۳۲ء میں باغچہ کو بی کا بند بنوایا اور ایک کاریز تعمیر کی، جو پیرا غلطہ اور ٹوپ خانہ کو پانی پہنچاتی ہے۔ ان ذرائع کی تعمیر کے علاوہ گزشتہ تیس سال سے ڈرکوس (Derkos) کی جھیل سے پانی نجی مساعی کی بدولت بھی پہنچایا جا رہا ہے۔ ان میں سے قدیم تر تعمیرات میں مشرقی طرز ”تقسیم“ (مقسم آب) میں اور صورت بازی (ترازوے آب) کے ستونوں میں نمایاں ہے۔ سب سے زیادہ مشہور پیرا کی ”تقسیم“ (محمود اول) ہے اور وہ جو آگری قبو دروازے کے باہر استانبول کی خشکی کی جانب کی فصیلوں کی طرف واقع ہے۔

بوڑنظی حوضوں میں سے (جن میں سے ایک درجن سے زیادہ اس وقت تک معلوم ہو چکے ہیں)، جو پانی کی کمیابی کے وقت پانی جمع کرنے کے کام

تاج کے جواہر میں سب سے زیادہ قیمتی ہیرا ہے؛ (۲) ادرنہ قبو (اڈریا نوپل دروازہ)؛ (۳) طوپ قبو (توپ دروازہ)؛ (۴) مولوی خانہ پٹی [پنی] قبو (خانقاہ ’’درویش‘‘ کا نیا دروازہ)؛ (۵) سلیوری قبو (سلیوری دروازہ)؛ (۶) قاپہ لی قبو (تیغاکیا ہوا دروازہ، جو اب دوبارہ کھول دیا گیا ہے)؛ (۷) سلاخ خانہ قبو (مذبح یا کمیلہ دروازہ)، جو عام طور پر پدی قلعہ قبو کہلاتا ہے۔

تھیوڈوسیوس (Theodosius) کا تعمیر کردہ سنہری دروازہ (علامت فتح مندی)، ترکوں کی فتح کے بعد سے چُن دیا گیا ہے۔ ہلکے ابھرے ہوئے نقش و نگار (bas reliefs)، جو انیسویں صدی کے آغاز تک بھی اس کے لیے باعث زینت تھے، اب بالکل مٹ گئے ہیں۔

(ج) سمندر کی طرف فصیل کے دروازے، مشرق سے مغرب کی جانب:-
(۱) نارلی قبو؛ (۲) سماطیہ (Psamatia) قبو؛ (۳) داؤد پاشا قبو؛ (۴) بوستان قبو (جو اب تباہ ہو چکا ہے)؛ (۵) لنگا پٹی [پنی] قبو؛ (۶) ٹوم قبو (ریت دروازہ)؛ (۷) چنڈا دی قبو (چنڈا ہوا دروازہ)، جسے یونانی سولہویں صدی میں ’’ریچھوں والا دروازہ‘‘ کہتے تھے کیونکہ اس کے اوپر پتھر کے شیر رکھے ہوئے تھے؛ (۸) آخور قبو۔

(د) محل شاہی کی فصیل کے دروازے، جو بحیرہ مارمورا اور شاخ زرتین کے ساتھ ساتھ جاتے ہیں:-

(۱) بالق خانہ قبو؛ (۲) دگرمن قبو؛ (۳) خستلیق قبو؛ (۴) اوغرون (اودون) قبو؛ (۵) طوپ قبو (محل سلطانی میں سب سے اونچی جگہ پر؛ اب تباہ ہو چکا ہے)؛ (۶) یالی کو شک قبو، جو اب مسمار ہو چکا ہے۔

یہ دروازے فقط محل کے ساتھ مواصلات کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ وہ مقدس اور غیر مقدس عمارتیں جو اوپر گنوائی گئی ہیں، ان تغیرات کا واضح تصور پیش کرتی ہیں جو قسطنطنیہ میں اس زمانے میں رونما ہوئے جب اس پر ایک ایسی قوم کا تسلط ہو گیا جو نسل، مذہب اور ثقافت میں مختلف تھی اور جس کی روزمرہ کی ضروریات بالکل جدا گانہ تھیں۔ اس انقلاب سے کوئی چیز بھی نہیں بچی۔ ان لوگوں کا اثر ان متعدد یادگار عمارتوں اور ان فنی مصنوعات پر بھی ہوا جو کبھی بوزنطیم کے بازاروں اور عوامی سیرگاہوں کی زینت کا باعث تھیں۔ فاتح نے حکم دیا کہ جسٹینین (Justinian) کا عظیم فلزی گھروسوار مجسمہ (باقر آتی = ’’کانسی کا گھوڑا‘‘) اپنی جگہ سے اکھاڑ دیا جائے اور دھات کو پگھلا کر اس کی توپیں ڈھال لی جائیں اور دیگر مجسموں کا بھی یہی حشر ہوا۔

اس کے علاوہ دیگر منار وغیرہ، جو ابھی تک تقریباً معجزانہ طور پر غالباً اس لیے بچے ہوئے ہیں کہ انھیں طلسمات خیال کیا گیا تھا، یہ ہیں: آت میدان میں ابھی تک مصری محروطی عمود کھڑا ہوا ہے، جو کنسٹینٹین پورفروجینیئس کے عمود (سانپ کی لاٹ) کے بیچ کا حصہ ہے، لیکن اس حصے کا نحاسی خول ضائع ہو چکا ہے۔ سانپ کی لاٹ اٹھارہویں صدی کے آغاز تک بھی بچی ہوئی تھی۔ اس کے تین سر اور کھلے

تک مکمل طور پر نئے سرے سے ۱۷۲۲-۱۷۲۳ء میں بنایا گیا (چلبی زادہ، ورق ۶۷ ب بعد)۔

اس کے بعد سے اب تک ان کی حفاظت کے لیے کچھ نہیں کیا گیا۔ جب مشرقی ریلوے کی بنیاد پڑی تو سمندر کی جانب کی فصیلوں کا ایک بڑا حصہ منہدم کر دیا گیا۔ شاخ زرتین کی طرف کی فصیلیں تقریباً ساری کی ساری ان مکاناتوں سے ڈھک گئی ہیں جو ان پر بن گئے ہیں اور یا آتشزدگی سے برباد ہو گئیں۔ اب صرف کہیں کہیں چند خاصے بڑے حصے بچ رہے ہیں۔

فصیلوں کے دروازے

(الف) شاخ زرتین پر، مشرق سے مغرب کی جانب:-

(۱) باغچہ قبو (باغ دروازہ)؛ (۲) چنڈت قبو (یہودی دروازہ)، پٹی [پنی] جامع کے سامنے؛ (۳) بالق بازار قبو (مچھلی منڈی دروازہ)؛ یہ تینوں اس وقت تباہ ہو چکے ہیں؛ (۴) ہمیش اسکلہ سی قبو (میوے کی بندرگاہ کا دروازہ)، جسے عام طور پر زندان قبو (جیل دروازہ) کہتے ہیں، کیونکہ اس کے قریب ہی ’’محبس قرضداران‘‘ واقع ہے، جسے زمانہ قبل کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ (۱۲۴ھ/ ۱۸۳۱-۱۸۳۲ء میں اسے بدل کر قرہ قول Karakol ’’چوکیدار خانہ‘‘ بنایا گیا)؛ اس کے قریب ہی بابا جعفر کا مقبرہ ہے، جو قیدیوں کا نگہبان ولی ہے؛ (۵) اودون قبو (کڑی کا دروازہ)؛ (۶) پٹی [پنی] یا ایازمہ قبو، جو سولہویں صدی میں تعمیر کیا گیا؛ (۷) اون کپان قبو (آٹے کے گودام کا دروازہ)؛ (۸) جُبہ لی قبو، جس کا نام جُبہ علی کے نام پر رکھا گیا ہے، جس نے فاتح کے زیر قیادت محاصرے میں حصہ لیا تھا؛ (۹) آیا قبو (مقدس ہستیوں کا دروازہ، جس نے سینٹ تھیوڈوشیا کے کیسے کے قرب کی وجہ سے یہ نام پایا، یہ کیسہ آج کل گل جامع ہے)؛ (۱۰) فنار قبو، یہ محلہ فنار کے مدخل پر ہے؛ (۱۱) پیٹری قبو، جو بوزنطی عہد میں قلعہ بند پیٹری (Petron) کے اندر جانے کے راستے پر تھا؛ (۱۲) اچری پٹی [پنی] قبو (شاخ زرتین کے اندر جانے کا نیا دروازہ)؛ (۱۳) بلاط قبو، اس کا نام قصر بلینٹرا (Blachernae) کے نام سے ماخوذ ہے، جو اس کے قریب واقع ہے؛ سولہویں صدی تک بھی اس کا بوزنطی نام τὸ Ὑβνηγοῦ (شکاری دروازہ) موجود تھا؛ (۱۴) ایوان سرائے قبو (ایوب انصاری^[۱]) کی بگڑی ہوئی شکل ہے، کیونکہ اس دروازے سے گورستان، ایوب کے احاطے میں داخل ہوتے ہیں)، سولہویں صدی میں یونانی اسے Xyloporta کہتے تھے۔

(ب) خشکی کی طرف کی فصیلوں کے دروازے، شمال سے جنوب کی جانب:-

(۱) اگری قبو (ٹیڑھا دروازہ)۔ اگری قبو کے پاس فصیل شہر سے ملے ہوئے تعلقو سرائے کے، جو کنسٹینٹین پورفروجینیئس (Constantine Porphyrogenetos) (دسویں صدی) کا تعمیر کردہ قصر تھا، کھنڈر ہیں۔ فتح کے بعد اسے پہلے اصطلیل فیل اور پھر نیسین چین (nicean faïence) اور کالج سازی کا کارخانہ بنایا گیا۔ پھر یہ اس وجہ سے مشہور ہو گیا کہ یہاں چوبان طاشی دستیاب ہوا، جو ترکی

بندرگاہ بن گئی ہے۔ بونظلی عہد میں داخلے کا یہ راستہ دشمنوں کے بیڑوں کو روک دینے کے لیے بارہا ایک زنجیر سے بند کر دیا جاتا تھا (دیکھیے van Millingen، ص ۲۲۹ بعد)۔ جس جگہ اب ایک پل تعمیر کر دیا گیا ہے وہاں دونوں ساحلوں کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ چھوٹی کشتیوں کے ذریعے قائم رکھا جاتا تھا۔

سولھویں صدی تک بھی گورستان اللوب کے پاس اس سنگین پل کے جو چھٹینین (Justinian) نے بنایا تھا کچھ ٹکڑے باقی تھے۔ اسے ابن بطوطہ، ۴۳۱:۲، نے تباہ شدہ لکھا ہے۔ سمندر کے اس سب سے زیادہ اندر کو گھسے ہوئے بازو کی شاخ پر ایک یا ایک سے زیادہ پل ”آبہائے شیریں“ (کیات خانہ Kiat-Khane) کے پاس بنے ہوئے تھے۔ دسپنا (Désrina) پل اور ”ہاتھیوں کے پل“ (فیل کو پروسی) کی بابت کہا گیا ہے کہ وہ ترکی عہد میں موجود تھے۔

سلطان محمود ثانی نے لکڑی کی تیرتی ہوئی چوڑے پینڈے کی کشتیوں کا سب سے پہلا پل استانبول (اون کپان) اور غلط (عذاب قبو) کے درمیان بنایا؛ اس کا افتتاح بڑی دھوم دھام سے ۳ ستمبر ۱۸۳۶ء کو ہوا۔ دوسرا بڑا پل، جدید یا ”والدہ“ پل، چوک امین اذلولؤ Eminönü (استانبول کی جانب، جامع والدہ کے قریب) اور قرہ کوبی (غلط) کے درمیان ۱۸۴۵ء میں سلطان عبدالحمید کی والدہ نے بنایا۔ ان دونوں پلوں کی بارہا مرمت ہو چکی ہے اور چوبی کشتیوں کی جگہ آہنی کشتیاں لگا دی گئی ہیں۔

ایک تیسرا پل، جولوب اور خاص کوبی کے درمیان تھا (اور ”یہودیوں کا پل“ کہلاتا تھا) ۱۸۶۲ء میں آتشزدگی سے تباہ ہو گیا۔ یہ پل صرف دس سال تک قائم رہا۔

سلیم اول نے شاخ زرتین کے شمالی ساحل پر ایک مخزن سامان حرب (ترسانہ) ۱۵۱۶ھ/۱۵۱۶ء میں، اس مقام پر جو آگے چل کر روضہ قاسم پاشا ہونے والا تھا، تعمیر کیا۔ اسے پہلے سلیمان اول نے اور پھر امیر البحر اعظم جزائری حسن پاشا نے (عبدالحمید اول کے زمانے میں) بہت زیادہ وسیع کر دیا اور اب وہ اپنی متعلقہ عمارت — قرارگاہ جہازان، کارخانے، رہنے کے مکانات، ”دیوان خانہ“ (قبو دان پاشا کا مسکن اور اس کے بعد وزارت بحری کا دفتر) وغیرہ — کی بدولت خاص کوبی سے غلط (عذاب قبو) تک پھیلا ہوا ہے۔

دیوان خانے کے مغرب میں جہازی غلاموں کے لیے وہ بدنام مقام تھا جسے بگنیو bagnio (فحش خانہ) کہتے تھے۔

اس مخزن اسلحہ کے اوپر بلند جگہ پر اوق میدان (تیر بازی کا میدان) ہے، جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد محمد ثانی نے ڈالی تھی۔ اس میدان میں تیر انداز، جن میں بہت سے سلاطین بھی شامل تھے، بالخصوص سلیم ثالث، تیر چلانے کی مشق کیا کرتے تھے؛ ان کی مہارت اور قادر اندازی کا بیان بہت سے سنگی ستونوں (نشان طاشی) پر نظم اور نثر میں لکھا ہوا ہے۔ نماز پڑھنے کی کھلی جگہ (نمازگاہ)، جو ان نفس مناظر کی وجہ سے مشہور ہے جو وہاں سے نظر آتے ہیں، احمد ثالث نے

ہوے جڑے تقریباً سب آفتوں سے بچ گئے تھے۔ ۱۷۰۳ء میں جب پولینڈ کی سفارت کو آت میدان میں ٹھہرایا گیا اس وقت اس کے تینوں سر بعض توڑ پھوڑ کرنے والوں نے، جن کا کبھی پتہ نہ چلا، کاٹ ڈالے۔ خارجی مہمانوں پر شبہہ ہوا کہ انھوں نے یہ حرکت کی ہے..... ان میں سے ایک سر کا اوپر کا جڑ اس وقت سے پہلے ہی ضائع ہو چکا تھا؛ عام قصے کہانیوں کے مطابق اسے سلیمان اول کے وزیر اعظم ابراہیم پاشا کے خدام نے کاٹ ڈالا تھا۔ کچھ اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ کام محمد ثانی نے کیا اور کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ سلیم ثانی یا مراد رابع نے ایسا کیا۔

قسطنطین اعظم کا سنگ سماق کا ستون، جو طوق بازار میں ہے اور جسے ترک چنبری طاش کہتے ہیں، ابھی تک باقی چلا آتا ہے، اگرچہ اسے بجلی گرنے، زلزلے اور آتش زدگی سے نقصان پہنچ چکا ہے۔ اسی طرح مارشین (Marcian) کا ستون (قرطاشی columna virginea) بھی ابھی تک بچا ہوا ہے۔ اس بے ڈھنگی وضع کے چبوترے کی بابت، جس پر وہ کھڑا ہے، ترکوں کا پختہ خیال ہے کہ یہ قسطنطین اعظم کی دختر کی قبر ہے۔ آرکیڈیس کے ستون (the columna historiate، جسے یہ نام اس لیے دیا گیا کہ اس کے گرد گرد ویسے ہی ابھروا نقش و نگار بنے ہوئے ہیں جیسے کہ ٹرائجن کے ستون پر ہیں) کا فقط چبوترہ باقی بچا ہے؛ یہ ستون اٹھارھویں صدی کے آغاز میں تباہ ہوا اور اس کی ابھروا دھاریاں مٹ گئیں۔ مختلف اقسام کے ستونوں کے لیے دیکھیے C. Gurlitt: *Antike Denkmalsäulen in Konstantinopel* (۱۹۰۹ء)؛ سانپ کی لاث (Snake Column) پر قدیم اور جدید زمانے میں جو افتادیں پڑیں ان کے لیے دیکھیے O. Frick: *Das Plataeische Weihgeschenk zu Konstantinopel* (لاپزگ ۱۸۵۹ء)؛ Fabricius، *Jahrbuch des Deutschen Arch.* ۱۹۱-۱۷۶:۱ (۱۸۸۶ء)۔ قسطنطنیہ کے قدیم مناظر اور خاکے، نیز سولھویں صدی کے آغاز کے کھدے ہوئے کتبے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس وقت تک بہت سی قدیم عمارتیں بچی ہوئی تھیں، جن کی بابت ہمارے پاس مزید اطلاعات اس وقت نہیں ہیں۔ آت میدان کی یادگار عمارتوں اور ان مجسموں کے لیے جو ابراہیم پاشا پست (Pest) [ہنگری] سے لایا اور وہاں نصب کیے، دیکھیے Weigand کا مقالہ، *Jahrbuch des Deutschen Arch.* ۲۳ (۱۹۰۸ء)۔

شہر کی قدیم جہازگاہیں، جو بحیرہ مارمورا پر تھیں، ترکوں کے عہد میں غائب ہو گئیں۔ ان میں سے سب سے بڑی جہازگاہ الیوتھیریس (Eleutherius) ۱۷۶۰ء میں بالکل پاٹ دی گئی اور اس وقت وہ منڈی کا ایک بڑا باغ ہے (ولنگا بوستان wlanga bostān)۔ ”گیلی (Galley) جہازگاہ“ (قد زغمہ لیمانی، جولین (Julian) یا صوفیا (Sophia) کی بندرگاہ) اس وقت تک بحری بندرگاہ اور مخزن سامان جنگ کے طور پر استعمال کی جاتی رہی جب کہ سلیم اول اور سلیمان اول نے شاخ زرتین پر مخزن آلات حرب بنایا۔

شاخ زرتین (ترسانہ بوغازی) اس وقت سے قسطنطنیہ کی بحری اور تجارتی

اپنا قبضہ جما بیٹھے۔ کیتھولک لوگوں کے پاس فقط سینٹ پیئر (Pierre)، سینٹ جارجز (Georges) اور سینٹ بنوئٹ (Benoît) بچ رہے؛ باقی سب، یعنی سینٹ پال (Paul)، جو آج کل ”عرب جامع“ ہے (۱۵۲۵-۱۵۳۵ء سے یہ مسجد بن گئی ہے)، سینٹ ماریا ڈی ڈراپیرس (Draperis) جو ۱۶۶۳ء میں ضبط ہو گیا، سینٹ فرانسوا (François)؛ (۱۸۹۷ء سے یہ ”مسجد والدہ“ ہے)، سینٹ آنا (Anna)؛ (جو ۱۶۹۷ء میں ضبط ہوا)، سینٹ سبیاستین (Sebastian)، سینٹ کلارا (Clara)، سولھویں اور سترھویں صدی کے گزرتے گزرتے نیست و نابود ہو گئے۔ یونانی کلیساؤں میں سے سب سے زیادہ مشہور Xpυσοπηγήہ تھا؛ یہ سترھویں صدی میں ویران ہو گیا۔ غلطی میں ترکوں کی چودہ مسجدیں ہیں، جن میں سے چار اصل میں گر چکے۔

غلطی میں، جہاں آج کل کے پیرا کی طرح متعدد ہٹل اور تفریح گاہیں ہیں، بہت سے ترک سیر کے لیے پہنچ جاتے تھے تاکہ وہاں فرنگیوں کے طریقے سے لطف اندوز ہوں۔ محمد ثانی کبھی کبھی کیتھولک گرجاؤں میں وہاں کی نماز دیکھنے بھی چلا جاتا تھا۔

سولھویں صدی کے آغاز ایسے قدیم زمانے ہی میں وینس اور فرانس کے سفیر اور دیگر بیرونی اشخاص غلطی کے شمالی بلند مقامات میں آ کر "vignes de Pe'ra" ("دوسری طرف یار کے تانستان") میں سکونت اختیار کر لیتے تھے؛ چنانچہ Pera کا لفظ، جو اسی فقرے سے مختصر کر کے بنا لیا گیا ہے، اس نوآبادی کا مخصوص نام ہو گیا اور پھر غلطی کے نام کے طور پر، جس پر پہلے اس کا اطلاق ہوتا تھا، متروک ہو گیا۔ لیونگی گریٹی (Luigi Gritti) کا مکان بھی، جو سلیمان اول کے وزیر اعظم ابراہیم پاشا کا مشیر اور کارکن تھا، یہیں تھا اور مشرقی شان و شوکت سے مزین تھا۔ ترکوں کے ہاں اس کا نام بیگ اوغلو (فرزند شاہزادہ) مشہور تھا (کیونکہ وہ ایک دوڑ (Doge) [وینس اور جنوآ کی جمہوریتوں میں حاکم اعلیٰ] کا بیٹا تھا)، اس لیے پیرا کا بھی یہی نام پڑ گیا۔ اس کا یونانی نام Stavrodromi ("چوراہا") ہے، کیونکہ پیرا کے اندر داخل ہونے کے مقام پر پیرا جانے والی بڑی سڑک کو وہ سڑک جو طوب خانہ سے اسلحہ خانے جاتی ہے کاٹتی ہے۔

اس وقت سے اب تک پیرا برابر پھیلتا جا رہا ہے، اس کی آبادی ایک لاکھ ہو گئی ہے اور اب یہی یورپ والوں کا اصلی مقام و مسکن ہے؛ غلطی اب تک تجارتی مرکز اور سمندری بندرگاہ بنا ہوا ہے۔ ترکوں کی آبادی، جو پیرا کی بلند پہاڑی کی مغربی اور مشرقی ڈھلوانوں پر ابتدائی زمانے میں آ کر یہاں بس گئے تھے، رفتہ رفتہ غائب ہوتی چلی جا رہی ہے اور اب فقط چند چھوٹی چھوٹی مسجدیں، جو یورپی محلے کے درمیان رہ گئی ہیں، یہ یاد دلاتی ہیں کہ یہاں کبھی مسلمان بھی بستے تھے۔

ابتدائی زمانے کی دو یادگاریں اور باقی رہ گئی ہیں؛ ایک غلطی سرائے، دوسری خانقاہ مولویہ، جو غلطی اور پیرا کی درمیانی سڑک پر واقع ہے۔ غلطی سرائے کا بانی بایزید ثانی تھا اور یہ شاہی خدام کے لیے تربیت گاہ کے کام میں لائی جاتی تھی۔ سلیم ثانی

۱۱۲ھ/۱۷۱۵ء میں بنائی تھی۔ قوط اور وبا کے زمانے میں لوگ دعا کے لیے جوق در جوق یہیں جمع ہوتے تھے۔ ستمبر ۱۷۲۰ء میں شہزادوں کے ختنوں کا جشن بھی یہیں چودہ دن تک منایا گیا تھا۔

ان اطراف و جوانب میں جو مسجدیں بنائی گئیں ان میں سے صرف قیودان پاشا پیالہ، فاتح ساقز (Chios) اور فاتح جربہ، کی مسجد کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ آخر الذکر مسجد ۱۷۷۲ء میں قاسم پاشا کے اوپر ایک خوش منظر مقام پر تعمیر کی گئی اور اس کے لیے بڑی قیمتی جائیداد وقف کی گئی۔

ناحیہ غلطی: اس نام کی، جو اس مقام کو اس کے پرانے نام Sykae کی جگہ بہت ہی قدیم زمانے میں دے دیا گیا تھا، اصل یقینی طور پر معلوم نہیں؛ اس کے ساتھ اس کا متبادل نام Pera؛ ("دوسری جانب") مختلف شکلوں میں استعمال ہوتا رہا۔ جب مملکت بوزنطیم پھر بحال ہوئی تو میکائل ہفتم پیلوگوس نے ۱۲۶۱ء میں غلطی اہل جینوا کو دے دیا۔ انھوں نے وہاں ایک خود مختار نوآبادی کی بنیاد ڈالی، جو ایک حاکم (Podesta) کے تحت تھی۔ آگے چل کر انھوں نے شہر کے گرد گرد فصیلیں اور خندقیں بنالیں۔ غلطی کا برج، جو ایک سو پچاس فٹ بلند ہے اور ایک اونچے مقام پر رکھا ہوا ہے، پرانے استحكامات کی وہ سب سے آخری عالیشان یادگار ہے جو بچ رہی ہے۔ اس عظیم برج کو فتح کے بعد قید خانے کے طور پر استعمال کیا گیا اور اس کے بعد اسے آتشزدگی کی نگرانی کرنے کا مقام بنا دیا گیا، جو یہ آج تک بنا ہوا ہے۔ ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۳-۱۷۹۴ء میں اس میں آگ لگی، جس سے اسے سخت نقصان پہنچا؛ اس کے بعد اسے پھر ویسا ہی بنا دیا گیا جیسا پہلے تھا اور اس کی بلندی کئی گز بڑھادی گئی۔ مشہور و معروف مفتی فیض اللہ (اٹھارھویں صدی کے آغاز میں) نے یسوعی پادری (Jesuit) بسنیر (Besnier) سے خواہش کی کہ وہ اس چوٹی پر ایک رصدگاہ قائم کرائے۔

غلطی کی فصیل میں اندر داخل ہونے کے حسب ذیل دروازے تھے: شارخ زرتین پر (مغرب سے مشرق کو) عذاب قیو، تورقی قیو، باغ قیان قیو، بالق بازار قیو، قرہ کوینی قیو، گرشٹلوخونی قیو، موم خانہ قیو، کزنج قیو، ارگری قیو؛ خشکی کی جانب (مغرب سے مشرق کو)؛ نایت اسکله سی قیو، بویوک اور کوچک قیو، طوب خان قیو؛ اندرونی فصیل میں: کوچک قرہ کوینی قیو، محل قیو، میدا جیک قیو، کلیسا قیو، ایچ عذاب قیو، صارق قیو۔ ۱۸۵۷-۱۸۶۰ء میں فصیلوں کو مع برجوں کے تقریباً کلی طور پر گرا دیا گیا؛ جینوا کے عہد کی سڑکوں کا بھی، جو پترم بے بازار میں ابھی تک بچ رہی ہیں، یہی انجام ہونے والا ہے۔ بعد میں جو پیرا کی لاطینی آبادی کہلائی اس کی جڑوہی فرنگیوں (اطالویوں) کی جماعت تھی جو قدیم زمانے میں یہاں آ کر آباد ہو گئی تھی۔ اس کے بعد یونانی (بالخصوص ساقز (Chios) سے، یہودی اور ارمنی یہاں آ کر آباد ہوئے۔ جب یہاں محزن سامان اسلحہ اور توپ سازی کے کارخانے (طوب خانے) کی بنیاد رکھی گئی تو مغرب اور مشرق کے مسلمان بھی زبردستی یہاں گھس آئے اور بڑے بڑے کیتھولک اور یونانی کلیساؤں پر، جو انھیں وہاں ملے،

تھے (Const. u. Bosp.: von Hammer، ۱: ۱۹۱)؛ ایک شخص مصطفیٰ نجیب نے، جس کا وہاں ساحل پر ایک بنگلہ تھا، اس کے لیے ایک رصیف (pier) بنا دیا۔ آخر میں اسے ۱۲۶۷ء میں ایک چھوٹی سی جہاز گاہ تعمیر کر کے محفوظ کر دیا گیا، لیکن اس کا نام چلا آتا ہے۔

دولمہ باغچہ (بھرپور باغ)؛ اس کا ترجمہ ”کدو باغ“۔ جو پہلے پہل von Hammer: Const. u. Bosp.: ۲، ۱۹۰۰ء میں نظر آتا ہے۔ ایک مضحکہ خیز غلط فہمی پر مبنی ہے۔ یہ رقبہ زمین، جہاں اب عبدالحمید کا ۱۸۵۳ء میں بنایا ہوا قصر کھڑا ہے، مع اس کے سامنے والے میدان کے اصل میں ایک گہری خلیج تھا، جو قرہ یالی باغ اور بیشک طاش باغ کے بیچ میں واقع تھی، جس کا ذکر سوھویں صدی میں اکثر آتا ہے۔ ۱۶۱۳ء میں تین ماہ کی مدت کے اندر اندر قبو دان پاشا غلیل نے اسے سمندر سے علیحدہ کر دیا۔ یہی خلیج تھی جس سے فاتح کے جہاز ۱۳۵۳ء میں خشکی پر گھسیٹ کر شاخ زرین میں ڈالے گئے تھے (دیکھیے اوپر)۔ آگے چل کر ایک زمانے میں جب جہاز کے بیڑے کو کسی مہم پر بھیجنا ہوتا تھا تو امیر البحر اسے یہیں لنگر انداز کرتے تھے اور رخصتی مراسم دھوم دھام سے بجالاتے تھے۔ اس قصر کو سلطان عبدالحمید اور اس کے بعد اس کا جانشین عبدالعزیز شاہی مسکن کے طور پر کام میں لاتے تھے، یعنی اس وقت تک جب تک کہ عبدالعزیز نے قصر چراغان تعمیر نہیں کیا تھا؛ اس کے بعد سلطان محمد خامس پھر دولمہ باغچہ میں رہنے لگا۔

[۱۹۲۰ء کے بعد سے استانبول ترکی کا پائے تخت نہیں رہا۔ جمہوریہ کے قیام کے بعد شروع کے چند سالوں میں اس کی گزشتہ رونق اور خوش حالی میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا تھا، لیکن یہ عارضی انحطاط جلد ہی جاتا رہا اور استانبول کی آبادی اور اقتصادی اہمیت میں پھر اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ آج کل یہ شہر جمہوریہ ترکی کے ایک صوبے (ولایت یا ایل) کا مرکز ہے، جس میں باسفورس (استانبول، بوغازی) کے دونوں طرف کا علاقہ اور جزیرہ نما بوز برون کا شمال مغربی حصہ (یا لوہ کی قضا) شامل ہے۔ اس صوبے کا مجموعی رقبہ ۵۳۹۰ مربع کلومیٹر ہے (یورپ میں ۳۳۰۲ اور ایشیا میں جزائر سمیت ۲۰۸۸ کلومیٹر)۔ کل آبادی ۱۹۵۵ء کی مردم شماری کی رُو سے تقریباً پندرہ لاکھ اور ۱۹۶۰ء کی مردم شماری میں ۱۸۸۲۰۹۲ تھی۔ ۱۹۵۷ء میں یہ صوبہ ان اٹھارہ قضاؤں میں منقسم تھا: امین اوغلو، فاتح، ایوب، زیتون بونو، باقر کوی، بے اوغلو، شیشلی، بیشک طاش، صاری پر، بے کوز، اسکدار، قاضی کوی؛ اور جزائر میں: چتالچہ، سلپوری، شیلہ، قرنتال اور یا لوہ۔ ۱۹۶۰ء کی مردم شماری میں شہر استانبول کی آبادی ۱۳۶۶۵۳۵ تھی۔

علم و ثقافت کے نقطہ نظر سے استانبول صرف ترکی ہی کے شہروں میں سرفہرست نہیں، بلکہ بحر متوسط اور آس پاس کے مشرقی ممالک میں بھی ایک مخصوص اہمیت کا حامل ہے۔ جامعہ استانبول میں پچھلے (faculties) اور ۱۹۵۷ء میں ساڑھے سولہ ہزار کے قریب طلبہ تھے۔ اسی طرح یہاں کی صنعتی (technical) یونیورسٹی میں پانچ لاکھ اور تقریباً تین ہزار طلبہ تھے۔ علاوہ ازیں فنون لطیفہ کی ایک

اور پھر دوبارہ محمد رابع کے عہد (۱۰۷۶ھ/۱۶۶۵-۱۶۶۶ء) میں اسے بند کر دیا گیا تھا؛ اس کے بعد احمد ثالث نے ۱۷۱۲ء میں اسے پھر بحال کر دیا۔ قدیم عمارت کو ۱۸۲۰ء میں منہدم کر دیا گیا؛ جدید عمارت ۱۸۲۷ء میں تیار ہوئی اور اسے میڈیکل سکول بنا دیا گیا جہاں عام امراض کی تشخیص کی جاتی تھی۔ ۱۸۶۷ء سے اسے فرانسیسی نمونے پر شاہی ثانوی (Lycée Impérial) درس گاہ بنا دیا گیا ہے۔

خانقاہ مولویہ، جو اس دارالسلطنت میں سب سے زیادہ قدیم آبادی ہے اور ”غلط مولوی خانہ سی“ کہلاتی ہے (اس لیے کہ ضلع غلط میں پیرا بھی شامل ہے)، ۸۹۷ھ/۱۴۹۱-۱۴۹۲ء میں تعمیر کی گئی، ۱۷۶۵ء میں آتشزدگی سے تباہ ہوئی اور آخری مرتبہ سلیم ثالث نے اسے ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵-۱۷۹۶ء میں موجودہ شکل میں تعمیر کیا۔ یورپ والوں میں یہاں زیادہ مشہور ہے کہ یہاں مرتد احمد پاشا (یونیوال Bonneval، رٹک بان) کی قبر ہے اور مسلمانوں میں اس لیے کہ یہاں اسماعیل انقروی، شارح مثنوی، کا مزار ہے۔

غلط سے متصل ساحل سمندر کی مشرقی سمت میں طوپ خانہ کے آس پاس کا علاقہ ہے۔ طوپ خانہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں خود فاتح نے بندوقیں ڈھالنے کا کارخانہ قائم کیا تھا اور سلیمان اول نے اسے اور زیادہ پھیلا دیا۔ موجودہ عمارت کی، جس میں آج کل محض سرکاری دفاتر ہیں کیونکہ اسلحہ اب بیرونی ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے، تعمیر کی تاریخ ۱۷۴۵ء ہے۔ ٹھیک اس کے مقابل قبو دان پاشا قلیج علی نے اپنی عظیم مسجد ۱۵۸۰ء میں بنائی، جس میں ایک تربت بھی ہے، جو بد سلیقگی سے فرنگی طرز پر بنائی گئی ہے۔ یہ دونوں عمارتیں سنان نے تعمیر کیں۔ تربت کا زمانہ تعمیر غالباً متاخر ہے، ۱۷۳۲ء میں محمود اول نے اس مسجد کے سامنے ایک فوارہ بنایا اور اسے خوب آراستہ کیا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک کھلے میدان میں نصرتیہ مسجد ہے، جو مراد ثانی نے ۱۸۲۳-۱۸۲۶ء میں کئی [پنی] چریوں کے قتل کی یادگار میں بنائی۔

اس رصد گاہ کی جائے وقوع جس کا بارہا ذکر آچکا ہے اور جسے ماہر بیت تقی الدین نے مراد ثالث کے حکم سے تعمیر کیا تھا اور جو فروری ۱۵۸۰ء میں تاریخی جغرافیہ دان سعد الدین کی درخواست پر منہدم کر دی گئی زیادہ وضاحت کے ساتھ معین نہیں کی جاسکتی۔

انہیں اطراف و جوانب میں محلہ فندقلی کے اندر ایک مسجد ہے، جسے مراد ثالث نے ۹۶۷ھ/۱۵۵۹-۱۵۶۰ء میں تعمیر کیا۔ یہ مسجد شہزادہ جہانگیر کی یاد میں بنائی گئی جو ۱۵۵۳ء میں حملہ ایران میں مارا گیا اور اس کا نام بھی اسی کے نام پر رکھا گیا۔ یہ ایک مشہور و معروف قطعہ زمین ہے اور کئی بار نذر آتش ہو چکا ہے؛ آخری بار اسے ۱۸۲۳ء میں پھر سے بنایا گیا۔

قباطاش (بے ڈھنگی چٹان) اس خطرناک پہاڑی کا نام تھا جو ساحل کے قریب دولمہ باغچہ میں تھی اور جسے قدیم زمانے میں Petra Thermastis کہتے